NIGARSHAT

# جنسی بے راہ روی اور قوموں کا زوال

اختر علی

# جنسی بے راہ روی
# اور قوموں کا زوال

چوہدری اختر علی کالس

نگارشات




جنسی بے راہ روی اور قوموں کا زوال: یہ ایک ایسی کتاب ہے۔ جس کے مصنف نے ہر پاکستانی مسلمان کو یہ سمجھانے کی کوشش کہ ہے کہ جو قومیں جنسی بے راہ روی کا شکار ہوئی وہ قومیں تباہ و برباد ہو گئیں۔

اس کتاب میں اختر علی کالس نے ایسے کئی قوموں اور ان کی جنسی بے راہ روی اور کی بربادی کا تفصیلی ذکر کیا۔اور پھر پاکستانی کی جنسی بے راہ روی کا ذکر کرتے ہوئے پورے دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ پاکستان کا ہر ادرہ جنسی بے راہ روی کا شکار ہے۔ کتاب کے مصنف پاکستان کے ہر ادارے میں ہونے والے جنسی تعلقات اور زنا کے واقعات حوالہ جات کے ساتھ نقل کرنے کے بعد یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح دوسری قوموں جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر تباہ ہو گئیں۔ اس طرح ہم بھی تباہ ہو چکے ہیں پروفیسر کی یہ تصنیف ان لوگوں کے منہ پر بہت بڑا تھپڑ ہے جو لوگ مخلوط تعلیم اور مخلوط نظام معیشت کو ترقی سمجھتے ہیں۔

محمد ندیم سرور چشتی

موبائل

03034200127

03466645127

نام کتاب: جنسی بے راہ روی اور قوموں کا زوال

مصنف: چوہدری اختر علی کالس

ناشر: آصف جاوید

برائے: نگارشات پبلشرز، 24۔ مزنگ روڈ، لاہور
PH:0092-42-37322892 FAX:37354205

مطبع: حاجی منیر پرنٹر، لاہور

سالِ اشاعت: 2016ء

قیمت: -/500 روپے

# فہرست

# دیباچہ

اگرچہ ہر برائی سماج کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے تاہم بدکاری ایک ایسی مہلک سماجی برائی ہے جو قوموں کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔ ایک غیر مسلم مورخ پروفیسر ٹائن بی کا بیان ہے کہ ''میں نے دنیا کی تیس مختلف اقوام کی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جن اقوام نے اپنی قوت شہوانیہ کو قابو میں رکھا۔ وہ تو دنیا میں تادیر قائم اور حکمران رہیں لیکن جن اقوام نے اپنی جنسی قوت کو کھلا' بے قید اور آزادانہ طور پر استعمال کیا۔ وہ کمزور اور زوال پذیر ہو کر دوسری مضبوط اور مستحکم اقوام کی غلام بن گئیں۔''

حکیم الامت شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے بھی قوموں کے عروج و زوال کا یہی قاعدہ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں!

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول' طاؤس و رباب آخر

طاؤس و رباب بے معنی چیزیں ہیں' خشک مغز و خشک چوب ان چیزوں کے ساتھ وہ لوازمات ہیں جو اقوام کو تباہی سے دوچار کرتے ہیں۔ وہ لوازمات کیا ہیں؟ رقص و سرود اور شراب و شباب یعنی عصمت کی پامالی۔

قرآن مجید فرقان حمید میں بھی ہمیں یہی ثبوت ملتا ہے کہ دنیا میں پہلے قتل اور فساد فی الارض کا بنیادی سبب حضرت آدم کے بیٹے قابیل کی ناجائز نفسانی خواہش ہی تھی۔ ہابیل

اور قابیل کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے:

حضرت آدم کے ایک بیٹے ہابیل کے ساتھ اس کی بہن لیودا اور دوسرے بیٹے قابیل کے ساتھ اس کی بہن اقلیما پیدا ہوئی تھیں۔ دستور کے مطابق اقلیما ہابیل کا اور لیودا قابیل کا حصہ تھیں۔ لیکن قابیل دستور کے خلاف اقلیما کے حصول پر بضد ہوا کیونکہ وہ زیادہ حسین تھی۔ حضرت آدمؑ نے ہر چند سمجھایا کہ وہ تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے لہٰذا دستور کے مطابق وہ تجھے حلال نہیں۔ مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''یہ آپ کی رائے ہے۔ اللہ کا حکم نہیں آپ نے فرمایا: ''اچھا تم دونوں اللہ کی راہ میں قربانیاں پیش کرو۔ جس کی قربانی قبول ہو جائے وہی اقلیما کا حق دار ہے۔''

اس زمانہ میں قربانی کی قبولیت کا یہ الہامی دستور تھا کہ نذر و قربانی کی چیز بلند جگہ پر رکھ دی جاتی اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ اس قانون کے مطابق ہابیل نے اپنے ریوڑ میں سے ایک بہترین دنبہ خدا کی نذر کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی کے غلہ میں سے ردی قسم کا غلہ قربانی کے لیے پیش کیا۔ دونوں کی حسن نیت اور نیت بد کا اندازہ اسی عمل سے ہو گیا۔ لہٰذا حسب دستور آگ نے آ کر ہابیل کی نذر کو جلا دیا اور اس طرح قبولیت کا شرف اس کے حصہ میں آیا۔'' چنانچہ ہابیل کا نکاح اقلیما سے اور قابیل کا لیودا سے نکاح کر دیا گیا۔ قابیل اپنی اس توہین کو برداشت نہ کر سکا اس نے غیض و غضب میں آ کر ہابیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔'' ہابیل نے جواب دیا: ''میں تو کسی طرح تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ میں اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں۔ رہا قربانی کا معاملہ سو خدا کے یہاں تو نیک نیت ہی کی نذر قبول ہو سکتی ہے۔ وہاں بدنیت کی نہ دھمکی کام آ سکتی ہے اور نہ بے جا غم و غصہ۔'' قابیل پر اس نصیحت کا الٹا اثر ہوا اور اس نے غصہ سے مشتعل ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

قرآن حکیم قابیل کی سرکشی اور قتل ناحق کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر' جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ بولا قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا۔ کیا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔ بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ جو مالک ہے سارے جہان کا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تُو دوزخی ہو جائے' اور بے

انصافوں کی یہی سزا ہے۔ تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔

قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کے بعد اس کی بیوی کو اغوا کیا اور شام سے بھاگتا ہوا عدن آیا اور یہاں آ کر رہنے لگا۔ چنانچہ اس کی اولاد میں زنا' چوری' شراب اور رقص و سرود شروع ہو گیا۔ حضرت شیث علیہ السلام کے فرزند حضرت انوش علیہ السلام نے اپنے بدکار چاچا قابیل پر قابو پایا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد اور قابیل کی اولاد میں قتل و غارت اور فساد فی الارض کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

تاریخ میں جن سابقہ اقوام اور ان کے عبرت ناک انجام کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں بعض اسی علت کی بنا پر اپنے منطقی انجام کو پہنچیں مثلاً قدیم مصر' بابل' یونان' روم' ایران' ہند اور چین میں کتنی ہی نامور اور جاہ و جلال والی حکومتیں قائم ہوتی رہیں مگر لہو و لعب میں مبتلا ہونے کے بعد وہ صفحہ ہستی سے ایسے مٹا دی گئیں کہ ''مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے۔'' دراصل اقوام قدیم میں بدکاری اور عصمت فروشی کوئی گناہ نہ تھا بلکہ وہ اس عمل کو کار ثواب تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کلدانیہ میں ہر بابلی عورت کا مذہبی فرض تھا کہ وہ عمر میں کم از کم ایک بار ملیتا دیوی کے معبد میں جا کر کسی نہ کسی اجنبی مرد سے ہمکنار ہو۔ گویا ملک کی ہر عورت کو قانونی طور پر اپنی عصمت دیوی کی بھینٹ چڑھانا لازم تھا۔ اسی طرح مصر' یونان' روم اور جنوبی ہند کے مندروں میں صدیوں تک مذہب کے نام پر عصمت فروشی کا سلسلہ جاری رہا۔

راقم نے اسلام سے قبل عہد قدیم کی اقوام میں بدکاری اور مندروں میں ہونے والی مقدس عصمت فروشی کا پردہ بڑی صراحت کے ساتھ چاک کیا ہے۔ تاکہ اسلام اور دیگر اقوام میں عفت و عصمت کے متعلق نظریاتی فرق واضح ہو سکے حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے رشتہ ازدواج کا جو بنیادی مقصد تھا وہ بھلایا جا چکا تھا۔ سکون اور آسودگی کی اس کیفیت سے قلوب خالی ہو چکے تھے جو زن و شوہر کو ایک حقیقت بنا دیتی ہے۔ باہمی محبت و رفاقت کا وہ رشتہ ختم ہو چکا تھا جس سے دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے ازدواجی ہنگامہ آرائیوں کی روح عفت و عصمت تک ایک بے قیمت چیز ہو چکی تھی۔

اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں انسان کی رہنمائی کی وہیں عورت کی عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کیے۔ قرآن میں اعلان کیا گیا۔

''اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بے حیائی کی بات ہے اور برا راستہ''(اسراء۔4)

ایک اور جگہ عفت وعصمت کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے معافی اور بڑا ثواب رکھا ہے۔ (احزاب۔5)

اسلام میں جنسی تسکین کے لیے رب العزت نے صرف دو جائز صورتیں بیان کی ہیں' ایک بیوی اور دوسری شرعی لونڈی۔ ان کے علاوہ کسی اور طریقہ سے جنسی طلب پوری کرنے کی اسلام میں اجازت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں' لیکن اپنی بیویوں یا اپنی شرعی لونڈیوں سے متمتع ہوتے ہیں' ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو' ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔''(مومنون۔1)

اور جو شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو اس طرح برباد کیا کہ عبرت کے لیے صرف ان کا قصہ رہ گیا ہے۔

انسان شرعی حدود کی پروا کیے بغیر جب عفت وعصمت کو پامال کرتا ہے اور جائز و ناجائز کی تفریق مٹا دیتا ہے تو اس وقت پوری قوم فتنہ میں ڈال دی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ اس میں فتنہ عورتوں ہی کی راہ سے آیا جس سے پوری امت تہس نہس ہو کر رہ گئی۔

مولانا محمد شفیع ''معارف القران'' میں سورہ الاعراف کی آیات 175 تا 177 کی تفسیر میں ایک قصہ نقل فرماتے ہیں۔ جس کی تلخیص یہ ہے! جب بنی اسرائیل کو قوم جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کا لشکر لے کر پہنچ گئے۔ قوم جبارین کو اطلاع ہوئی تو ان کے سرکردہ اشخاص ایک اسرائیلی زاہد و عابد ولی اللہ بلعم بن باعورا کے پاس حاضر ہوئے۔ التجا و زاری سے درخواست کی کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے لشکر کو اللہ تعالیٰ سے

دعا کر کے واپس کر دیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک خطیر رقم بطور نذرانہ بھی پیش کی۔ پہلے تو ولی اللہ انکار کرتے رہے۔ مگر بیوی کے اصرار پر بالآخر مان گئے۔ بیوی کی رضا جوئی اور مال کی محبت نے اسے اندھا کر دیا لہٰذا اس نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کے خلاف بددعا کرنا شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے بددعا کے الفاظ الٹے قوم جبارین کے حق میں منہ سے نکلے۔ اس کی پاداش میں زاہد کی زبان کتے کی زبان کی طرح لٹک گئی اور تقرب الی اللہ کے درجہ سے گر کر مبغوض ہوا۔

چونکہ رشوت کا مال بلعم کی بیوی کی جیب بھر چکا تھا ابتدا میں بلعم نے ایک اور چال چلی۔ وہ یہ کہ قوم جبارین کو بتایا کہ بنی اسرائیل کے لشکر میں اپنی حسین لڑکیوں کو پوری طرح بناؤ سنگھار کر کے بھیج دو اس تاکید کے ساتھ کہ بنی اسرائیل کے لوگ ان سے جو کچھ کرنا چاہیں کرنے دیں اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں کیونکہ حرام کاری قہرالٰہی کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ فقیر کی اس تجویز پر عمل کیا گیا اور بنی اسرائیل کا ایک بڑا آدمی زمری بن شلوم ایک لڑکی ''کشتی بنت صور'' سے حرام کاری کر بیٹھا۔ جس کی پاداش میں خدا کا عذاب طاعون کی شکل میں نازل ہوا اور ایک ہی روز میں ستر ہزار اسرائیلی فوجی ہلاک ہو گئے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''دیکھو! جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔'' (الجواب الکافی ص217)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ ''جس قوم میں زناکاری پھیل جاتی ہے اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو طاعون کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

متذکرہ اقوام کی بربادی کے علاوہ خود اسلامی تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد اسلامی حکومتوں کے زوال اور شکست و ریخت میں دیگر محرکات کے علاوہ حکمرانوں اور عوام کی بے راہ روی اور عیش پرستی ایک بڑا محرک رہی ہے۔ سلطنت بغداد اس کی نمایاں مثال ہے جب حکمرانوں کی دعوت پر بغداد کے محلات میں ایک دروازے سے رقص و موسیقی میں تاک لڑکیاں داخل ہو رہی تھیں۔ عین اسی وقت ایک دوسرے دروازے سے ہلاکو خان کی فوجیں تاخت و تاراج کرتی ہوئی شہنشاہ کے محل میں گھس رہی

تھیں۔ اسی طرح اندلس کے حکمران بھی طاؤس و رباب میں غرق ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے وہاں آٹھ سو سالہ مسلمان حکومت ختم ہو گی۔

برصغیر کی تاریخ میں بھی موجودہ مسلمانانِ عالم کے لیے عبرت کی بڑی مثالیں موجود ہیں۔ یہاں بھی سات سو سالہ مسلم اقتدار محض مسلمانوں کی عیش و عشرت اور شراب و شباب میں مدہوش ہو جانے کی وجہ سے ختم ہو گیا۔

مغلیہ خاندان کی رنگین مزاجی اور عیش و عشرت کے متعلق سید ہاشمی نے لکھا ہے کہ ''عالمگیری دور کو چھوڑ کو مغلیہ درباروں میں شراب خاصا عام تھا۔ نفسانی جذبات کو زیادہ مشتعل کرنے کی غرض سے ارباب نشاط کی ایسی افراط پائی جاتی تھی کہ طوائفوں کی ایک پوری قوم پرورش پا گئی تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں ان کے محلے کے محلے آباد تھے اور مشکل سے شمالی ہند کا کوئی قصبہ ایسا ہو گا جہاں ان کے اڈے نہ بن گئے ہوں۔ ان کے جلو میں سازندوں' سطر دائیوں' ڈوموں اور ڈفالیوں کی فوج کی فوج اپنی زندگی خراب کرتی اور دوسروں میں گندگی پھیلاتی پھرتی تھی۔ محمد شاہ اور احمد شاہ کا عہد ان بے اعتدالیوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ جس کے بعد قضاء و قدر کے محتسب نے پوری قوم کو مواخذہ کے شکنجے میں کھینچا اور گنہگار ملوک و امراء پر ایسے دُرے برسائے کہ سارا جاہ جلال خاک میں مل گیا اور خاندان کے خاندان بے نشان ہو گئے'' (تاریخ مسلمانان پاک و ہند حصہ دوم ص 157)

نو روز و نو بہار و مے دلبری خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

تاریخ قوموں کی عیش و عشرت اور رنگین مزاجی کے واقعات محض قارئین کی تفریح طبع یا لطف اندوزی کے لیے محفوظ نہیں کرتی بلکہ ان واقعات کو محفوظ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان سے عبرت حاصل کریں۔ لیکن صد افسوس ہے کہ جدید دنیا نے بالعموم اور عالم اسلام نے بالخصوص ماضی کے عبرتناک واقعات سے کچھ سبق نہیں سیکھا۔ بلکہ حال کی مادی ترقیات نے انسانوں کو روحانیت سے اس قدر دور کر دیا ہے کہ اخلاقیات کی آج کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کی دنیا فسق و فجور کی دنیا بن کر رہ گئی ہے۔ عفت و عصمت کا نام صرف کتابوں میں لکھنے کے لیے رہ گیا ہے ورنہ عملی زندگی میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔ یورپ نے فحاشی اور بدکاری میں سابقہ تمام اقوام کے ریکارڈ توڑ

دیے ہیں۔ ایک حالیہ سروے کے مطابق آکسفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم 76 فیصد طلباء و طالبات شادی کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے کے حق میں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یورپ میں 90 فیصد لوگ شادی سے قبل اپنی عصمت داغدار کر چکے ہوتے ہیں۔ یورپ میں ہر جگہ لوگوں کو دعوت گناہ دی جا رہی ہے۔ رقص خانے، نائٹ کلب، بیوٹی پارلرز، مالش کدے اور تفریح پارک سب کے سب قحبہ خانوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ایسے سخت ہیجان انگیز ماحول میں کسی کی عصمت محفوظ رہنے کا تصور کیسے ممکن ہے۔

قریب قریب یہی حال باقی دنیا کا ہے۔ فرق صرف اتنا رہ گیا ہے کہ یورپ میں جو کام بر سر عام ہو رہا ہے باقی دنیا میں شاید ذرا چھپا کر کیا جا رہا ہے۔ تاہم ڈش کیبل اور انٹرنیٹ کی وساطت سے بہت جلد یہ فرق بھی معدوم ہونے والا ہے۔ فلم، ٹیلی ویژن اور اسٹیج نے بھی نوجوان نسل کے اخلاق اور کردار کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ خصوصاً بلیو فلمیں جو ہر جگہ بڑی آسانی سے دستیاب ہیں۔ عفت وعصمت کی بربادی میں سب سے زیادہ موثر کردار ادا کر رہی ہیں۔

جہاں تک پاکستان میں عفت وعصمت کی زبوں حالی کا تعلق ہے۔ پوری قوم اس مرض میں مبتلا ہو چکی ہے جس کا نتیجہ قوموں کی تباہی ہوا کرتا ہے۔ یہ مرض شرم وحیا اور عفت و عصمت کا فقدان ہے۔ بے حیائی اور اخلاقی پستی کا عالم یہ ہے کہ ملک بھر میں آٹھ ہزار سے زائد فحاشی کے اڈے چل رہے ہیں اور فحاشی کے ان اڈوں پر روزانہ چار کروڑ روپے عیاشی کی نذر کر دیے جاتے ہیں۔ صرف لاہور شہر میں چالیس ہزار سے زائد عورتیں عصمت فروشی کا دھندہ کر رہی ہیں۔ اب یہ وباء کوٹھوں سے نکل کر فائیو سٹار ہوٹلوں اور سفید پوشوں کے مکانوں کی دہلیز پار کرتے ہوئے عوامی پارکوں اور تاریخی مقامات کی حدود تک جا پہنچی ہے۔ حد یہ ہے کہ اب تو محرمات کی عصمت کا تقدس بھی بری طرح پامال ہو رہا ہے۔

ہر روز اخبارات اپنی نوعیت کے منفرد جنسی جرائم کے واقعات شہ سرخیوں سے شائع کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ کوئی بھی صاحب فکر نہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے خلاف قلم اٹھانے کی جسارت کرتا ہے۔ ان دل سوز واقعات پر خاموشی حقیقت میں دو باتوں کی غمازی کرتی ہے۔ اول یہ کہ ہمارا اخلاقی نظام بالکل ناکارہ ہو چکا ہے۔ دوم یہ کہ بے راہ روی کو ہمارا معاشرہ زیادہ معیوب تصور نہیں کرتا۔ پس یہ کسی قوم کی ہلاکت یا ذہنی پستی کی آخری

علامت ہے۔ جس کے بعد اس قوم کا زندہ رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہو جاتا ہے۔

ترکی میں تباہی مچانے والے عبرتناک واقعہ کی مثال ہمارے لیے کافی ہے۔ یہ واقعہ ماہ اگست 1999ء میں رونما ہوا۔ جس کی مختصر روداد یہ ہے۔ ترک بحریہ کے ایک اڈے میں جو ساحل سمندر کے بالکل قریب تھا۔ رقص و موسیقی کی ایک شرمناک محفل سجی ہوئی تھی۔ اس محفل میں 3 ہزار سے زائد لوگ شریک تھے۔ رنگ و نور کی اس محفل کے لیے اسرائیل سے خصوصی طور پر ایسی یہودی لڑکیاں منگوائی گئیں جو رقص و موسیقی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اس میں 30 کے قریب ترک جرنیل بھی شامل تھے۔ عین اس وقت جب فحاشی اور عریانی کے مناظر اپنے پورے عروج پر تھے کہ شراب میں مدہوش ایک ترکی جنرل نے ایک کیپٹن کے ذریعے قرآن مجید کا ایک نسخہ منگوایا اور اس کو پڑھنے کے لیے کہا۔ جب کیپٹن نے قرآن مجید کی تلاوت کی تو اس جنرل نے اس کی تفسیر پوچھی۔ کیپٹن صاحب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جنرل مذکور نے قرآن حکیم کے اس نسخے کو لے کر پھاڑ ڈالا اور ناچتے ہوئے یہودی اور ترکی لڑکیوں کے پاؤں میں بکھیر دیا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ ''اس قرآن کو نازل کرنے والا کہاں ہے؟'' حالانکہ اس میں یہ بھی ہے کہ ''ہم نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' اب اس کی حفاظت کرنے والا کہاں ہے؟

بدبخت جنرل کی اس مذموم حرکت سے کیپٹن پر انتہائی خوف طاری ہو گیا۔ وہ بڑی عجلت کے ساتھ بحری اڈہ سے باہر آ گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ شخص اس بحری اڈے پر آنے والے عذاب کا چشم دید گواہ بن سکے۔ اس کے بعد اچانک ایک خوفناک روشنی نمودار ہوئی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پھر سمندر پھٹ پڑا اور اس میں سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ ساتھ ہی گولوں کے پھٹنے کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ بعد ازاں خداوند قدوس نے اس پورے بحری اڈے کو اٹھا کر سمندر کی تہہ میں غرق کر دیا۔

چوہدری اختر علی کالس (ایم۔اے۔بی۔ایڈ)
موضع پرسوال ڈاکخانہ کی آنکھ تھانہ کڑیانوالہ تحصیل و ضلع گجرات

مورخہ: اگست 2005ء

# دور قدیم

# اقوامِ قدیم میں جنسی بے راہ روی کا مختصر تذکرہ

## قدیم مصر

### اجمالی تعارف

مورخین کا خیال ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے تہذیب وتمدن کا آغاز مصر میں ہوا۔ اس کی قدامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت اسرائیلی قبائل نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت کی اس وقت اہرام مصر کی تعمیر کو ایک ہزار برس گزر چکے تھے۔ مصر کو سب سے پہلے قبطیوں نے آباد کیا جو ابتدائے عالم سے لے کر طلوع اسلام تک مصر میں ہی رہے۔ یہاں تک کہ آفتاب اسلام کی روشنی نے ان کی چمک ودمک کو ماند کر کے ان کی دولت وحکومت کا خاتمہ کر دیا۔ "قبطی قبط بن لائق بن مصر کی اولاد شمار کیے جاتے ہیں۔ والد کی وفات کے بعد مصر کی نے اس سرزمین کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے اپنے دائرہ حکومت کو اسوان، یمن، عریش، ایلہ اور فرسیسہ تک بڑھا دیا۔ لہٰذا یہ سرزمین اسی کی طرف منسوب کی گئی اور مصر کے نام سے مشہور ہوئی۔[1]

### عفت مآبی کا تصور

معروف مورخ ہیروڈوٹس (Hero-Dotus) نے مصری خواتین کی عفت وعصمت پر

سخت تنقید کی ہے۔ حتیٰ کہ وہ مصر کی شادی شدہ خواتین کی عفت و عصمت کو بھی نہ صرف شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے بلکہ پورے وثوق سے کہتا ہے کہ وہ پاکدامن نہیں ہیں۔ اس ضمن میں اس نے ایک کہانی بیان کی ہے جس کی رو سے پورے مصر میں ایک بھی شادی شدہ عورت ایسی نہ تھی جو اپنے شوہر کی وفادار ہو۔ اس کہانی کے مطابق: کسی فرعون کی بداعمالیوں سے چڑ کر دیوتاؤں نے اسے اندھا کر دیا اور پھر بصارت کی بحالی کے لیے شرط یہ رکھی کہ اگر فرعون کو کوئی ایسی بیوی مل جائے جو اپنے خاوند کی وفادار ہو تو اس کی بینائی لوٹا دی جائے گی۔ فرعون نے فوراً اپنی ملکہ کو طلب کر لیا۔ مگر اس کا اندھا پن دور نہ ہوا۔ اس کے بعد وزراء و امراء اور روساء کی بیگمات کو بلایا گیا۔ مگر اس کی آنکھیں ٹھیک نہ ہوئیں۔ پھر مختلف شہروں اور اس کے بعد پورے مصر کی خواتین کی باری آئی۔ کنیزوں تک کو آزمائش کی کسوٹی سے گزارا گیا مگر فرعون کی آنکھیں کھل نہ سکیں۔ جب فرعون کو کوئی بھی مصری بیاہتا خاتون عفت مآب نہ مل سکی تو اس نے اپنے ملک سے مایوس ہو کر کسی دوسرے ملک کی طرف رجوع کیا اور یوں ایک غیر ملکی خاتون کی بدولت فرعون کی بینائی لوٹ سکی۔

مشہور فرانسیسی ماہر مصریات و آثاریات ماسپرو کا بیان ہے کہ ''کسی بھی سجیلے اور تنومند نوجوان کو دیکھتے ہی مصری عورت میں ایسی شدید جنسی خواہش بیدار ہو جاتی تھی جسے دبانا یا اس پر قابو پانا کسی حال میں اس کے بس میں نہ رہتا اور وہ فوراً جنسی ملاپ کے لیے کوشاں ہو جاتی۔''

آر ٹیبوئی (R.Tabouis) کے بقول: مصریوں نے پرجوش اور تند جذباتی فطرت پائی تھی۔ ان کے ہاں پاکیزگی کوئی خوبی کی بات نہ تھی۔ نوجوان عورتیں عموماً ایسا باریک اور جالی دار لباس زیب تن کرتیں کہ ان کا بدن صاف صاف دکھائی دیتا تھا۔ مصری عورت عشق و عاشقی کے معاملات میں محض خوابوں کی دنیا میں کھوئی رہنے کی روادار نہیں تھی بلکہ وہ تو عملی اقدام کی قائل تھی۔ مصری عورت کو جب کسی مرد سے عشق ہو جاتا تو وہ اسے مختلف طریقوں سے اپنی طرف مائل کرتی۔ کبھی منت سماجت سے اور کبھی ناز و ادا سے اپنی خواہش کی تسکین کے لیے اپنی طرف آمادہ کر لیتی۔ وہ اپنی مرضی ہرگز پوشیدہ نہ رکھتی بلکہ اپنا مطلب صاف صاف کہہ دیتی۔

فلنڈرس پیٹری نے اپنی کتاب ''قصص المصر'' میں لکھا ہے کہ قدیم مصریوں میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی عورت کسی پر لٹو ہو جاتی تو وہ اسے اپنے کپڑے بھیج کر جسمانی ملاپ کی

دعوت دیتی تھی۔ خصوصاً اونچے گھرانوں کی خواتین اس پیش قدمی میں ذرا برابر عار محسوس نہ کرتیں۔ وہ جب اپنے من بھائے مرد کو کنیزوں کی معرفت پیغام وصل روانہ کرتیں تو بڑا ہی صاف اور واشگاف ہوتا۔

مثلاً ایک قدیم مصری تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بار کسی فرعون زادی نے کسی خوبصورت منصب دار کو دیکھ لیا اور پھر اسے اپنی کنیز کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا: ''میری بارہ دری میں آ' ہم وہاں گھڑی دو گھڑی لطف اٹھائیں گے''

اسی طرح ایک اور مورخ ''موہن'' نے لکھا ہے کہ ''مصر میں زنان بازاری نے وہ گندی فضا پیدا کر رکھی ہے کہ الامان الحفیظ! ان کا ذکر تاریخ کے اوراق کو مسموم کر رہا ہے۔ اس ناپاک طبقے کو اپنے کاروبار کا لائسنس حکومت سے ملتا ہے۔ لیکن اس نجس جماعت سے قطع نظر امراء اور روساء کے گھروں میں جھانکئے تو اس سے زیادہ شرمناک مناظر دکھائی دیں گے۔ اعلیٰ گھرانوں کی خواتین وہ حیا سوز کارنامے کر رہی ہیں کہ طوائفوں کو اپنی کساد بازاری کا گلہ کرنا پڑتا ہے۔ بڑے گھرانوں میں زنا ایک عام مشغلہ ہے جس میں قانون کی مداخلت کا سوال ہی نہیں۔[2]

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا قصہ بھی مصری عورت کی پیش قدمی پر روشنی ڈالتا ہے۔ مصر کی ایک معروف ملکہ قلوپطرہ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ تقریباً بارہ سال کی عمر میں ہی اپنی عصمت لٹا چکی تھی۔ وہ اپنے محل میں رنگا رنگ محفلیں منعقد کرتی تھی۔ جو کئی دن تک جاری رہتی تھی اور ان میں رنگ رلیاں اور نظارے اپنے عروج کو پہنچ جاتے تھے۔ ان محفلوں میں کھلے عام برہنہ ناچ ہوتا تھا اور سر عام وظیفہ جنسی ادا کیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے دربار میں موجود ہر افسر سے جنسی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔

جہاں بدکار عورتوں کی فراوانی ہو وہاں مرد اپنی پارسائی کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں لہٰذا جملہ واقعات سے یہ یقین کر لینا کہ مصر میں صرف عورتیں ہی بدی کے عمل میں پیش قدمی کرتی تھیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ مصری مرد بھی عورتوں پر دیوانہ وار جان دیتے تھے۔ عورتوں کی طرف مصری مردوں کی انتہائی رغبت دیکھ کر ایک مصری دانشور ''انی'' اپنے مردوں کو نصیحت کرتا ہے کہ ''عورت سے بچ کر رہو' کیونکہ وہ ایک ایسی گہری اور بے کنار ندی ہے جس کی حدیں کوئی انسان معلوم نہیں کر سکتا۔'' اسی طرح ایک مصری استاد اپنے

شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی پڑھائی سے غفلت برت رہے ہو اور تمہارا سارا وقت عیش کوشیوں کی نذر ہو رہا ہے ذرا اپنی حالت پر غور تو کر اس حال میں کہ خوشبو میں رچی بسی ایک خوبصورت لڑکی تیرے پہلو میں ہے' پھولوں کا ہار تیری گردن میں پڑا تیرے پیٹ سے ٹکرا رہا ہے اور تو غلاظت بھری دھرتی پر ادھر اُدھر لڑکھڑاتا' چکراتا اور لڑھکتا چل رہا ہے۔''

مصر کا ایک فرعون جس کا نام ''ستانِ بن علوان'' تھا وہ عورتوں کا اس قدر شوقین تھا کہ اسے جہاں کہیں اپنے ملک میں خوبصورت عورت کی اطلاع ملتی اسے اپنی خلوت گاہ میں منگوا لیتا۔ اسی فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہؓ کے حسن و جمال کی خبر سن کر انہیں اپنی خلوت گاہ میں منگوایا تھا مگر اللہ تعالیٰ کے خاص کرم سے وہ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

فراعنہ مصر کی عیش و عشرت کا یہ عالم تھا کہ ان کے حرم بھی ان گنت دلآویز عورتوں' بیگمات اور کنیزوں سے بھرے رہتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ جب یہ فرعون دوسرے ملکوں کی شہزادیوں سے شادی کرتے تو شہزادیوں کے ساتھ انہیں سینکڑوں کنیزیں بھی جہیز میں ملتی تھیں۔ مثلاً عراق کی ایک ریاست متانی کی آریائی نسل شہزادی ''تادوخیپا ہی'' اپنے ساتھ تقریباً 300 سے زائد لونڈیاں لائی تھی۔

فرعون گرمی کی تپتی دوپہریں اپنے محل میں گزارتا۔ محل کے بڑے بڑے کمرے خوب ٹھنڈے ہوتے تھے۔ ان کمروں کے ستون چمکدار رنگوں سے مزین کیے جاتے تھے۔ ستونوں کے درمیان پانی بھرنے کے برتن بنے ہوئے تھے۔ خوبصورت چھریرے بدن والی بالکل برہنہ لونڈیاں ہر وقت خدمت کرنے کو فرعون کے چار طرف موجود ہوتیں۔ یہ کنیزیں آنکھوں میں دور دور تک سرمہ لگاتیں' ہونٹوں کو رنگین رکھتیں اور بیوٹی کے خیال میں تو ہاتھ اور پاؤں کے ناخنوں پر بھی گہری سرخی لگاتیں تھیں۔ کچھ کنیزیں فرعون کو کنول کے پھول سنگھاتیں' بعض ٹھنڈے اور شیریں تربوز کھلاتیں اور بعض کنیزیں اپنے بادشاہ کے ساتھ ''منا'' نامی کھیل کھیلتیں۔

اہل مصر عورتوں کے اس قدر دلدادہ تھے کہ مرنے کے بعد بھی وہ عورتوں کی ضرورت اسی طرح محسوس کرتے تھے جیسے وہ ان کے ساتھ زندگی میں مشغول رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ

جب کوئی اہم اور متمول شخص مر جاتا تو کئی عورتیں اس عقیدے کی بنا پر قتل کر کے اس کی لاش کے ساتھ دفنا دی جاتیں کہ ان کی روحیں اپنے متوفی مالک کے ساتھ دوسری دنیا میں جا کر اس کی خدمت اس طرح بجالائیں گی جیسے ان زنانہ ارواح کے جیتے جاگتے اجسام دنیا میں اس کی خدمت کر چکے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ عورتوں کو قتل کر کے دفنانے کا رواج جاتا رہا اور اس مقصد کے لیے عورتوں کے بجائے مٹی اور لکڑی کی ننگی مورتیاں دفنائی جانے لگیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسانی تصویروں کی ارواح کو پر تاثیر کلمے کے ذریعے حاضر کیا جا سکتا ہے۔ اس کلام کو وہ ''حقا'' کہتے تھے۔

## مندروں میں بدکاری

مصری مندروں میں بدکاری کا عام رواج تھا۔ لڑکیاں وقتاً فوقتاً دیوی' دیوتا کے نام سے منسوب ہوتی تھیں۔ جو زندگی بھر یا کچھ عرصہ کے لیے بدکاری میں مصروف رہتی تھیں۔ ڈاکٹر آغا اشرف نے لکھا ہے کہ ''اگرچہ ابتدا میں اس قسم کی فحاشی کا رواج مصر میں نہ تھا لیکن کلدانیوں اور دوسری مشرقی اقوام نے یہ مشغلہ وہاں بھی رائج کر دیا۔'' استرابو نے لکھا ہے کہ ''مصر کے بڑے مندر کے لیے پجاری حسین لڑکیاں پسند کرتے تھے جو مندر میں کچھ دن خدمت بجالانے کے بعد شادی بھی کر سکتیں تھیں۔''

قدیم مصری اپنے دیوتاؤں کو انسان کی طرح سمجھتے تھے' مگر ان کو قوت' شجاعت اور عقل میں انسان سے بالاتر جانتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہمارے معبود ازدواجی زندگی سے انسانوں کی طرح لطف اندوز ہوتے تھے۔ ان کے اس عقیدے کی نشاندہی کرتے ہوئے ہیروڈوٹس مصر کے شہر تھیبس (Thebes) کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہاں ہر رات ایک عورت مندر میں پلنگ پر الٹا کر اونچی لٹکا دی جاتی تھی اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ رات کو کسی وقت دیوتا آئے گا اور اس عورت سے جنسی حظ اٹھائے گا۔

## مذہبی تہواروں میں بے ہودگی

مصر میں ہر دیوی اور دیوتا کے تہوار سال میں کئی مرتبہ منائے جاتے تھے۔ سب سے بڑے تہوار اوسیرس (Osiris) دیوتا اور آئسس دیوی کے تھے۔ اوسیرس کا تہوار طغیانی آنے پر منایا جاتا تھا۔ اس سے لوگ سمجھتے تھے کہ دیوتا مر کر پھر زندہ ہو گیا ہے۔ یہ خوشی کا تہوار

تھا۔ اس میں کئی روز تک ناچ رنگ کی محفلیں گرم رہتی تھیں اور جوش مسرت میں بے حجابی اور بے حیائی کے ناقابل بیان مظاہرے کیے جاتے تھے۔ ہیروڈوٹس کے مطابق اوسیرس کا سالانہ تہوار نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا تھا' عورتیں باجے گاجے کے ساتھ اوسیرس کا بت لے کر نکلتی تھیں۔ بت کا قد دو فٹ کے قریب ہوتا تھا۔ اس کے عضو تناسل میں ڈورے باندھے ہوتے تھے جن کو کھینچنے سے اس میں عمودی جنبش پیدا ہوتی تھی۔ اوسیرس کے تہوار کے متعلق ابن حنیف لکھتے ہیں: ''مصری اوسیرس کو تولید و تناسل کا دیوتا بھی خیال کرتے تھے چنانچہ ایک عظیم الشان تہوار کے موقع پر لوگ اس دیوتا کے بے شمار لنگ (عضو) رسیوں سے باندھ کر رکھتے اور اس کی پوجا کرتے خصوصاً عورتیں انہیں گھماتی' گاتی سڑکوں پر جلوس بنا کر نکلتی تھیں اور ایک دوسرے سے فحش مذاق کرتی تھیں۔''

آئسس کے مندر میں ہر روز ہزاروں دیوداسیاں عصمت فروشی کرتی تھیں۔ ان سے ہمکنار ہونا کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ اس کی تہہ میں یہ عقیدہ مخفی تھا کہ اس طرح زمین کی زرخیزی اور توالد میں اضافہ ہوتا ہے۔ آئس دیوی کا سالانہ تہوار اس شان سے منایا جاتا تھا کہ فرعون بہ نفس نفیس جلوس کی قیادت کرتا تھا۔ یہ تہوار بھی کئی روز تک منایا جاتا تھا اور اس دوران جنسی بے راہ روی کے عجیب و غریب مظاہرے دیکھنے میں آتے تھے۔

## جنسی میلے

مصر میں آزاد مباشرت کے میلوں کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ خصوصاً فصل کی بوائی کے موسم میں ایسے میلے کثرت سے منعقد ہوتے تھے۔ ان میلوں کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ جنسی طور پر کمزور یا نامرد مردوں کی بیویوں کو حمل ٹھہرایا جائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ زمین سردیوں کی انقباط ختم کرے اور بہار جوش پر آجائے۔ ڈالے گئے بیج کو قبول کرے اور بہت زیادہ خوراک پیدا کرنے کے لیے خود کو تیار کرے۔ آزاد مباشرت کے میلوں میں نوجوانوں کو عام جنسی آزادی تھی بلکہ جنسی عمل ان کے لیے لازم قرار دیا گیا تھا۔ مصری اس اجتماعی آبروریزی کو برا خیال نہیں کرتے تھے۔ ان میلوں میں ایک خاص بات یہ تھی کہ آدمی کو اپنی بیوی سے مباشرت کی اجازت نہ تھی بلکہ وہ پابند تھا کہ کسی اور شخص کی بیوی سے جنسی عمل کرے تاکہ زرخیزی زیادہ ہو۔''(3)

## شراب نوشی

مصر کے لوگ شراب اور بیئر کے بہت رسیا تھے اور سالانہ تہواروں کے موقع پر جب ملک کے کونے کونے سے لوگ کسی بھی مقدس شہر میں جوق در جوق سمٹ آتے تو شراب کے دریا بہہ نکلتے خصوصاً بوباستس (شہر) کے تہوار میں لوگ اتنی شراب پی جاتے کہ باقی پورے سال میں بھی مجموعی طور پر اتنی نہ پیتے تھے۔

بڑے قصبوں اور شہروں میں خرمستیاں کرنے والے نوجوان بھی تھے جو ہمہ وقت مشروب سے جی بہلاتے۔ وہ شراب نوشی کے لیے کسی تہوار یا دعوت کا انتظار کرنے کے قائل نہ تھے۔ عام شہری تو درکنار طلباء بھی اس شغل سے محروم نہ تھے۔ اکثر اساتذہ شراب نوشی کے معاملے میں اپنے شاگردوں سے شاکی رہتے تھے۔ ظاہر ہے شراب پینے والے ہمیشہ شباب کی تلاش میں رہتے ہیں کیونکہ شراب اور شباب ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔

## رقص وموسیقی

مصری رقص کے بڑے شوقین تھے۔ پجاری مندروں میں دیوداسیوں کے رقص سے لطف اٹھاتے تھے جبکہ دوسرے لوگ مخلوط دعوتوں میں حسین لڑکیوں کے تھرکتے بدن دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ان دعوتوں اور تقاریب میں مہمان کرسیوں پر فروکش ہوتے اور خوبصورت عورتیں عریاں یا نیم عریاں حالت میں ان کی خاطر مدارت کرتیں۔ مہمانوں کو کھانے پینے کی چیزیں پیش کرنے کے علاوہ مہکتی کلیوں اور پھولوں کے ہار ان کے گلے میں ڈالتیں۔ جسم پر خوشبوئیں بھی ملتیں اور چھڑکتیں، پھر رقص وسرود سے ان کا دل بہلاتیں۔ خود فرعون مصر رقاصاؤں پر جان دیتے تھے۔ رقص کی ماہر عورتیں ان کے حرم کا ایک حصہ تھیں۔

سید علی عباس لکھتے ہیں: فراعین کے محلات اور معبدوں میں موسیقاروں، سازندوں اور ناچنے والی لڑکیوں کے طائفے ہمہ وقت حاضر رہتے تھے۔ ناچنے والیاں ایسے شفاف اور باریک کپڑے پہن کر رقص کرتی تھیں کہ جسم کے تمام دلکش زاویے اور خطوط صاف صاف دکھائی دیتے تھے۔ بعض اوقات وہ بالکل برہنہ ہو کر بھی ناچتی تھیں۔ آج بھی مصر اور بعض دیگر عرب ممالک کے بیلی ڈانس میں یہ روایت محفوظ ہے۔ غوازی (جمع غازیہ کی یعنی مصر کی پیشہ ور ناچنے والیاں) اس کی ترجمانی کرتی ہیں اور شبانہ محفلوں میں وہ اکثر برہنہ ہو کر ناچتی ہیں۔ بیلی

ڈانس میں کولہوں کو نہایت ہوس پرور انداز میں تیزی سے مٹکایا جاتا ہے۔[4]

## محرمات سے شادی

مصریوں میں سب سے بڑی اخلاقی قباحت یہ تھی کہ وہ محرمات سے شادی کر لینا جائز سمجھتے تھے کیونکہ ان کے کئی دیوتاؤں نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے شادی کی ہوئی تھی۔ جیسے اوسیرس نے اپنی بہن آئسس سے۔ خصوصاً فراعین میں یہ رواج عام تھا۔ پیر کرم شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ ''عہد قدیم میں مصری بادشاہ اپنی بہن کے ساتھ شادی کر لیا کرتا اور بسا اوقات اپنی بیٹی کو اپنی بیوی بنا لیا کرتا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی تھی کہ شاہی خاندان کے خون کو بیرونی عناصر کی آلودگی سے ہم پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ بادشاہوں کی یہ عادت ان کے شاہی محلات تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی رعایا میں بھی اس قبیح فعل کو قبول عام حاصل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ دوسری صدی عیسوی میں ارسینوئی کے دو تہائی باشندے اس طریقہ کار پر عمل پیرا تھے۔[5]

بیوی کو مصر کے لوگ سنتف (Suntaf) کہتے تھے جس کے معنی ''اس کی بہن'' ہیں۔ بیوی کے لیے اس لقب سنتف کی موجودگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصر میں بہنوں سے شادی کا دستور عام تھا اور شاہی خاندان میں تو بہن سے شادی ایک اصول بن چکا تھا کیونکہ باپ کے بعد تخت نشین ہونے والے بیٹے کا حق شاہی اس وقت اور بھی زیادہ مستحکم سمجھا جاتا تھا جو اپنی کسی ایسی شہزادی بہن سے شادی کرلے جس کی ماں بھی شاہی نسل سے رہی ہو۔

سنتف کا لقب بیاہتا عورت کے لیے شادی کے غالباً ایک سال بعد تک رہتا تھا اور اس پہلے برس کے دوران عورت کے کردار اور بار آوری یعنی بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کا امتحان لیا جاتا۔ شادی کی اس ایک سالہ آزمائشی مدت کے بعد جو فریق گھر چھوڑ کر علیحدگی اختیار کرنا چاہتا وہ معاہدے کے مطابق فریق ثانی کو معاوضہ یا رقم ادا کر کے تعلق ختم کر سکتا تھا۔

مصر میں بہنوں سے نکاح کے متعلق سید علی عباس نے لکھا ہے: ''مصری فراعین اور روساء عام طور پر اپنی بہنوں سے نکاح کرتے تھے تاکہ وہ ان کے ورثے میں حصہ دار بن سکیں جو انہیں اپنی ماؤں کی جانب سے ملتا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ یہ جائیداد کسی اور کے قبضہ میں چلی جائے۔ بعض فراعین اپنی بیٹی سے نکاح کر لیتے تھے جیسے رعمسیس ثانی نے

یکے بعد دیگرے اپنی کئی بیٹیوں سے نکاح کیا تھا۔ (روایات تمدن قدیم' ص 56)

## امرد پرستی

مصر کے علاقہ قیوم سے فلنڈرس پیٹری کو ایک قدیم مخطوطہ دستیاب ہوا تھا جس کا ترجمہ گریفتھ نے کیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چار ہزار برس قبل بھی امرد پرستی (لواطت) کا رواج تھا اور لوگ اسے اس قدر اچھا سمجھتے تھے کہ انہوں نے اس کو اپنے دو مشہور دیوتاؤں ست اور حر کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ ان دونوں دیوتاؤں کی کہانی کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے:

''ست نے حر کو مخاطب کیا: چل میرے گھر چلتے ہیں' وہاں مسرت بھرا دن گزاریں گے۔ حر بولا: یقیناً میں ایسا ہی کروں گا' ایسا ہی کروں گا' ایسا ہی کروں گا۔'' شام ہوئی تو ان دونوں کے لیے بستر بچھا دیا گیا اور وہ دونوں اکٹھے لیٹ گئے۔ رات کو ست نے حر کے ساتھ غیر اخلاقی حرکت کی مگر حر نے ست کا مادہ منویہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنی ماں دیوی آئسس کو جا کر دکھایا اور پوری بات بھی سنا دی۔ حر کے ہاتھ میں ست کا مادہ منویہ دیکھتے ہی آئسس زور سے چلائی۔ اس نے تانبے کے چاقو سے حر کا ہاتھ کاٹ کر پانی میں پھینک دیا۔ پھر آئسس نے بیٹے کا بریدہ ہاتھ ویسے کا ویسا ہی کر دیا۔ اس کے بعد آئسس نے تھوڑی سی خوشبودار مرہم لی اور حر کے اندام پر مل دی۔

اندام کو ایک برتن کے اندر رکھا اور حر نے اپنا مادہ منویہ خارج کر دیا۔ صبح آئسس یہ مادہ لے کر مکار ست کے باغ میں گئی اور ست کے باغبان سے پوچھا: ''ست یہاں کس قسم کی سبزی کھاتا ہے؟'' باغبان نے کہا کاہو کے سوا اور کچھ نہیں کھاتا۔ یہ معلوم کر کے آئسس نے حر کا مادہ کاہو کے پودوں پر چھڑک دیا۔ شیطان ست نے اپنے روزمرہ معمول کے مطابق یہ کاہو کھایا۔ چونکہ اس پر حر دیوتا کے مادہ منویہ کے اثرات تھے چنانچہ ست دیوتا کو حمل قرار پا گیا۔ ست نے جا کر حر سے کہا چل چلیں میں عدالت میں تیرے خلاف مقدمہ لڑوں گا۔'' ضرور چلوں گا' بڑی خوشی ہوگی وہاں چل کر۔ دونوں ایک ساتھ' دیوتاؤں کی عدالت میں پہنچے۔ دیوتاؤں نے پوچھا: ''بولو کیا کہنا چاہتے ہو۔'' ست بولا: ''بادشاہت کا حقدار مجھے قرار دیا جائے کیونکہ میں نے حر کے ساتھ مردوالا فعل کیا ہے۔'' دیوتاؤں کو یہ سن کر کہ ست نے حر کو ہم

جنسیت کا شکار بنایا ہے' تے آنے لگی۔"(6)

مصریوں کی ذہنی پستی اور عصمت کی زبوں حالی کا ذکر مؤرخ اکبر شاہ نجیب آبادی نے ان الفاظ میں کیا ہے: بت پرست مصریوں میں تمام وہ مصائب موجود تھے جو کسی ذلیل سے ذلیل بت پرست قوم میں ہو سکتے ہیں۔ وہ عیوب جو دیگر اقوام میں موجود تھے وہ سب کے سب زیادہ خراب حالت میں مصر کے اندر دیکھے جا سکتے تھے۔ غلامی نہایت ظالمانہ انداز میں رائج تھی' زناکاری اور غارت گری کے لیے ترغیب دہ اصول وقواعد بنا لیے گئے تھے۔ قتل انسانی معمولی تفریح گاہوں کے لیے سامان تفریح سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں کو خودکشی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ غرضیکہ تہذیب وشائستگی کی علامات مصریوں کے اعمال واخلاق سے بالکل معدوم تھے اور جہالت اور تاریکی جس قدر چاہو موجود تھی۔(7)

## انجام

اخلاقی لحاظ سے جب کوئی قوم اس قدر پست ہو جائے تو ظاہر ہے ہلاکت اور بربادی کے سوا اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہی کچھ مصر کے ساتھ ہوا۔ رعمسیس سوم کے بعد بدامنی کا ایسا دور شروع ہوا کہ 954ق م میں لیبیا کے باشندوں نے ترک تاز کر کے ہر طرف تباہی پھیلا دی۔ 727 قبل مسیح میں جنوب کی طرف سے حبشیوں نے حملہ کر دیا اور دور دور تک لوٹ مار کی۔ 676ق م میں اشوریوں نے زبردست حملہ کیا اور شاہ مصر سار ڈاناپاس کا باجگزار بن کر رہ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سیت کے شہزادے سام تک نے حملہ آور کو مار بھگایا۔ 525 ق م میں ایرانی فوج شاہ کمبوجیہ کی قیادت میں حملہ آور ہوئی اور مصر کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا۔ 322 ق م میں سکندر اعظم نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ 30ق م میں قدیم مصر روم کا ایک صوبہ بن کر ہمیشہ کے لیے صفحہ تاریخ سے غائب ہو گیا۔



# قدیم عراق

## اجمالی تعارف

جس ملک کو آج عراق کہتے ہیں اسے عہد نامہ قدیم میں ارم نہرین (دو دریاؤں کے درمیان کا ملک) کہا گیا ہے۔ یونانی زبان کے لفظ میسوپوٹیمیا کا معنی بھی یہی ہے۔[8]

دائرہ معارفِ اسلامیہ میں عراق کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے: پہلے زمانے میں العراقین سے مراد اس ملک کے دو شہر کوفہ اور بصرہ تھے اور بقول یاقوت حموی بعد میں اس لفظ کا اطلاق العراق اور الجبال دونوں پر ہونے لگا۔ ایرانی عام طور پر الجبال کو عراق کہتے تھے کیونکہ جو سلجوق حکمران عراق پر حکومت کرتا تھا۔ اس نے الجبال کو بھی فتح کر لیا۔ وہ خود چونکہ ہمدان میں رہتا تھا اس لیے لوگوں نے اس کے لقب الملک العراق کو اس کے صوبے سے منسوب سمجھا۔[9]

سرزمین عراق دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کا گہوارہ رہی ہے۔ اس کی تاریخ کا آغاز ان غیر ملکی حملہ آوروں سے ہوتا ہے جو تقریباً سات ہزار سال قبل دریائے فرات اور دجلہ کے سنگم پر بمقام اُر آ کر آباد ہوئے اور انہوں نے سمیر اور عکاد کی دو تاج والی مسلک بادشاہت قائم کی۔ سمیر اور عکاد کی حکومت 2300 ق م تک قائم رہی۔ جس کے بعد بابل کو اقتدار حاصل ہوا اور اس پر عامری حکومت قائم ہوئی۔ حمورابی ان کا سب سے مشہور حکمران گزرا ہے۔ جس کے عہد حکومت میں حتی لوگوں نے شمال مغرب سے اور کاسی لوگوں نے شمال مشرق سے حملے

شروع کر دیئے۔ 1746ء ق م میں ایک کاسی بادشاہ نے بابلیوں کو شکست دے کر ایک ایسے خاندان کا سنگ بنیاد رکھا جو آئندہ چھ سو سال تک (1170 ق م) بابل پر حکمران رہا۔ بعدازاں بابل میں بغاوت ہوگئی اور ایسا اندرونی خلفشار پیدا ہوا کہ تمام بابل اشور کی عملداری میں آگیا۔ اشوری سلطنت 750 ق م سے 606 ق م تک قائم رہی۔ ان کا دارالحکومت نینوا تھا۔

625 ق م کے قریب بابلی ایک بار پھر برسراقتدار آگئے جنہوں نے 539 ق م تک حکومت کی۔ 539 ق م میں فارس کے بادشاہ سائرس نے بابلیوں کو شکست دے کر اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ عراق پر فارس کی حکومت 539 تا 331 ق م قائم رہی۔ اس کے بعد 131 ق م تا 141 ق م اس پر سکندر مقدونی اور اس کے جانشین جرنیل حکمران رہے۔ پھر 141 ق م سے 226ء تک اس پر پارتھیا کی حکومت رہی۔ 226ء تا 630ء تک عراق پر ساسانی بادشاہوں کا تسلط رہا۔ اس کے بعد عراق پر مسلمان قابض ہو گئے۔ (10)

## عصمت کی زبوں حالی

قدیم عراق میں عفت و عصمت کی زبوں حالی معروف مورخ ہیروڈوٹس نے قدرے تفصیل سے بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "بابل والوں میں ایک نہایت ہی شرمناک رواج یہ ہے کہ ہر عورت جو اس ملک میں پیدا ہو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک مرتبہ عشتار (Ishtar) دیوی کے مندر میں جا کر بیٹھے اور آزادانہ مردوں سے ملے۔ چنانچہ اس مندر میں عورتوں کی بہت بڑی تعداد ایسی نظر آتی ہے جو اپنی چوٹیوں میں پھول گوندھے ہوئے بیٹھی رہتی ہیں۔ غیر مرد ان کو دیکھتے ہوئے سامنے سے گزرتے رہتے ہیں اور جس پر نظر انتخاب پڑتی ہے ٹھہر جاتے ہیں۔ جو عورت ایک دفعہ دیوی کے مندر میں بیٹھ جاتی ہے اسے اس وقت تک اٹھ کر جانے کی اجازت نہیں ملتی جب تک کوئی غیر محرم اس کی گود میں چاندی کا سکہ نہ پھینک دے۔ جب مرد چاندی کا سکہ گود میں ڈال دیتا ہے تو وہ اپنے منہ سے یہ الفاظ کہتا ہے کہ ملیتا (Mylitta) دیوی تیرا بھلا کرے اور عورت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اسے اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ وہ نقرئی سکہ کتنا بڑا ہے' لیکن جب وہ گود میں پھینک دیا جاتا ہے تو اس کے لینے سے انکار کرنا قانوناً جرم ہے کیونکہ وہ سکہ متبرک ہو جاتا ہے۔ جو عورتیں حسین ہوتی ہیں وہ تو بہت جلد خلاصی حاصل کر لیتی ہیں' لیکن جو واجبی شکل و صورت کی مالک ہوتی ہیں ان

کو زیادہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے اور تین تین چار چار دن تک پڑی رہتی ہیں۔[11]

ہیروڈوٹس کے اسی بیان کو ''روایات تمدن قدیم'' میں اس طرح رقم کیا گیا ہے: ''ہر بابلی عورت پر فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بار عشتار دیوی کے معبد میں جا کر کسی نہ کسی اجنبی سے ہم کنار ہو۔ امراء کی عورتیں جو عام عورتوں سے ملنا پسند نہیں کرتیں، پردے دار گاڑیوں میں سوار ہو کر آتی ہیں اور غلاموں اور کنیزوں کے جھرمٹ میں معبد میں داخل ہوتی ہیں۔ اکثر عورتیں معبد میں اپنے بالوں کو فیتے سے باندھ کر بیٹھتی ہیں۔ مندر میں عورتوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ صحن میں لکیریں کھینچ کر رستے بنا دیئے گئے ہیں جن پر سے گزر کر زائرین عورتوں کے پاس جاتے ہیں اور اپنی پسند کی عورت منتخب کر لیتے ہیں۔ جب کوئی اس مقصد کے لیے مندر میں آتی ہے تو جب تک وہ کسی اجنبی سے چاندی کے سکے کے عوض ہم کنار نہ ہو لے باہر نہیں جا سکتی۔ سکہ پھینکنے والا کہتا ہے: میں دیوی ملیتا کی منت کرتا ہوں کہ وہ تجھ پر مہربان ہو۔ اشوری عشتار کو ملیتا کہتے ہیں۔ چاندی کا سکہ خواہ کتنا ہی حقیر ہو عورت کو قبول کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ مقدس ہوتا ہے اور اسے ٹھکرانا گناہ ہے۔ جب کوئی متمنی شخص کسی عورت کی طرف سکہ پھینکتا ہے تو وہ بلاچوں وچرا اٹھ کر اس کے ساتھ چلی جاتی ہے اور اس فرض سے سبکدوش ہو کر گھر کی راہ لیتی ہے۔ خوبصورت اور خوش گل عورتیں اس فرض سے جلدی فارغ ہو جاتی ہیں جبکہ بدصورت عورتوں کو خاصی مدت تک مندر میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس قسم کی کئی عورتیں دو دو تین تین برس تک کسی اجنبی کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہیں۔[12]

مردوں کو اپنی طرف جلد راغب کرنے کے لیے عورتیں بھرپور طریقہ سے بن سنور کر مندر میں آتیں' کیونکہ ایسی عورتیں جن کی گود میں سکہ تاخیر سے پڑتا تھا وہ ان کے لیے باعث طعن تھا۔ کہتے ہیں کہ روزمرہ گفتگو میں جب کوئی عورت اپنی ہمسائی کو طعن دیتی تو کہتی تھی کہ ''تو تو اس قابل بھی نہ تھی کہ تیرے کمر بند پر ہاتھ ڈالا جاتا'' یونانی مورخ وسیاح استرابو نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر اعظم کے زمانہ میں اس قسم کی بدکاری انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

عورتیں اپنی عصمت دیوی کی بھینٹ کیوں چڑھاتی تھیں؟ اس کے متعلق انگریز مورخ ول ڈیورانٹ کا کہنا ہے کہ ''اس انوکھی رسم کا ماخذ کیا تھا؟ کیا یہ مستقبل کے دو تہائی جانب سے پہلی رات کے حق کی رعایت یا قدیم جنسی اشتراکیت کا ایک دستور تھا؟ کیا یہ شادی

کے لیے جسمانی تیاری تھی جیسے آج بھی کچھ آسٹریلیائی قبائل میں ہوتا ہے۔ یا پھر کیا یہ محض دیوی کے لیے چڑھاوا تھا۔ پہلے پھلوں کا نذرانہ ہمیں معلوم نہیں۔[13]

تاہم اس رسم کے متعلق فارنیل کا نظریہ یہ ہے کہ بعض قدیم اقوام میں یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص کسی دوشیزہ سے ملتفت ہوتا ہے تو وہ ارواح خبیثہ جو اس عورت پر عاشق ہوتی ہیں اس مرد کو اذیت میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ چنانچہ بابلی عورتیں اپنے شوہروں کو ارواح خبیثہ سے محفوظ رکھنے کے لیے اجنبی مردوں سے مل لیا کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی مواصلت سے معاشرہ میں عورت کی قدرومنزلت بڑھ جاتی تھی کیونکہ جو عورتیں مندر میں جا کر بیٹھتی تھیں اور انہیں کوئی مرد نہیں پوچھتا تھا سوسائٹی میں ان کو ذلیل سمجھا جاتا تھا اس قسم کی عورتیں یقیناً جسم فروش نہ تھیں لیکن جسم فروش عورتوں کے مختلف طبقات معبد کی حدود کے اندر رہتے تھے یہ عورتیں مقدس طوائفیں کہلاتی تھیں۔

## مقدس طوائفیں

بابل میں مقدس طوائفوں کے دو طبقے تھے۔ جنہیں ذکرو اور قادشتو (Qadishtu) کہا جاتا تھا۔ ان دو طبقوں کے ساتھ پراسراریت باقی طبقوں کی نسبت کہیں کم وابستہ تھی۔ اصل میں یہ دونوں مندروں کی خالصتاً طوائفیں تھیں البتہ ذکرو کا اتنا احترام ضرور کیا جاتا تھا کہ لوگ ان سے شادی کر لیتے تھے۔ بابل میں عشتار دیوی عشق ومحبت اور حسن وجنس کی دیوی تھی۔ جو لڑکیاں اس دیوی کے نام سے منسوب ہوتی تھیں وہ اس کی سچی عقیدت میں ڈوب کر اپنا کنوار پن عشتار دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قربان کر دیتی تھیں اور بابلی اس فعل کو دیوی کی نسبت سے مقدس جائز اور عین مذہب خیال کرتے تھے۔ بابل میں ایسی مقدس عصمت فروشی بابل پر کانسٹنٹائن (325ء) کے قبضے تک جاری رہی۔

دراصل بابلیوں کے رسم و رواج اور مذہبی اعتقادات میں سومیریوں کی بھرپور جھلک دکھائی دیتی ہے۔ عشق ومحبت اور تولید کی سومیری دیوی اننا (Ananna) کے مندر (اروک شہر) میں جو عبادت ہوتی تھی فحاشی اس کا لازمی جزو تھی۔ سومیری مندروں میں نہ صرف پجارنیں بلکہ طوائفیں بھی بڑی تعداد میں موجود رہتی تھیں۔ جو مقدس طوائفیں کہلاتی تھیں۔ یہ دراصل مندر سے وابستہ دیوداسیوں کا ہی ایک طبقہ تھیں۔ ان دیوداسیوں کے بعض زمروں کی

پجارنیں عصمت فروشی کرتی تھیں مگر یہ عصمت فروشی ان کے ہاں تقدیس کا درجہ رکھتی تھی اور مندروں کی کسبی یا طوائف ہونا سومیریوں کے ہاں کوئی ذلت آمیز یا قابل اعتراض بات نہیں تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص مندروں میں اپنی بیٹی کو اس مقدس پیشے سے وابستہ کرتا تو اس وقت ایک باقاعدہ افتتاحی تقریب ادا کی جاتی۔ باپ بیٹی کے ساتھ جہیز لے کر مندر میں آتا تھا۔ دیوی یا دیوتا کے لیے وقف کی جانے والی دوشیزہ پر یہ پابندی ہرگز نہ تھی کہ وہ باعصمت یا کنواری رہنے کا حلف اٹھائے۔

مندروں سے وابستہ ان کنیزوں، خادماؤں اور بیویوں کے مختلف طبقے ہوتے تھے۔ سب سے اعلیٰ طبقہ ان تو (Entu) نامی دیوداسیوں پر مشتمل جماعت کا تھا جو سب سے زیادہ قابل احترام تھا۔ ان دیوداسیوں کا ایک اور طبقہ ''سال می'' کہلاتا تھا۔ یہ اپنے مقدس پیشے کے چند برس تو ضرور ہی مندروں میں رہتی تھیں، ان کے بچے بھی ہوتے تھے۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان بچوں کے باپ کون ہیں۔ سال می کا بیٹا صرف اپنی ماں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ''سال می'' کو یہ اجازت تھی کہ وہ کسی مرد سے شادی کر لے مگر یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ مرد سے بچے بھی لے۔ اولاد کے حصول کی خاطر سال می کو اپنی ایک لونڈی اپنے شوہر کو دینا پڑتی تھی۔ نظریاتی طور پر سال می دیوتا کی بیوی سمجھی جاتی تھی۔[14]

## انوکھی شادیاں

بابلیوں میں شادی کے طریقے بھی بڑے عجیب تھے۔ ان میں ایک طریق۔ یہ تھا کہ شادی کے قابل بیٹیوں کے باپ، سال میں ایک مرتبہ انہیں اس جگہ پر لایا کرتے تھے جہاں مردوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان کے گرد جمع ہوتی۔ ڈھنڈورچی انہیں کھڑا کر کے باری باری فروخت کرتا۔ سب سے پہلے خوبصورت ترین لڑکی کی قیمت وصول کی جاتی پھر باری باری خوبصورتی کے لحاظ سے سب کے دام لگائے جاتے۔ لیکن یہ سب لڑکیاں اس شرط پر فروخت کی جاتیں کہ خریدار ان سے شادی کریں گے۔[15]

ہیروڈوٹس نے شادی کی اس عجیب رسم کا ذکر اس طرح کیا ہے: ''جن کی بیٹیاں جوان ہو جاتیں وہ سال میں ایک مرتبہ انہیں مقررہ جگہ پر لے جاتے۔ جہاں تماشائیوں کا

ٹھٹ لگ جاتا ہے۔ ایک سرکاری کارندہ باری باری ان لڑکیوں کو بلاتا اور اپنے سامنے کھڑی کر کے بولی دے کر بیچ دیتا ہے۔ وہ بولی کا آغاز خوبصورت ترین لڑکی سے کرتا ہے اور اس کا خطیر معاوضہ وصول کر کے دوسری لڑکیوں کو بلاتا ہے۔ لڑکی اس شرط پر بیچی جاتی ہے کہ خریدار اس سے نکاح کرے گا۔"

شادی کے دوسرے طریقے کو آزمائشی شادی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بابل میں مردوں اور عورتوں کو وقتی طور پر شادی کرنے کی اجازت تھی۔ لہٰذا اکثر لڑکے لڑکیاں بلا اجازت اپنے جوڑے بنا لیتے اور کچھ عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ایک دوسرے کو آزما لیتے۔ اگر وہ ایک دوسرے کے معیار پر پورے اترتے تو مستقل شادی کر لیتے ورنہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے۔ جوڑوں میں عارضی تعلقات کو معیوب خیال نہ کیا جاتا تھا بلکہ مستقل شادی کے لیے اسے ایک مفید عمل تصور کیا جاتا تھا۔

## مقدس شادی

سومیریوں کے ہاں ایک اور بڑی عجیب رسم تھی جسے وہ مقدس شادی کا نام دیتے تھے۔ مقدس شادی کی رسم "سال نو" کے جشن میں ادا کی جاتی تھی۔ اس رسم میں بادشاہ وقت دولہا اور انا دیوی کی کوئی خوبرو پجارن دلہن بنتی تھی۔ یہ پجارن مذہبی پیشوا کے رتبے کی ہوتی تھی اور اسے شادی کی اس رسم میں دراصل زرخیزی' بالیدگی اور محبت وجنس کی دیوی انا کی نمائندہ خیال کیا جاتا تھا۔ گویا سومیریوں کے خیال میں ایک طرح سے انا (Ananna) ہی اس رسم میں بادشاہ وقت کی بیوی بنتی تھی۔ بادشاہ انا دیوی کے شوہر "دوموزی" کی نمائندگی کرتا تھا۔ یہ دونوں مندر میں ہی جنسی ملاپ کا مقدس فریضہ انجام دیتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے گا کہ سومیریوں کے نزدیک اس مقدس شادی کے سبب دھرتی زرخیز اور ہری بھری ہو جاتی اور خوب پیداوار دیتی تھی اور ان کی اس متبرک مذہبی رسم کی وجہ سے عورتیں حاملہ ہو کر بچے جننے لگتی تھیں۔ بادشاہ سے جنسی ملاپ کے لیے پجارن انوگ میں انا دیوی کے عظیم الشان مندر میں رہنے والی خوبصورت پجارنوں میں خاص طور پر منتخب کی جاتی تھی۔ (16)

## سیکولر عصمت فروشی

مذہبی عصمت فروشی کے علاوہ بابل میں غیر مذہبی یا سیکولر جسم فروشی بھی عام تھی۔

ایسے شراب خانے جنہیں عورتیں چلاتی تھیں۔ شراب خانوں کے علاوہ قحبہ خانوں کے طور پر بھی استعمال ہو رہے تھے۔ عصمت فروش عورتوں کی پہچان یہ تھی کہ وہ زیتونی رنگ کا لباس زیب تن کرتی تھیں۔ ایسی عورتوں کو ہر کوئی آسانی سے پہچان لیتا تھا۔

ہیروڈوٹس کی ایک اور روایت کے مطابق عراق میں افلاس اور احتیاج کی حالت میں باپ اپنی جوان بیٹیوں سے پیشہ کرانا جائز سمجھتا تھا۔ کسی عورت کا شوہر تجارت یا جنگ کی صورت میں طویل مدت تک گھر سے غیر حاضر رہتا اور اپنی زوجہ کے نان نفقہ کی کفالت نہ کرسکتا تو وہ عورت کسی دوسرے شخص کے ساتھ تعلق زن شوئی قائم کرنے کی مجاز تھی اور پہلے شوہر کے لوٹ آنے پر اس کے پاس واپس چلی جاتی تھی۔ (17)

ایرانی فتح کے بعد بابلیوں میں عزت نفس کی قوت نے ضبط نفس کا خاتمہ کر دیا۔ طوائفانہ اخلاقیات ہر طبقہ میں رینگ آئیں۔ اچھے خاندانوں کی عورتیں بھی زیادہ سے زیادہ لوگوں کی عظیم تر خوشی کے لیے بلاامتیاز اپنے حسن کو ظاہر کرنا محض ایک انکساری خیال کرنے لگیں۔ غرضیکہ بابل کی طوائف گناہ کی دلدل میں بری طرح دھنسی ہوئی تھی اور ساری قدیم دنیا کی عیاشانہ تسہیل کی مثال تھی حتیٰ کہ سکندر کو جو شراب نوشی کی کثرت سے مر رہا تھا بابل کی اخلاقیات سے دھچکا لگا تھا۔

## انجام

کونٹ کوریٹوس (42ء) نے عراق کے زوال اور انجام کے متعلق لکھا ہے کہ "بابل کے انداز و آداب سے زیادہ غیر معمولی کوئی چیز نہیں۔ اور نہ ہی کہیں اور چیزوں کو شہوانی مسرتوں کے نکتہ نظر سے اس قدر بہتر انداز میں منظم کیا گیا ہے۔ معبد امیر ہوئے تو اخلاقیات نرم پڑ گئیں اور ان کی ساری صلاحیتیں مفقود ہو کر رہ گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بابل پر کیسائیوں' اشوریوں' فارسیوں اور یونانیوں کی حکومت کو دلجمعی کے ساتھ برداشت کر لیا (18)



# قدیم یونان

## اجمالی تعارف

یونان جسے انگریزی میں گریک کہتے ہیں۔ لاطینی لفظ گریکی سے ماخوذ ہے۔ گریکی ایک قبیلہ تھا جو ملک کے شمال مغرب میں آباد تھا۔[19]

زمانہ قدیم میں یونان کی سرزمین میں متعدد چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں قائم تھیں جو باہم دست و گریباں رہتی تھیں۔ اس کا سنہری عہد اس وقت شروع ہوا جب پانچویں صدی قبل مسیح میں شہر ایتھنز میں ایک مضبوط شہری ریاست کی داغ بیل پڑی۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں فلپ شاہ مقدونیہ نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اس کے بیٹے سکندر اعظم نے تقریباً آدھی دنیا فتح کر لی۔ دوسری صدی قبل مسیح میں اس پر سلطنت روم کا تسلط قائم ہوا۔ سلطنت روم کے دو ٹکڑے ہونے کے بعد یہ علاقہ 1204ء تک بازنطینی سلطنت کا حصہ رہا۔[20]

## عصمت فروشی

ابتدا میں جب یونانی قوم ترقی کے مدارج طے کر رہی تھی تو اس وقت اس میں اخلاقی پستی کی حالت ناگفتہ بہ نہ تھی۔ مگر رفتہ رفتہ یونان پر نفس پرستی اور شہوانیت کا غلبہ شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ ایک دور میں عصمت فروش عورتوں کو وہ عروج نصیب ہوا۔ جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔[21] یونانی قانون دان حکیم سولن (Solon) نے باقاعدہ اس پیشے سے

متعلق قوانین مرتب کیے جن میں ایک قانون یہ تھا کہ اگر کسی صاحب جائیداد عورت کا شوہر ناکارہ ثابت ہو تو وہ اپنے کسی رشتہ دار کو پسند کر لے تاکہ اس سے کوئی وارث مال پیدا ہو سکے۔

ڈاکٹر ایوان بلاخ نے حکیم سولن کے متعلق لکھا ہے:

''وہ پہلا شخص ہے جس نے غلط منطق سے کام لے کر آئین و قوانین حکومت کی تائید و حمایت کی۔ جو لوگ اس بات کے حامی ہیں کہ فحاشی کے اڈوں کو موقوف کیا جائے ان کی نظروں میں سولن کی یہ دلیل غلط ہے کہ اگر عصمت فروشی کو قانوناً جائز قرار دے دیا جائے تو اس سے گھروں کی عزت و حرمت قائم رہتی ہے اور شہریوں کی بیویوں اور بیٹیوں کی عصمت محفوظ رہتی ہے۔''

سولن کا مرتب کردہ نظام بیوی کو تو اپنے شوہر سے وفادار اور وابستہ رہنے کی تلقین کرتا ہے مگر مردوں کو ارتباط و اختلاط کی مکمل آزادی دے دیتا ہے۔ مولانا مودودی نے اس بیان کی تائید ان الفاظ میں کی ہے: ''یونانی عورتوں سے اخلاق کی جس پاکیزگی اور طہارت کا مطالبہ کیا جاتا تھا اس سے مرد مستثنیٰ تھے۔ طوائف یونانی معاشرت کا ایک ناگریز جزو تھی اور اس سے تعلق رکھنا یونانی مردوں کے لیے کسی طرح معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔''[22]

نظام سولن کے ماتحت طوائفوں کو رضا کار عورتوں سے بھرتی نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس میں لونڈیوں اور کنیزوں کو داخل کیا جاتا جو زیادہ تر غیر ملکی ہوتی تھیں۔ یہ وہ بدنصیب عورتیں تھیں جو جنگ میں قید ہو کر آتی تھیں اور بدکاری کے اڈوں میں خوش غلاف ہو کر آنے والوں پر ڈورے ڈالتی تھیں۔ ان چکلوں کے مصارف منجانب ریاست ادا کیے جاتے تھے اور ان کی آمدنی بھی حکومت کے خزانے میں جمع ہوتی تھی۔

سولن کے زمانہ میں چند سکوں کے عوض ہر شخص ایک معمولی طوائف کی خدمت حاصل کر سکتا تھا تاہم جو طوائفیں زیادہ حسین اور دلکش ہوتی تھیں وہ اتنی ہی زیادہ گراں بھی تھیں۔ اس وقت بھی طوائفوں کے باقاعدہ دلال موجود تھے۔ اس کے علاوہ ''بازار بردہ فروشاں'' میں دیگر غلاموں کی طرح طوائفیں بھی فروخت ہوتی تھیں۔ خرید و فروخت میں ان کے جذبات کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ جو لوگ خریدنے والے ہوتے تھے وہ ان کو پوری طرح دیکھ لیا کرتے تھے۔

قدیم یونان میں ایک مرد بڑے کر و فر سے اکڑتا ہوا جاتا تھا اور سال بھر کے لیے قحبہ

خانے کا ٹکٹ خرید لیتا تھا۔ وہ ان لوگوں کی طرح مکارانہ صورت میں نہیں جاتا تھا جو آجکل اوپیرا (Opera) میں ایک بڑا کمرہ کرائے پر لیتے ہیں اور پھر بھی زاہدان خشک کی سی صورت بنائے رہتے ہیں۔ عملی طور پر نوجوان طبقے کا ہر فرد طوائف کے گھر جھانکتا تھا کیونکہ وہاں آنا جانا رائے عامہ کے نزدیک قابل شرم بات نہ تھی۔

عصمت فروشی صرف بڑے بڑے شہروں تک محدود نہ تھی بلکہ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قصبات میں بھی فحاشی کے اڈے موجود تھے۔ اسی کے ساتھ جب کسی جنگی مہم پر فوجیں بھیجی جاتی تھیں تو ان کے ساتھ طوائفیں بھی جاتی تھیں۔ یہ درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں بھی پہنچ جاتی تھیں۔ تہواروں اور مذہبی میلوں میں تیرتھ کے مقامات میں جہاں مرد بکثرت جمع ہوتے تھے وہاں طوائفوں کے جھرمٹ بھی ضرور دکھائی دیتے تھے۔

اگرچہ یونان کی اکثر طوائفیں کنیزیں ہوتی تھیں لیکن ان کے درجے تھے درجہ خاص کی طوائفیں وہ تھیں جو بطور مدخولہ عرصہ تک ایک ہی مرد کی پابند رہتی تھیں ان کو ''ہٹے رائے'' کہتے تھے۔ آلی ٹرائڈز'' رقص و موسیقی والی طوائفیں تھیں۔ سب سے گھٹیا طبقہ ان کلیوں کا تھا جو بردہ فروشوں کے بازار اور ساحل سمندر کے قحبہ خانوں میں بیٹھتی تھیں۔ یونانی لوگ اپنی بیویوں کا تعلیم یافتہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے لیکن وہ ایسی طوائفوں کی طرف زیادہ مائل ہوتے تھے جو تعلیم یافتہ ہوتی تھیں۔

اعلیٰ طبقہ کی طوائفوں میں وہ کنیزیں ہوتی تھیں جو اس زمانہ کے مختلف سازوں کو عمدگی اور ہنرمندی کے ساتھ بجاسکتی تھیں۔ یہ طوائفیں گلوکاروں' رقاصوں اور نقالوں کے ساتھ ضیافتوں اور جلسوں میں اکثر طلب کی جاتی تھیں۔ ان طوائفوں کے رقص ہمیشہ عریاں اور شہوت انگیز ہوا کرتے تھے کیونکہ رقص کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ اشارہ و کنایۃً یا صراحتاً جذبات حیوانی کو حرکت میں لایا جائے اور پھر چونکہ اس عہد میں شرم و حیاء اخلاقی دنیا میں بہت کم وزن چیز سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے ان کے رقص کو قدرتاً زیادہ عریاں اور شہوت انگیز ہونا چاہیے تھا۔

اعلیٰ درجہ کی طوائفیں عموماً قحبہ خانوں سے باہر اپنے ذاتی چھوٹے چھوٹے آراستہ و پیراستہ کمروں میں رہتی تھیں۔ عام لوگ ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے بلکہ امراء و روساء اور امیر کبیر لوگ انہیں ایک مدت کے لیے اپنی داشتہ رکھ کر دولت نچھاور کرتے رہتے تھے۔ یہ طوائفیں چونکہ رقص و موسیقی میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہوتی تھیں۔ اس

لیے بڑی آسانی سے اعلیٰ درجے کے لوگوں کو اپنی زلف کا اسیر بنا لیتی تھیں۔ مثلاً پریکلیز (Pericles) کی محبوبہ اسپاشیا (Aspasia) جو ایک نامور طوائف تھی۔ فنون لطیفہ کے علاوہ فلسفہ سے بھی شغف رکھتی تھی اور اپنے مکتب میں درس دیا کرتی تھی۔ اسپاشیا کا دیوان خانہ اہل کمال کا مرجع بن گیا تھا جہاں ہر روز فلسفی، تمثیل نگار اور فنکار بیٹھ کر علم و فن کے رموز و نکات بیان کرتے تھے۔ اسپاشیا ارباب نشاط کے اعلیٰ درجہ سے تعلق رکھتی تھی۔

مولانا مودودی نے یونان میں طوائف کے کردار اور عمل دخل کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ''طوائف کا کوٹھا یونانی سوسائٹی کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ طبقوں تک ہر ایک کا مرکز و مرجع بنا ہوا تھا۔ فلاسفر، شعراء، مورخین، اہل ادب اور ماہرین فنون غرض تمام سیارے اسی آفتاب کے گرد گھومتے تھے۔ وہ نہ صرف علم و ادب کی محفلوں کی صدر نشین تھی بلکہ بڑے بڑے سیاسی معاملات بھی اسی کے حضور میں طے ہوتے تھے۔ قوم کی زندگی اور موت کا فیصلہ جن مسائل کے ساتھ وابستہ تھا ان میں اس عورت کی رائے وقیع سمجھی جاتی تھی جس کی دو راتیں بھی کسی ایک شخص کے ساتھ وفاداری میں بسر نہ ہوتی تھیں۔''(23)

## حمام بطور قحبہ خانے

اس عہد کے حمام بھی قحبہ خانوں کا کام دیتے تھے۔ ایتھنز اور دیگر یونانی شہروں کے حماموں میں ناچ رنگ کا انتظام ہوتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ بدکاری کے اڈوں کی طرح حمام بھی شہر سے باہر بنائے جاتے تھے۔ بعض اسٹیج ڈراموں میں طوائفیں حد درجہ شہوت انگیز ناچ ناچتی تھیں اور برہنہ یا نیم برہنہ حالت میں جو عریانی سے بھی زیادہ ہیجان انگیز ہوتا تھا رت (رقص) کر کے فن عیاشی کے تمام رازہائے سربستہ کھول دیا کرتی تھیں اور پھر ناچ رنگ کے بعد وہ مردوں کے لیے وقف ہوتی تھیں۔ بقول مشہور یونانی خطیب ڈیماسیتھنز: ''ہمارے ہاں لطف اندوز ہونے کے لیے طوائفیں ہیں، صحت کو بحال رکھنے کے لیے لونڈیاں اور اولاد پیدا کرنے کے لیے بیویاں ہیں۔''

## اشتراکِ نسواں

عصمت فروشی کے علاوہ یونان میں جو دوسری بڑی اخلاقی بیماری تھی وہ اشتراک نسواں کا رواج تھا۔ افلاطون اس رواج کو ایک مثالی ریاست کے قیام کے لیے ناگزیر خیال

کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حکمران طبقہ اور فوجیوں کو مستقل طور پر شادی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ان کے لیے ایک ایسا طریقہ تجویز کرتا ہے جس سے ماں باپ اور اولاد میں کوئی تعلق نہیں رہتا۔ ان دونوں طبقوں کی جنسی ضرورت پوری کرنے کے لیے افلاطون انہیں تندرست و توانا عورتیں خاص موقعوں پر فراہم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے افلاطون وقفے وقفے کے بعد جنسی میلے منعقد کرنے کا حامی ہے۔ لہٰذا اس ناجائز طریقے سے جو بچے پیدا ہوں گے۔ ان کی پرورش کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔(24)

افلاطون کا خیال تھا کہ صرف مزدور طبقے کو مستقل طور پر شادی کرنی چاہیے تاہم اس طبقہ کو بھی افلاطونی اشتراک نسواں کے فلسفہ نے بہت متاثر کیا۔ چنانچہ یونان میں اکثر بھائی اپنی بیوی کا اشتراک دوسرے بھائیوں سے کرتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار یا کمزور ہوتا تو وہ اپنی بیوی کو اجازت دے دیتا کہ کسی طاقتور شخص کے پاس جا کر صحت منداولاد حاصل کرے۔ مشہور یونانی مفکر لکرگس کے مطابق "یہ عجیب بات ہے کہ لوگ اپنے کتوں اور گھوڑوں کی جفتی بہترین جوڑ سے کراتے ہیں اور اس پر روپیہ بھی صرف کرتے ہیں، لیکن اپنی بیویوں کو گھروں میں بند کر دیتے ہیں کہ صرف ان کے شوہر ہی، جو ممکن ہے احمق ہوں ان سے اولاد پیدا کر سکیں۔"

## بدکاری کے لیے لائسنس

یونانیوں کا مذہب بھی اخلاق سے خالی محض دیومالائی قصے کہانیوں اور فحش رسوم عبادت پر مشتمل تھا۔ یونانی دیوتا ان ہی کی طرح انسان تھے جو ہر وقت آپس میں لڑتے جھگڑتے یا معاشقے کیا کرتے تھے۔ یونانی صنمیات میں ان کے معاشقوں کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ یونانی دیوی افرودیتی (Aphrodite) جو عشق محبت، زرخیزی تولید و تناسل اور عیش و عشرت کی دیوی تھی۔ اس کا صرف ایک ہی فریضہ تھا کہ وہ لوگوں میں جنسی ملاپ کرائے۔ چنانچہ افرودیتی دیوتاؤں، پریوں اور انسانوں میں جنسی جذبات بھڑکاتی تھی۔ حتیٰ کہ عظیم ترین دیوتا زوس (Zeus) تک کو فانی عورتوں کے ساتھ بھی جسمانی طور پر ملوث کر ڈالتی تھی۔

آرزو چودھری نے اس دیوی کے متعلق لکھا ہے کہ "اگرچہ بہت سی اساطیر میں

افرودیتی ہیفسٹس (Hephaestus) کی وفا نا آشنا بیوی بن کر ظاہر ہوتی ہے تاہم وہ عشق زاروں میں بے محابا اڑتی پھرتی اور گام گام پر اپنے عشاق اور دلدادگان کو صدائیں دیتی نظر آتی ہے۔ اس کے چاہنے والے ان گنت ہیں۔ دیوتاؤں میں ہرمیز (Hermes) ارلیس (Ares) ڈائی سس (Dioxiysus) اور پوسیڈن اس کے پرستاروں میں ہیں۔ فانیوں میں ''ان کی سیز'' (Anchises) اور شہزادہ ایڈونس اس کے دلفگاروں میں ہیں۔ تندخو اور شرابی دیوتا ارلیس کا افرودیتی سے معاشقہ تو بہت معروف ہے۔[25] کورنتھ (Corinth) میں افرودیتی کا مندر فحاشی کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اس کے مندر میں بے شمار مقدس طوائفیں رہتی تھیں جنھیں ہارو ڈیول (Harodules) کہتے تھے۔ پجاری انہیں اپنے نفسانی حظ کے لیے استعمال کرتے تھے۔ گویا مذہب نے ان پجاریوں کو بدکاری کے لیے مذہبی لائسنس دے رکھا تھا لہٰذا مذہب کی آڑ میں یونانی بدکاری کے عمل کو جائز اور کار ثواب سمجھ رہے تھے۔

''ڈایونی سس'' سے وابستہ مخفی مذہبی رسمیں اپنے مکمل جنسی مظاہروں، عیش ونشاط اور رنگ رلیوں سمیت، یونان کی پوری قدیم تاریخ کے دوران ادا کی جاتی رہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان رسموں کے دوران جنسی ملاپ اور پینے پلانے پر سرے سے کوئی پابندی نہیں تھی۔ جب کسی امیدوار یا مبتدی کو ان پراسرار رسموں میں باقاعدہ شریک کیا جاتا تو اسے جنسی زندگی سے بھی عملاً روشناس کرایا جاتا تھا۔[26]

یونانی صنمیات میں ہے کہ جب افرودیتی دیوی کی بیٹی ہارمونیا اور کڈمس (Kadmus) کی شادی کے سلسلہ میں ضیافت ہوئی تو اس عظیم الشان دعوت میں دیویاں اور دیوتے بھی شریک تھے۔ کھانے کے دوران جب آب حیات کا دور چلا تو پیتے پیتے حسین دمیتر دیوی اور ایازیون دیوتا ایک دوسرے سے متاثر ہو گئے اور دونوں ضیافت سے اٹھ کر باہر ایک ایسے کھیت میں چلے گئے جہاں انہوں نے تین بار جنسی عمل کیا۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ کھیت میں دمیتر دیوی (Demeter) اور ایازیون دیوتا (Iazion) کے جنسی ملاپ کی بدولت فصلیں شاداب ہوئیں اور پیداوار خوب بڑھی لہٰذا یونان میں اناج کی کاشت کے وقت کھیت میں مباشرت کی یہ رسم ادا کی جانے لگی۔ اس مقصد کے لیے کاہنائیں کھلے میدان میں بادشاہ سے مباشرت کرتی تھیں، جبکہ عام لوگ بیج بوتے وقت ایک کنواری لڑکی سے مباشرت کرنا اچھی فصل کے لیے بہت ضروری سمجھتے تھے۔

کنواری لڑکی سے مباشرت کی توجیح یہ ہے کہ ہیڈیز (Hades) دیوتا نے دمیتر دیوی کی بیٹی پرسی فونی (Persephone) کو عالم ظلمات میں لے جا کر اس سے جنسی عمل کیا تھا جس کے نتیجے میں پرسی فونی کے بطن سے پلوٹس نامی بیٹا پیدا ہوا تھا۔ یعنی نئی زندگی نے آنکھ کھولی تھی لہٰذا کنواری لڑکی سے مباشرت کا مقصد یہی تھا کہ جس طرح یہ نئی زندگی کو جنم دیتی ہے اور افرادی قوت بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح جب زمین میں بیج بویا کرے تو وہ بھی عمدہ اور بہتر فصل پیدا کرے۔

اسی طرح کلورس دیوی کے سالانہ تہوار پر شہوت رانیوں کی انتہا کر دی جاتی تھی۔

یونان میں بدکاری کے ان سبھی طریقوں کو مذہب نے کمال تحفظ فراہم کیا ہوا تھا۔

## عجیب عورتیں

یونان میں ایسی عورتیں بھی تھیں جو بغیر مردوں کے رہتی تھیں۔ ترکی میں یونانیوں کا ایک نو آبادیاتی علاقہ ایونیا (Ionia) ان کا مسکن تھا۔ خواتین کی یہ نسل بڑی جنگجو تھی۔ تاریخ میں میں یہ "اے زون" (Amazons) کے نام سے مشہور تھیں۔

"اے زون" دو یونانی الفاظ "A" اور "Mazos" کا مرکب ہے۔ "ا" کے معنی بغیر اور مزوس کا مطلب ہے پستان۔ لہٰذا اے زون کے معانی ہیں "بغیر پستان والیاں" ان جنگجو اور چابکدست عورتوں کے ہاں یہ معمول تھا کہ جب ان کی بیٹیاں بالغ ہو جاتیں تو وہ ان کا دایاں پستان کاٹ ڈالتیں یا جلا دیتی تھیں تاکہ لڑائیوں وغیرہ میں دائیں بازو سے بخوبی کام لینے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے' اور نہ ہی تیر برساتے وقت کمان کا چلہ بآسانی کھینچنے میں پستان حائل ہونے پائے۔

ان عورتوں کا مردوں سے صرف دو موقعوں پر واسطہ پڑتا تھا۔ ایک تو اس وقت جب وہ مردوں سے میدان جنگ میں برسرپیکار ہوتی تھیں اور دوسرا رابطہ وہ مردوں سے اس وقت قائم کرتیں جب ان کی جنسی ضرورت شدت اختیار کرتی یا ان کو حصول اولاد کی خواہش پیدا ہوتی۔ حصول اولاد کی غرض سے وہ سال میں صرف ایک بار اپنے ہمسایہ ملک کیشیا چلی جاتیں۔ وہاں گرگرنسیائی (Gargarensi) نسل کے لوگ آباد تھے۔ اے زون وہاں کے شہری مردوں سے عارضی تعلقات استوار کر لیتی تھیں اور حاملہ ہونے کے بعد اپنے ملک لوٹ

آتیں۔ جنسی آسودگی کے لیے اجنبی مردوں سے اتفاقیہ ملاقات میں وہ ان کی شریک بستر ہو جاتیں اور بدنی ملاپ کے بعد مردوں کو قتل کر دا لتیں۔

بہر حال ان وقتی تعلقات کے نتیجہ میں جو لڑکیاں پیدا ہوتیں صرف انہیں کو وہ اپنے پاس رکھتیں انہیں پالا پوسا جاتا اور عسکری تربیت دی جاتی۔ لیکن جو لڑکے پیدا ہوتے انہیں یا تو ہلاک کر دیا جاتا یا ہمسایہ ملک کے ہاں ان کے باپوں کے پاس بھیج دیا جاتا۔ چونکہ گرگاری مردوں کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ کس لڑکے کا اصل باپ کون ہے؟ اس لیے وہ قرعہ اندازی کر کے لڑکوں کو اپنی جھونپڑیوں میں بانٹ لیتے تھے۔

## ہم جنسیت

کہتے ہیں ہومر اور ہیسوڈ کے عہد میں یہ علت نہ تھی۔ بعد میں خاص خاص لوگ اس بیماری میں مبتلا ہوئے اور اس کے بعد یہ وباء عام ہو گئی۔ یہ وباء یونان میں کیسے پھیلی اس کے متعلق محققین نے مختلف توضیحات پیش کیں ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ ”قدیم یونان میں یہ علت اس وجہ سے پیدا ہوئی جب ملک میں آبادی ضرورت سے زیادہ بڑھ رہی تھی اور آمدن کے وسائل کم تھے۔ چونکہ اس زمانے میں یونان کے اندر ریاست ہائے بلدیہ کا رواج تھا اور ایک شہر کے وسائل صرف محدود آبادی کے لیے ہی کفایت کر سکتے تھے اس لیے ان لوگوں کو یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں آبادی زیادہ نہ ہو جائے۔ یہی سبب تھا کہ حکیم ارسطو جیسے شخص نے بھی لوگوں کو یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی بیویوں کو چھوڑ دیں اور استلذاذ بالمثل (ہم جنس پرستی) اختیار کریں۔ لطف یہ ہے کہ ارسطو سے قبل حکیم سقراط بھی اس حرکت کو مستحسن فعل قرار دے چکا تھا اور افلاطون بھی۔ افلاطون نے تو اپنے ایک مکالمے ”فیدرا“ میں ہم جنسی عشق کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔

بعض مفکرین کہتے ہیں کہ یونان میں امرد پرستی کا رواج ڈورین قوم نے جاری کیا تھا اور کسی حد تک یہ بات درست بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ مشہور مورخ میولر نے ڈورین قوم کے ایک ایسے مذہبی تہوار کا ذکر کیا ہے جس میں ایک خوبصورت لڑکا ”اپالو“ کا روپ بھرتا ہے اور جس طرح اپالو نے شاد قرانی کا غلام اور معشوق بن کر اس کی نہایت ذلیل خدمت انجام دی تھی اسی طرح وہ بھی کرتا تھا۔ اپالو چونکہ فن موسیقی اور ہم جنسی محبت کا خاص

دیوتا تھا اور ڈورین اپالو کے پجاری تھے۔ لہٰذا یہی وہ قوم تھی جو خطہ یونان میں ہم جنسیت کی وبا لائی تھی۔

یونان میں جب یہ شوق عام ہو گیا تو یہ ایک معاشرتی ادارہ بن گیا اور حکومت کو باقاعدہ اس کے لیے قانون سازی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ہم جنس پرستوں کے لیے مختلف قوانین مرتب کیے گئے۔ مثلاً اسپارٹا میں ایسے لوگوں سے سخت بازپرس کی جاتی جو نوجوان لڑکوں کو اغوا کر لیتے تھے البتہ فریقین کی رضامندی سے یہ فعل مستوجب سزا نہ تھا۔

جزیرہ کریٹ میں اس شوق نے اس قدر ترقی کی کہ وہاں لڑکوں سے شادیاں کی جاتی تھیں۔ اگر کوئی مرد کسی لڑکے پر مائل ہو جاتا تو وہ اس کے والدین و اعزہ کو آگاہ کر دیتا تھا۔ پھر اس خاندان والے اس رشتے یا تعلق کو پسند نہ کرتے تو وہ اپنے لڑکے کی حفاظت اور نگرانی کرنا شروع کر دیتے ورنہ پھر اس تعلق کو ترقی دینے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی۔ ایک عاشق جس قدر اعلیٰ رتبے کا ہوتا اسی قدر لڑکے کے خاندان والے فخر و ناز کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ مع تحائف کے اپنے گھر واپس بھیج دیا جاتا تھا۔[27]

کہتے ہیں یونان میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب امرد پرستی کا رواج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ اگر کسی لڑکے کو کوئی چاہنے والا بانکا شہسوار نہ ملتا تو اس کے لیے یہ بات باعث شرم و ذلت سمجھی جاتی تھی اور اگر کسی کے چاہنے والوں کی تعداد درجنوں تک پہنچ جاتی تو اسے باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ کریٹ، تھیبا اور تھیرہ میں تو لڑکوں کے شادی کرنے کی رسم کو مذہباً منظور کر لیا گیا تھا۔

جب یونانیوں نے عورتوں کی طرف سے غفلت برتنا شروع کر دی تو عورتوں میں بھی ہم جنس پرستی کا رواج ہو گیا۔ چنانچہ جزیرہ لیبسوس ایسی عورتوں کے لیے خاص طور پر مشہور ہو گیا۔ ان کی نسبت سے ہم جنس عورتوں کو ''Lesblan'' کہا جاتا ہے۔ سیفو جو بلبل لیبسوس کے نام سے مشہور تھی وہ اس فن کی بہت بڑی استاد تھی۔ چنانچہ سیفو کا مفہوم ہی عورتوں کا استلذاذ بالمثل ہو گیا ہے۔ ''روایات تمدنِ قدیم'' میں لکھا ہے کہ جزیرہ لزباس کی مشہور شاعرہ سیفو کی نظموں میں عشق جنوں پرور اور والہانہ محبت کی استادانہ ترجمانی کی گئی ہے۔ سیفو نے فلسفے اور فنون لطیفہ کی تدریس کے لیے لزباس میں ایک درس گاہ کھولی تھی جس کی حسین طالبات سے وہ عشق کیا کرتی تھی اور ان کے فراق میں دلدوز نظمیں لکھتی تھی۔[28]

اردو انسائیکلوپیڈیا میں سیفو (Sappho) کے متعلق لکھا ہے کہ ''تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح میں سیفو ایک مشہور یونانی شاعرہ ہوئی ہے۔ ارسطو نے اسے ہومر کا ہم مرتبہ اور افلاطون نے شاعری کی دسویں دیوی قرار دیا ہے۔ اس کی غنائیہ نظمیں نو جلدوں میں شائع ہوئیں۔ ہر جلد شاعری کی ایک دیوی (Muse) کے نام معنون تھی' زندگی کا بیشتر حصہ جزیرہ لیس بوس کے کنارے گزارا۔ جہاں اس نے نوجوان لڑکیوں کو شاعری کی تعلیم دینے کا مکتب کھول رکھا تھا۔ اس کا بیشتر کلام ضائع ہو گیا[11]۔ سیفو نے اپنے پورے کلام میں عورتوں سے جنسی محبت کا تذکرہ بڑے چٹخارے لے لے کر بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ اسپارٹا اور ملیطوس کی عورتیں بھی اس شوق میں مبتلا تھیں۔

## عُریاں پرستی

یونانیوں کے قریب عریانی کوئی گناہ نہیں تھا۔ یونان میں ہر جگہ عریاں بت اور ننگی تصویریں نظر آتی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر کوئی شرماتا نہیں تھا۔ اہل یونان کی اخلاق باختگی ان کے آرٹ کے نمونوں میں بھی پوری طرح عیاں تھی۔ تقریباً پانچویں صدی قبل مسیح کے بنے ہوئے جو یونانی گلدان ہیں۔ ان میں بہت سے ظروف پر قحبہ خانوں کے مناظر اور ننگے آسن بنے ہوئے ہیں۔ جنہیں وہ بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور معزز شہری ان کو اپنے گھروں میں سجاتے تھے۔ برٹش میوزیم میں بھی ایک قدیم یونانی گلدان موجود ہے جس پر ایک قدیم طوائف کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ یہ عورت اپنے ہاتھ میں صبورا (مصنوعی آلہ تناسل) لیے بیٹھی ہے۔ اسی قسم کا ایک قدیمی گلدان جو شہر پومپیائی کے کھنڈروں سے برآمد ہوا تھا شہر نیپلز کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔

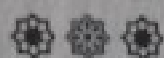
''یونان میں اولمپیائی کھیلوں میں جو لوگ کرتب دکھاتے تھے۔ وہ کرتا یا پاجامہ نہیں پہنتے تھے۔ نوجوان کھلاڑی ناچ اور کھیلوں میں برہنہ ہو کر حصہ لیتے تھے۔ نوجوان لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے دوش بدوش ورزشی کھیلوں میں حصہ لینا پڑتا تھا۔ لڑکوں کی طرح وہ بھی حالت برہنگی میں اجتماعی ناچ میں حصہ لیتی تھیں۔

مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ یونانیوں کا معیار اخلاق اتنا بدل گیا تھا کہ بڑے بڑے فلاسفر اور معلمین اخلاق بھی زنا اور فحش میں کوئی قباحت اور کوئی چیز قابل ملامت نہ پاتے

تھے۔ عام طور پر یونانی لوگ نکاح کو ایک غیر ضروری رسم سمجھنے لگے تھے اور نکاح کے بغیر عورت اور مرد کا تعلق بالکل معقول سمجھا جاتا تھا جس کو کسی سے چھپانے کی ضرورت نہ تھی۔ (30)

## انجام

جب یونان بے راہ روی اور اخلاقی پستی کی انتہا کو پہنچ گیا تو مقدونیہ کے بادشاہ فلپ نے 360 ق م میں چڑھائی کی اور قیرونیہ کی جنگ میں یونانیوں کی متحدہ فوج کو شکست فاش دے کر انہیں اپنی مملکت میں ضم کر دیا اور یونان قدیم صفحہ تاریخ سے غائب ہو گیا۔



# قدیم ہندوستان

## اجمالی تعارف

ہندوستان کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ''آریائی قبائل دو ہزار قبل مسیح اور پندرہ سو قبل مسیح کی درمیانی صدیوں میں ایران سے وادی سندھ میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ ان کی زبان میں دریا کو سندھو کہتے تھے۔ سندھ کا نام انہیں کا دیا ہوا ہے۔ اسی دریا کی نسبت سے وہ ملک کو سندھو یا سندھ کہتے تھے۔ کم وبیش پانچ سو سال وہ پنجاب میں مقیم رہے پھر وادی گنگ و جمن کی طرف بڑھ گئے اور اس کا نام آریہ ورت رکھا۔ پراتوں میں اسے بھارت ورش کہا گیا ہے۔ ایرانیوں نے اپنے لہجے میں سندھو کو ہندھو اور سندھ کو ہند کہنا شروع کیا جو یونانیوں اور رومیوں کا انڈیا بن گیا۔ سندھی اپنے ملک کو سندھ ہی کہتے رہے جبکہ غیر ملکیوں نے اس کے دو حصے کر ڈالے یعنی سندھ اور ہند۔ عربوں کی آمد تک یہی تقسیم قائم تھی۔[31]

ہندوستان دنیا کا بہت قدیم علاقہ ہے اور یہاں پانچ ہزار سال قبل دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک تہذیب نے جنم لیا (وادی سندھ کی تہذیب) پھر یہاں آریاؤں نے اپنی حکومت قائم کی۔ آریاؤں کی آمد کے بعد صدیوں تک یہ علاقہ بیرونی حملہ آوروں کا ہدف بنتا رہا۔ یہاں تین عظیم سلطنتیں موریہ، گپت اور مغلیہ قائم ہوئیں اور تینوں لہو ولعب کا شکار ہو کر دنیا سے غائب ہو گئیں۔

## شیو اور شکتی کی بے ہودہ پرستش

ہندو صنمیات میں دیوی، دیوتاؤں کی تعداد 33 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ مگر ان

سب میں شیو دیوتا اور اس کی بیوی شکتی زیادہ مقبول ہیں اور ہندوستان میں ان کی پوجا کا رواج سب سے زیادہ ہے۔ شاید اس لیے کہ ان کی پوجا کی آڑ میں ہندوستانی اپنی ہوس کی تسکین پاتے ہیں اور عصمتوں کے خون سے دریاؤں میں طغیانی لاتے ہیں۔

گستاولی بان نے ''تمدن ہند'' میں شیو اور شکتی کی پرستش کا حال یوں بیان کیا ہے:

''ہندو صنمیات میں شیو دیوتا بہت پرانا ہے۔ تاہم اس کی علامت لنگم (مردانہ عضو) غالباً سن عیسوی کی ابتداء میں قرار دی گئی۔ گیارہویں صدی میں جس وقت محمود آیا' بارہ مندر ایسے تھے جو شیو کے نام پر تعمیر ہوئے تھے اور جن میں اس دیوتا کی پرستش ہوتی تھی۔ بتدریج عوام الناس کی اس فطرت نے جو بت پرستی کی طرف مائل تھی۔ لنگم کو دیوتا بنا لیا اور ایک فرقہ لنگاییتوں کا قائم ہوا' جنہوں نے لنگم کو پوجنا شروع کر دیا۔ ان کے مندر اس علامت سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے پاس چھوٹے چھوٹے سونے یا چاندی کے لنگم ہوتے ہیں' جنہیں وہ وقتاً فوقتاً بوسہ دیتے اور ان سے دعا مانگتے ہیں۔ اس فرقے کا بانی بسو تھا جس کا زمانہ بارہویں صدی عیسوی ہے۔ یہ شخص ذات کو توڑ دینے کی تعلیم دیتا تھا۔ اس نے تھوڑے ہی زمانے میں بڑا نام پیدا کر لیا۔ اس کی تعلیم تو اس کے ساتھ ہی ختم ہو گئی' لیکن جو مذہب اس نے قائم کیا تھا (لنگم کی پوجا) وہ اب تک جاری ہے۔ میسور' ملک نظام اور دکن کی ڈراویدی اقوام اس کی پجاری ہیں[32] ہندوؤں کے انتہائی متبرک شہر بنارس میں بھی وشویسور (Visweswar) کے نام سے شیو کی بہت وسیع پیمانے پر پوجا ہوتی ہے۔

ول ڈیورانٹ کے مطابق: ''بہت سے ممالک کی طرح کسی نہ کسی شکل میں مرد اعضائے تناسل کی پرستش ہند میں بھی قدیم وقتوں سے چلی آ رہی ہے۔ شیو اس پوجا کا دیوتا اور لنگم اس کا عکس جبکہ تنتر اس کے تلمذ تھے۔ شیو کی شکتی کو بعض اوقات اس کی شریک حیات کالی اور بعض اوقات شیو کی مادہ فطرت سے ظاہر کیا جاتا۔ جس میں مرد و زن دونوں کی قوتیں شامل ہوتیں۔ ان قوتوں کو دونوں کے جنسی اعضاء کی شکل کے بتوں لنگم یا یونی بالترتیب مرد عورت کے پیش کیا جاتا۔''[33]

ہند میں ہر جگہ جنسی اعضاء کی پوجا کے نشانات عام ملتے ہیں۔ مثلاً نیپال اور بنارس کے مندروں میں آلات تناسل کی اشکال' جنوب کے مندروں کے گردا گرد زینت بڑھاتے ہوئے لنگم کی عظیم الشان اشکال' لنگا جلوس' رسومات اور تقریبات' بازوؤں اور گردن پر آلہ

تناسل کی نقاشی، اسی طرح لنگم شکل کے سنگ سڑکوں پر عام دیکھے جا سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ راشوا رام مندر میں سنگ لنگا کو روزانہ گنگا جل سے دھویا جاتا ہے اور اس پانی کو بعد میں زائرین کو بالکل اس طرح بیچ دیا جاتا ہے جس طرح یورپ میں آب مقدس یا آب مقناطیس کو فروخت کیا جاتا ہے۔

''لنگم کے مقابل یونی (نسوانی اندام) کی پرستش تھوڑے دنوں بعد قائم ہوئی۔ ہندو شکتی دیوی کی یونی کی پوجا اس خیال سے کرنے لگے کہ اس سے مردانہ قوت میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے پجاری دو زمروں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں دکش آچاری یعنی دائیں ہاتھ والے کہلاتے ہیں اور دوسرے وام آچاری یعنی بائیں ہاتھ والے کہلاتے ہیں۔ دائیں ہاتھ والے شکتی کی پوجا نسبتاً مناسب اور معقول انداز میں کرتے ہیں جبکہ بائیں ہاتھ والے شاکتاؤں کی پوجا انتہائی فحش اور پر شہوت ہوتی ہے۔''[39]

روایات تمدن قدیم میں لکھا ہے کہ ''ابتداء میں درگا کو وندھیا کے وحشی قبائل پوجتے تھے۔ بعد میں شیو کی زوجہ بن گئی اور شیومت کے دوش بدوش اس کا بھی ایک مت بن گیا جسے شکتی پوجا کہتے ہیں، تنتر ادب اسی کے متعلق ہے۔ اس کے پجاری ذات پات کی تمیز نہیں کرتے۔ سب ذاتوں کے لوگ مقررہ وقت میں کسی رات کو ایک جگہ خفیہ مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ شراب کے مٹکے کے پاس ایک نوجوان لڑکی کو برہنہ حالت میں کھڑا کیا جاتا ہے اور اس کی یونی (Yoni) کی پوجا کرتے ہیں۔ خیال ہے کہ اس میں شکتی یا شیو کی قوت حلول کر گئی ہے۔ پھر مرد عورتیں شراب پی کر گوشت کھا کر بدمست ہو جاتے ہیں اور بے محابا اختلاط کرتے ہیں۔

اس دیوی کی پوجا کے متعلق اے۔ ایل۔ بھاشم نے لکھا ہے: ''جب ویدک دیوی دیوتاؤں کے فلسفے نے زور پکڑا کہ دیوتاؤں کے لیے ان کی بیویاں بھی ہونی چاہئیں تو دیوتاؤں کے ساتھ ان کی بیویوں کی بھی پوجا ہونے لگی۔ خاص طور سے بڑی ماتا دیوی شکتی کی عبادت نے ہندو معاشرے میں مقبولیت حاصل کر لی جس کی عبادت سے مردانہ قوت میں بڑی طاقت حاصل ہوتی تھی اور یہ یقین کیا جاتا تھا کہ چونکہ دیوی کے اندر زنانہ قوتِ تخلیق بہت طاقتور ہے اس لیے اس کی عبادت سے مردانہ قوت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ لہٰذا دیوتاؤں کے لیے بکثرت دیویاں ان کی بیویاں بنا کر مندروں میں پوجا کے لیے سجا دی گئیں۔ شکتی دیوی کے پجاریوں کا یہ فرقہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک پھیل گیا۔ ماتا دیوی شیو مہاراج کی

بیوی تھی جس کو پاربتی کہا گیا یعنی پہاڑوں کی ملکہ اور اس کا دوسرا نام مہادیوی یعنی عظیم دیوی بھی ہے۔

یہی وہ دیوی ہے جو نصف مرد اور نصف عورت ہے یعنی اس کا نصف دھڑ شیو مہاراج کا اور نصف پاربتی کا ہے جس کے یہ معنی لیے گئے ہیں کہ شیو مہاراج اپنی طاقتور شکتی سے ملاپ کر رہا ہے۔ مندروں میں جنسی اعضا کی پرستش اور جنسی ملاپ اسی رعایت سے کیا جاتا ہے۔

شیو اور اس کی شکتی دیوی کی دیومالائی کہانی میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب شیو مہاراج سے پاربتی کا بیاہ ہو گیا اور وہ اس کی بیوی بن گئی تو پاربتی کے باپ نے شیو مہاراج سے کسی بات پر جھگڑا کیا۔ جس سے ناراض ہو کر پاربتی نے اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا اور وہ جل گئی اس کی اندام نہانی بکھر کر بھارت کے بے شمار مقامات پر جا گری اور جہاں جہاں وہ گری شکتی دیوی کے پجاریوں نے اس کے مندر بنا دیے[35]۔" پھر ان مندروں میں پرستش شروع ہو گی۔

شیو اور اس کی شکتی دیوی کی پرستش میں جو بیہودہ جنسی اختلاط کے مظاہرے کیے جاتے ہیں۔ ان کا مختصر حال یہ ہے: "شیوراتری کے تہوار پر خاص اہتمام سے لنگ کی پوجا کی جاتی ہے اور لنگ پوجا کے وقت لنگ پر تیل گرا کر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ شیو کے پجاری کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ دام مارگیوں کا فرقہ بھی شیومت سے تعلق رکھتا ہے۔ شکتی کے پجاریوں کی مانند یہ لوگ بھی رات کو اکٹھے مل بیٹھتے ہیں۔ ان میں برہمن، کھشتری، ویش، شودر اور چنڈال ہر ذات کے مرد اور عورتیں شامل ہوتے ہیں اور "بھیرویں چکر" چلتا ہے یعنی سب مل کر شراب پیتے ہیں اور گوشت کے مچے دانتوں سے باری باری کاٹ کر کھاتے ہیں۔ پھر ماں بہن کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ساری رات انتہائی فسق و فجور میں گزارتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بھیرویں چکر چل رہا ہو تو برہمن اور چنڈال سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ چکر کے خاتمے پر سب دوبارہ اپنے اپنے ورن میں واپس آ جاتے ہیں۔

بھیرویں چکر کے متعلق عبدالمجید سالک نے لکھا ہے کہ "اس موقعہ پر مرد اور عورتیں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ مرد عورتوں کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجتے ہیں جبکہ عورتیں مردوں کو ننگا کر کے پرستش کا فرض ادا کرتی ہیں۔ اس موقعہ پر پجاری بے تحاشا شراب پی کر حواس باختہ ہو

جاتے ہیں اور بدمست ہو کر وہاں پر موجود ہر عورت کو بدفعلی کے لیے پکڑ سکتے ہیں خواہ وہ ان کی ماں، بہن، بیوی یا بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔ بدفعلی کے لیے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا جس کو پڑھ کر ہر مرد، عورت سماگم (ہم بستری) کر سکتے تھے اور ایسی بدکاری میں کسی رشتے کے لحاظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی۔"(36)

ان کا ایک فرقہ چولی مارگی کہلاتا ہے۔ یہ لوگ بھیروین چکر کے موقعہ پر سب عورتوں کی چولیاں ایک جگہ اکٹھی کر کے رکھ دیتے ہیں پھر جس مرد کے ہاتھ جس عورت کی چولی آ جاتی ہے وہ اس سے سماگم کرتا ہے۔ دام اور تنتر والے کہتے ہیں کہ سب مرد شیو کی مانند ہیں اور سب عورتیں شکتی کی طرح ہیں اس لیے ہر عورت سے ہر مرد کا اختلاط کرنا جائز ہے۔

الغرض ویدک دور سے لے کر ہندو ازم میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ پوری کائنات کی تخلیق اگر شیو مہاراج کے تخلیقی عضو سے ہوئی ہے تو اس تخلیق میں سب سے بڑا حصہ ان دیویوں کا ہے جو اپنے خاص تخلیقی اعضاء کی بنا پر شیو کے لنگ سے زیادہ کائنات کی مادرِ کل ہیں اور یہی فلسفہ بڑھتے بڑھتے جب تانترک فرقے کی روحانی نجات کے فلسفے تک پہنچا تو اس کے روحانی کمالات کو ایسے فلسفیانہ انداز میں بیان کیا گیا کہ خود جنسی فعل ہمہ اقسام کی لذت نفس کے ساتھ شکتی دیوی کی پوجا کی شکل میں ایک عبادت بن گیا۔

## مندروں میں بدکاری کا حال

دوسری معاصر اقوام کی طرح ہندوستان کے مندروں میں بھی بدکاری اور عصمت فروشی عام تھی بلکہ اب بھی ہے۔ مندروں میں سینکڑوں نوجوان دیوداسیاں پروہتوں اور یاتریوں کی تسکین ہوس کا پرلطف ذریعہ بنی ہوئی تھیں۔ پروہتوں نے لوگوں کو اس بات کا یقین دلا رکھا تھا کہ جو شخص اپنی بیٹی دیوتا کے بھینٹ چڑھائے گا' سورگ (جنت) میں جائے گا۔ چنانچہ راجے اور امرا اپنی بیٹیاں مندروں کے لیے وقف کر دیتے تھے جو دیوداسیاں کہلاتی تھیں۔ ان لڑکیوں کو رقص و موسیقی کی تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ صبح و شام یہ لڑکیاں دیوتاؤں کی آرتیاں اتارتی تھیں اور گاتی بجاتی تھیں۔ یاتری معاوضہ دے کر ان سے مستفید ہوتے تھے اور یہ معاوضہ پورے کا پورا پروہتوں کی جیب میں چلا جاتا تھا۔

سومنات کے مندر میں ہزاروں دیوداسیاں یہ شرمناک کاروبار کرتی تھیں۔ مندر

میں تقریباً تین سو سے زائد سازندے ہوتے تھے۔ چونکہ یہ بت جنسیت کی علامت بلکہ آلہ تھا اس لیے یہ مندر بدکاری کا بہت بڑا جائز اڈا بنا ہوا تھا۔ عورتیں اپنا آپ پنڈتوں کو پیش کر کے خواہش ظاہر کرتیں کہ وہ سب کے سامنے ان کے ساتھ جنسی اختلاط کریں لہٰذا پنڈت ان کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے۔

بقول ول ڈیورانٹ: ''ہندوستان کے جنوب میں مندروں سے وابستہ شہوت انگیز مردوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے دیوداسیوں کا الہامی سلسلہ موجود تھا۔ دیوداسی جس کا لغوی معنی خدا کی خادمہ ہے درحقیقت کسبی تھی۔ ہر تامل مندر میں ان عصمت فروش عورتوں کے دستے موجود تھے جو پہلے دیوی دیوتاؤں کے سامنے گاتیں، ناچتیں اور پھر برہمنوں کو شاد کرتیں۔ برہمنوں کے علاوہ ہر وہ شخص جو مندر کے لیے اپنی آمدن کا کچھ حصہ وقف کر دیتا ان دیوداسیوں سے جنسی مسرت حاصل کر سکتا تھا۔ ان میں بہت سی دیوداسیاں رقاصاؤں کی حیثیت سے عوامی تقریبات اور ضیافتوں میں گاتی اور رقص کرتی تھیں۔''(27)

''روایات تمدن'' قدیم میں لکھا ہے کہ ''مندروں کا ماحول نہایت ہوس پرور تھا۔ پروہت دیوتاؤں کی جنسی بے راہ روی کے افسانے نہایت مزے لے لے کر سناتے تھے۔ لنگ اور یونی کے مجسمے دیوتاؤں کی طرح پوجتے تھے۔ در و دیوار پر جنسی ملاپ کے مختلف آسن پوری تفصیل سے دکھائے جاتے تھے جنہیں دیکھ دیکھ کر لوگوں کی ہوا و ہوس کو اشتعال ہوتا تھا۔ ان کے بھڑکے ہوئے جذبات کی تسکین کا وافر سامان دیوداسیوں کی صورت میں موجود تھا۔ دیوداسیوں کے علاوہ راجاؤں کے ذوقِ جمال کی پرورش کے لیے راج نرتکیاں تھیں جو گانے بجانے کے علاوہ علوم و فنون میں بھی دست گاہ رکھتی تھیں۔ ان نرتکیوں کی تربیت کرنے والی کو نائکہ کہتے تھے۔ نائکہ انہیں فن کشش و جذب کے دقیق نکات کی تعلیم دیتی تھی۔(28)

ان دیوداسیوں نے آج بھی ہندوستانی مندروں میں عصمت فروشی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق:

''ایک دیوداسی 70 سالہ خوشحال آدمی کو 20 ہزار روپے میں بیچ دی جاتی ہے۔ جب وہ اکتا جائے گا تو اسے کسی اور کے ہاتھ بیچ دے گا۔ اس طرح یہ دیوداسی بھگوان کی بیوی بننے کے بجائے ایک طوائف بن جاتی ہے۔ اس جیسی ہزاروں دیوداسیاں بھارت کے سینکڑوں مندروں میں موجود ہیں، جو گھناونے جنسی کاروبار میں ملوث ہیں۔''(39)

## طوائف کلچر

طوائف ہندوستانی کلچر کا ہمیشہ ایک ضروری جزو رہی ہے۔ قدیم ہندوستان میں طوائفوں کے بارے میں جو ادب تخلیق ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طوائف معاشرے میں بڑی اہمیت اختیار کر چکی تھی۔ طوائفوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ سب سے اعلیٰ درجے کی طوائفیں گانیکا کہلاتی تھیں جو نہ صرف خوبصورتی میں یگانہ ہوتی تھیں بلکہ نفسیات جنسی کے اسرار و رموز سے بھی مکمل واقفیت رکھتی تھیں۔ ان کے چاہنے والوں میں نہ صرف بادشاہ ہوتے تھے بلکہ وزیراً امراء بھی ان کے خواہش مند ہوتے تھے۔ شعراء ان کی خوبیوں اور حسن کے بارے میں قصیدے لکھتے تھے۔

مہابھارت میں طوائفوں کو مختلف درجوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے۔ خاص طوائفیں جو صرف بادشاہ کی ضرورت پوری کرتی تھیں۔ شہری طوائفیں جن کے مشہور کوٹھے تھے جہاں شہر کے امراء جاتے تھے۔ دیوداسیاں جو کہ مندروں میں دیوتاؤں کی طوائفیں ہوتی تھیں اور ان کے علاوہ عام طوائفیں تھیں جن سے ہر شہری فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

چندر گپت موریہ کے عہد میں طوائفوں کو نہ صرف موسیقی میں بلکہ رقص' اداکاری' شاعری اور ناز و انداز کے فنون میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پھولوں کا دستہ بنانے' ہاروں کو پرونے' خوشبوئیں تیار کرنے اور بناؤ سنگھار کا سامان تیار کرنے کے علاوہ فوجی مہارت اور جاسوسی کے فنون سیکھنا بھی ضروری تھا اور جو طوائف اپنے حسن کے ساتھ ان علوم و فنون میں بھی کمال رکھتی' خواص و عام درباروں اور بازاروں ہر جگہ اس کی بڑی مانگ ہوتی تھی۔

''تاریخ تمدن ہند'' میں لکھا ہے کہ ''ہندوستان میں طوائفوں کو روزمرہ زندگی میں ہی نہیں بلکہ سیاست میں بھی بڑا عمل دخل تھا۔ بادشاہ کا قرب انہی کو نصیب تھا۔ محل کے اندر انہیں کا دور دورہ تھا۔ جب محلوں پر وہ چھائی ہوئی تھیں اور مندروں میں ان کی قدر تھی تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ شہری زندگی پر ان کا کتنا اثر ہوگا۔ لباس' زیور' بناؤ سنگھار میں عورتیں ان کی نقل کرتی ہوں گی۔ مرد انہیں للچائی نظروں سے دیکھتے ہوں گے اور نفاست' خوش مذاقی اور حسن کا معیار وہی قائم کرتی ہوں گی۔''(40)

ہندو معاشرے میں طوائف کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ ایک ہندو سادھو

"وتسایئن" (Vatsyayana) کی شہرہ آفاق کتاب "کام سوترا" سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب ہندو پنڈتوں کی جنسیات پر لکھی ہوئی قدیم کتابوں میں سب سے اہم کتاب ہے۔ جس میں فاضل مولف نے کام جوئی اور نفسیات جنسی کے ایسے ایسے رموز بیان کیے ہیں کہ آج بھی ان پر قابل قدر اضافہ نہیں ہو سکا۔ یہ کتاب گپتا دور سے کچھ ہی پہلے لکھی گئی اور اس کا ترجمہ دنیا کی اکثر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں جہاں ہندوستانی معاشرے کے دیگر طبقوں کی جنسی زندگی کا ذکر کیا گیا ہے وہاں مصنف نے طوائفوں کے لیے بھی ایک پورا باب مختص کیا ہے جس میں نہ صرف طوائفوں سے لطف اندوز ہونے کے طریقے بیان کیے گئے ہیں بلکہ طوائفوں کے لیے مردوں کو محظوظ کرنے کے فن پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس فن کے متعلق مصنف نے جو رموز بیان کیے ہیں وہ یہاں بیان کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مضامین نہایت فحش اور برہنہ انداز میں لکھے گئے۔

عہد مغلیہ میں جو عروج طوائفیت کو حاصل ہوا شاید اسے ہندوستان میں پہلے کبھی حاصل نہ ہوا ہو۔ مغل بادشاہوں کے عہد میں طوائف تہذیب کی علامت اور اس کا کوٹھا تمدن کا گہوارہ تھا۔ امراء و شرفاء کے دیوان خانہ کی زینت کے لیے چاندنی، چھت گیری، گاؤ تکیہ، اگالدان اور خاص دان کی طرح طوائف بھی لازم تھی۔

آج بھی تازہ اعداد و شمار کے مطابق بھارت ورش میں 50 لاکھ سے زائد طوائفیں موجود ہیں جو اپنے پیشے کا تحفظ اور مساوی انسانی حقوق کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔

## کثیر شوہری رواج

ہندوستان میں شادی کا کوئی ایک مخصوص طریقہ نہیں تھا بلکہ شادی آٹھ مختلف طریقوں سے کی جاتی تھی جن کی تفصیل یہ ہے۔

1- براہم بیاہ: جب کسی لڑکی کو بنا سنوار کر رخصت کیا جاتا تو ایسی شادی کو براہم بیاہ کہتے تھے۔

2- پراجایت بیاہ: یہ شادی کا وہ طریقہ تھا جس میں میاں بیوی مشترک طور پر مقدس رسومات ادا کرتے تھے۔

3- آرس بیاہ: جب کسی کنیا کو دو گئوں کے عوض بیاہا جاتا تو ایسی شادی آرس بیاہ

کہلاتی تھی۔

4- دیو بیاہ: کسی پجاری کو قائم مقام بنا کر کنیا (لڑکی) کو دیوتا کی بھینٹ چڑھانا دیو بیاہ کہلاتا تھا۔

5- گاندھر بیاہ: کسی لڑکی کا اپنی مرضی سے کسی مرد سے ملاپ کر لینا گاندھرو بیاہ کہلاتا ہے۔

6- آئسر بیاہ: کسی کنیا کو بہت سامال لے کر بیاہنا آئسر بیاہ کہلاتا تھا۔

7- راکھش بیاہ: کسی کنیا کو اغوا کر لینا راکھش بیاہ کہلاتا تھا۔

8- پیشاچ بیاہ: کسی لڑکی کو سوتے یا نشے میں بھگا کر لے جانا اسے پیشاچ بیاہ کہتے تھے۔(41)

ہندوستان میں شادی کے جن طریقوں کا تذکرہ کیا گیا ہے انہیں حقیقت میں شادی قرار دینا مناسب نہیں بلکہ ان میں سے ایک دو کے سوا سب بدکاری کو روا رکھنے کے طریقے تھے۔

ان کے علاوہ سب سے زیادہ خطرناک کثیر شوہری کا رواج تھا۔ قدیم ویدک ادب میں کثیر شوہری یعنی ایک عورت کے بیک وقت کئی مردوں سے تعلقات کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ ان قصوں کی بدولت ہندوستان میں کثیر شوہری کا رواج پیدا ہوا جو ہندوستان کے بعض قبائل میں اب بھی موجود ہے۔ مثلاً بھارت کے ایک پہاڑی قبیلے ٹوڈا میں یہ رواج ہے کہ شادی کے بعد دلہن کا دیور بھی اس کا شوہر تصور کیا جائے گا۔ شوہر اور اس کے بھائی اپنی مشترکہ بیوی کے ساتھ باہم سکون سے رہتے تھے۔ اگر تمام بھائی الگ الگ رہنا چاہیں تو انہیں اجازت ہوتی ہے کہ وہ باری باری ایک مخصوص مدت تک ہر ایک کے پاس جا کر رہے۔

اس قسم کی شادی کی ایک تازہ مثال شیلا دیوی کی ہے جس نے حال ہی میں بیک وقت دو ہندو نوجوانوں سے شادی کی ہے۔ اس شادی کی داستان کچھ یوں ہے کہ ستیش گپتا اور گرجا گری بچپن کے دوست ہیں، دونوں نے ایک ساتھ تعلیم حاصل کی اور انجینئرنگ کا کورس مکمل کرنے کے بعد جے پرکاش نرائن کی تحریک سے متاثر ہو کر سماجی خدمت کی انجام دہی کے لیے تیار ہو گئے۔ ان دونوں کو تحریک کے آشرم میں ملازمت مل گئی۔ آشرم میں ان کی ملاقات شیلا دیوی سے ہوئی۔ تینوں کی دوستی نے عہد و پیمان کا روپ دھارا اور بات تینوں کی

مشترکہ شادی پر جا کر ختم ہوئی۔ (42)

## فلسفہ نیوگ

اگرچہ ہندوستانی مذہب میں شادی سے قبل جنسی تعلقات قائم کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ تاہم شادی کے بعد بھی بعض صورتوں میں ہندوستانی مذہب نے دیگر افراد کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے سے منع نہیں کیا۔ مثلاً ہندو مذہب کے مطابق اگر کسی عورت کا شوہر مر جاتا ہے تو اسے دوسری شادی کی اجازت نہیں۔ البتہ نیوگ کا فلسفہ اسے یہ اجازت فراہم کرتا ہے کہ اگر وہ اولاد پیدا کرنا چاہے تو کسی دوسرے مرد سے ہمبستر ہوسکتی ہے اور اپنی نسوانی خواہشات کو تسکین پہنچا سکتی ہے۔ یہ حکم صرف بیوہ عورتوں کے لیے ہی نہیں بلکہ وہ عورتیں جن کے شوہر زندہ ہیں انہیں بھی اجازت دے دی گئی ہے کہ اگر پہلے خاوند سے اولاد پیدا نہ ہورہی ہوتو وہ کسی دوسرے مرد سے ہمبستر ہوسکتی ہیں۔ ایسی عورت صرف ایک مرد سے نہیں بلکہ دس مردوں سے الگ الگ ہمبستر ہوسکتی ہے۔ اس طرح پیدا ہونے والی اولاد اس کے اصلی شوہر کی تصور کی جائے گی۔

سوامی دیانند 'ستیارتھ پرکاش'' میں لکھتے ہیں کہ ''جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نیوگ کرے تاکہ اس کے اولاد پیدا ہوسکے لیکن عورت اپنے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ اسی طرح اگر عورت کسی بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ضائع کردے تو تب اپنے خاوند کو اجازت دے کہ ''اے مالک! آپ اولاد کی امید مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے اولاد پیدا کرلیں جیسے پانڈو راجہ کی عورت کنتی اور مادری نے کیا (43)۔ معلوم ہوا کہ نیوگ بھی ہندوؤں میں شادی کی ہی ایک قسم ہے جو عموماً اولاد کی خاطر کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں بانجھ عورتیں اولاد حاصل کرنے کے لیے ہفتوں پروہتوں کے ساتھ شب باش ہوتی تھیں۔ ہندو بانجھ عورتوں کے اس فعل کو برا خیال نہیں کرتے تھے۔

## جنسی آزادی کا مبلغ آچاریہ رجنیش

ہندوستان میں جنسی اباحت (Sexual Permissiveness) پر گفتگو تشنہ رہے گی۔ اگر عالمی شہرت یافتہ ہندوستان کے فلسفی اور ہندو مذہبی رہنما آچاریہ رجنیش ''Rajnessh'' کے

خیالات سے تعرض نہ کیا جائے۔ رجنیش کو ان کے معتقدین بھگوان رجنیش کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مختلف ومتنوع موضوعات ومسائل پر ان کی تقریباً 500 سے زائد تصنیفات ہیں جو زیادہ تر ان کی تقاریر کا مجموعہ ہیں۔ اپنی مختلف کتابوں میں جابجا آچاریہ رجنیش نے جنس کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ جنابہ ماامرت چن مایو صاحبہ ''Ma Amrit Chinmayo'' نے جو شاید آچاریہ کی کوئی معتقد ہی ہوگی اس موضوع پر موصوف کے بکھرے ہوئے خیالات کو یکجا کر کے ایک کتاب کی صورت میں جمع کر دیا ہے۔

یہ گویا جنس کے موضوع پر آچاریہ شری رجنیش کے اقوال کا ایک مجموعہ ہے۔

آچاریہ کی ساری گفتگو جنس کی عظمت اور تقدیس کے گرد گھومتی ہے۔ لیکن اس کا اظہار کس طریقے سے ہو' شادی کی ضرورت اور اس کی پابندی ہے یا نہیں رجنیش کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ البتہ وہ شادی کے ادارے پر مسلسل حملے کرتا اور اسے فضول اور غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''ہمیں اپنے پرانے خیالات چھوڑ دینے چاہئیں ...... میرا بچہ میرے خون سے پیدا ہو' یہ بالکل بیوقوفی ہے۔ میرے خون میں اور تمہارے خون میں کیا فرق ہے؟ نئے ذہن کو چاہیے کہ وہ بچے کے لیے درست بیج کا انتخاب کرے۔ پھر وہ کہاں سے آتا ہے اس کا کوئی سوال نہیں۔ جہاں تک مواصلت کا سوال ہے تم کسی بھی من چاہی عورت سے کر سکتے ہو۔''[44]

اسی طرح ایک اور جگہ وہ لکھتا ہے کہ ''مرد اور عورت کے لیے مجامعت کا سب سے بڑھ کر قوت کا زمانہ اٹھارہ سال کی عمر کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ عجیب تماشا ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ دائروں میں رکھا جاتا ہے۔ وائس چانسلر' پرنسپل اور ہیڈ ماسٹر انہیں آزادانہ ملاپ سے باز رکھتے ہیں یہ ظلم ہے۔''[45]

## برہنہ پن

ہندوستان میں برہنگی شروع سے ہی مقبول عام رہی ہے۔ اس کی مقبولیت کی سند ایلورا اور اجنتا کے غاروں میں مبت کاری اور مورت سازی کے وہ نادر نمونے ہیں جنہیں دیکھ کر شرم محسوس ہوتی ہے۔ تاریخ تمدن ہند میں ہندوستانی سنگ تراشوں کے متعلق لکھا ہے کہ ''وہ بناتے تھے جسم' مگر دکھانا چاہتے تھے جان۔ اس لیے وہ اس خیال کو مٹا دینا چاہتے تھے کہ جسم

ایک ٹھوس چیز ہے۔ سکوت کی ہر شکل میں وہ حرکت کو مجسم کرتے اس طرح کہ سکوت محض ایک گمان معلوم ہوتا اور حرکت حقیقت۔ اسی وجہ سے انہوں نے لباس کو انسانی مجسمے کا لازمی حصہ نہیں مانا کہ لباس اس حقیقت پر ایک پردہ ڈال دیتا ہے۔(46)

متھرا میں جو نسوانی شکلیں مجسم اور مبت کی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ان میں جنسیت اس قدر عیاں کی گئی ہے کہ یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے بنانے کا مقصد عبادت گاہوں کی رونق بڑھانا تھا یا فن آرائش کا کمال دکھانا مقصود تھا۔ اسی طرح امراوتی میں برہنہ نسوانی مجسمے نہایت دلکش ہیں۔ ان مجسموں میں عورت کے سینے اور سرین کے ابھار اس قدر فطری اور جاذب نظر ہیں کہ انسان کے دل و دماغ میں ہلچل برپا ہو جاتی ہے۔

ہندوستان کے بعض علاقوں میں نئے جوڑوں کا برہنہ رقص باقاعدہ رسم شادی کے طور پر مروج تھا۔ ول ڈیورانٹ کے مطابق اٹھارویں صدی کے آواخر تک جنوبی ہند میں عورتوں کے لیے چھاتی برہنہ کر کے چلنے کا رواج تھا۔ آج بھی ہندوستان میں جب بھی قحط سالی یا بارش کی کمی ہوتی ہے تو پنڈت نئے جوڑوں کو برہنہ رقص کی تلقین کرتے ہیں۔ خشک سالی دور کرنے اور زیادہ بارش کے لیے نئے شادی شدہ جوڑے ضلع انت پور کے دیہات کے مندروں کے سامنے بنائے گئے پلیٹ فارموں پر رات کے اندھیرے اور چاندنی میں اندر دیوتا کو خوش کرنے کے لیے اکثر برہنہ رقص کرتے ہیں۔

گزشتہ برس بھارت کے صوبہ آندھرا پردیش میں بھی پروہتوں نے نئے شادی شدہ جوڑوں کو ایسی ہی ہدایت جاری کی تھی کہ وہ رات کے وقت خشک تالابوں' جوہڑوں اور نہروں کے کنارے برہنہ رقص کریں تا کہ بارش کا اندر دیوتا خوش ہو۔

گویا رقص ہو یا موسیقی' شراب یا شباب' ادب ہو یا آرٹ' مصوری ہو یا سنگ تراشی' سماجی تقریبات ہوں یا مذہبی رسومات' ہر جگہ عریانی اور فحاشی کے مظاہرے ضرور دکھائی دیتے ہیں اور ہندو ان پر فخر کرتے ہیں۔

## انجام

ہندو معاشرے کا سنگ بنیاد ذات پات کی تمیز ہے۔ سب سے افضل ذات برہمن ہے جو زمین پر دیوتاؤں کے مثل بن گئے۔ کھشتری جنگجو اور حکمران تھے' ویش کاروبار اور کھیتی

باڑی کرتے تھے جبکہ شودر ایسے ملکی باشندے تھے جن سے عام طور پر خاکروب کا کام لیا جاتا تھا۔ منوجی کا قانون یہ ہے کہ اگر شودر کسی برہمن عورت سے بدکاری کرے تو اس کا آلہ تناسل قطع کر دیا جائے لیکن اگر برہمن کسی شودر عورت سے دل بہلا لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اس غیر فطری تفریق نے برہمنوں کا دماغ خراب کر دیا اور وہ عیاش اور ہوس پرست ہو گئے۔ معاشرے پر برہمنوں کی گرفت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں شادی کے بعد دلہن کو پہلی رات پنڈت جی کے ساتھ خلوت میں بسر کرنا پڑتی تھی۔ یہ رسم انیسویں صدی عیسوی تک جاری رہی۔

برہمن ہمیشہ کھشتری راجاؤں کے درباروں سے وابستہ رہے۔ جب صدیوں کی مسلسل خانہ جنگی میں کھشتری مٹ گئے تو برہمنوں نے راجپوتوں کو سورج بنسی اور چندر بنسی جیسے القاب دے کر ان کی حکومتوں میں بھی دخل پیدا کر لیا۔ تاہم کھشتریوں کے مٹ جانے سے ہندو قوم اعلیٰ اخلاق سے بالکل محروم ہو گئی۔ ذات پات کی صدیوں کی ظالمانہ تفریق سے ہندو معاشرہ انسانی ہمدردی اور وسعت نظر سے محروم ہو گیا۔ تقریباً آٹھویں صدی عیسوی میں اس پست اخلاق قوم سے مسلمانوں نے ملک اور اقتدار چھین لینے کی کوششیں شروع کر دیں اور رفتہ رفتہ پورے برصغیر پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔ قوموں کے تنزل اور زوال کے متعلق ڈاکٹر مبارک علی کا خیال ہے کہ "کسی عہد یا دور کا خاتمہ اچانک نہیں ہوتا بلکہ اس کے پس منظر میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی وجوہات ہوتی ہیں جو اندر ہی اندر بظاہر مستحکم اور مضبوط عمارت کو کھوکھلا کر رہی ہوتی ہیں یہاں تک کہ معمولی حادثوں اور آفات سے یہ عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ یہی کچھ ہندوستان کے ساتھ ہوا۔ مسلمانوں نے اگرچہ اس برصغیر پر تقریباً ایک ہزار سال بڑے جاہ و جلال سے حکومت کی مگر ہندوستانی ثقافت کے مضر اثرات سے اپنا دامن محفوظ نہ رکھ سکے۔ نتیجتاً مسلمان بھی رفتہ رفتہ اخلاقی پستی کا شکار ہو گئے حتیٰ کہ مغل حکمرانوں نے عیش کوشی اور اخلاقی بداعمالیوں میں ہندو راجاؤں اور حکمرانوں کے ریکارڈ بھی توڑ دیئے۔ جس کے بعد قضا و قدر کے محتسب نے گنہگار ملوک و امراء پر ایسے درے برسائے کہ سارا جاہ و جلال خاک میں مل گیا اور خاندان کے خاندان بے نشاں ہو گئے۔



# قدیم ایران

## اجمالی تعارف

جیسا کہ ایران کے نام سے ظاہر ہے کہ ملک آریاؤں کا وطن تھا۔ وسط ایشیا سے کم و بیش دو ہزار برس قبل مسیح میں آریاؤں نے خروج کیا' جب بابل' مصر' فنیقیہ وغیرہ کے تمدن عروج و زوال کی کئی منزلیں طے کر چکے تھے۔ ان قبائل کے خروج اور آبادکاری کا عمل صدیوں تک جاری رہا' کچھ قبائل نے مغرب کا رخ کیا اور یونان تک بڑھتے چلے گئے' کچھ ایران میں آباد ہوئے یا ہند کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس زمانے میں عراق عجم پر اشوریوں کی حکومت تھی۔ چنانچہ جس طرح ہندی آریائی قبائل وادی سندھ کے ہڑپائی تمدن سے فیض یاب ہوئے اسی طرح اشوری تہذیب و تمدن' نظام حکومت' مذہب اور فنون نے ایرانی قبائل کو متاثر کیا۔ سپائگل کا خیال یہ ہے کہ ایک ہزار قبل مسیح تک اشوری اثرات ایرانی معاشرے میں پوری طرح نفوذ کر چکے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ قبائل متمدن زندگی سے روشناس ہوئے اور شہر تعمیر کر کے رہنے لگے۔

## شاہی محلات میں عصمتوں کا خون

ایران میں چونکہ آمریت تھی لہٰذا اس آمرانہ ملوکیت کے باعث ایران کے حکمرانوں سے اخلاقی طور پر ایسی گھٹیا اور پست حرکات سرزد ہوتی تھیں جنہیں پڑھ کر آج بھی شرافت سر جھکا لیتی ہے۔ علامہ طبری خسرو کے متعلق لکھتے ہیں: ''خسرو کے حرم میں تین ہزار بیویاں تھیں علاوہ ان ہزاروں لونڈیوں کے جو اس کی خدمت کرتی تھیں اور رقص و سرود کی

محفلوں کو سجاتی تھیں۔ خسرو ناچ گانے کا بے حد شوقین تھا۔[47]

مشہور یونانی تذکرہ نگار پلوٹارک نے پارتھی عہد کے ایک رئیس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''جب وہ کسی مہم پر جاتا تھا دو سو رتھوں میں اس کی خواصیں سوار ہوتی تھیں۔ لڑائی کے دن وہ اپنی فوج کو ساتھ لیے زنانہ بناؤ سنگھار کے ساتھ میدان میں نکلتا تھا۔ چہرے پر غازہ، بالوں میں مانگ نکالتا تھا اور میدان جنگ میں عیش و عشرت کی راتیں بسر کرتا تھا۔ مے نوشی، راگ رنگ اور عشق و محبت کے شغلوں سے اپنا جی بہلاتا تھا۔[48]

فارسی مورخ ''شاہین مکاریوس'' کے بیان کے مطابق کسریٰ پرویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں، اس کے علاوہ سامان تعیش محلات اور نقد و جواہرات تھے کہ ان کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔'' وہ مزید لکھتا ہے کہ ''تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے ان شاہان ایران کی طرح دادِ عیش دی ہو۔''[49]

شاہان ایران اپنی رعایا کی حسین لڑکیوں کو اپنے حرم کی زینت بنانا اپنا خصوصی حق سمجھتے تھے۔ ان کے محلوں میں ہزاروں پری جمال لڑکیاں ان کے ذوق جمال کی تسکین کے لیے موجود رہتی تھیں۔ ان کی حفاظت پر خواجہ سرا مامور تھے۔ ان لڑکیوں کا انتخاب خاصا کڑا تھا۔ بقول مولوی عبدالحلیم شرر: ''ایک دفعہ شہنشاہ خشارشیا تاجدارِ ایران کے لیے کسی نئی حسینہ کی تلاش ہوئی۔ شاہی غلاموں کی تحریک پر ساری قلمرو میں حکم جاری ہو گیا کہ ہر جگہ حسین اور کنواری لڑکیاں جمع کی جائیں اور ان میں سے جو جادو نگاہ عورتیں منتخب ہوں وہ لا کے ایوانِ شہریاری میں شاہی خواجہ سراؤں کی زیر نگرانی رکھی جائیں تاکہ وہ انہیں بادشاہ کے ملاحظے میں پیش کرنے کے قابل بنائیں، کیونکہ بادشاہ کی خلوت میں پیش ہونے کے لیے ضروری تھا کہ ہر حسینہ کم از کم ایک سال تک خواجہ سراؤں کے زیر اہتمام رہے جسے چھ ماہ تک مر اور یدلوبان اور عود وغیرہ کی دھونی دی جاتی اور چھ ماہ تک اس کے جسم میں عود اور دوسری خوشبودار چیزوں کے تیل اور ابٹن لگائے جاتے تھے۔

کہتے ہیں بھوک، نیند اور شہوت جب ایک حد سے تجاوز کر جائیں تو یہ انسان کو سکون اور تسکین فراہم کرنے کے بجائے اس کے لیے مزید بیقراری اور بے چینی کا سبب بنتی ہیں۔ تاریخ میں سینکڑوں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے ایک بادشاہ سلطان غیاث الدین کی شہوت پرستی کا یہ عالم تھا کہ اس کے حرم میں دس ہزار حسین ترین عورتیں موجود ہونے

کے باوجود اسے مزید عورتوں کی تلاش رہتی تھی۔ مشہور مورخ ''فرشتہ'' نے لکھا ہے: ''سلطان غیاث الدین نے ایک دن اپنے مقربین کو اکٹھا کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہا: ''میرے حرم میں کئی ہزار عورتیں ہیں' اگرچہ ان میں حسن و جمال کی کمی نہیں اور ایک سے ایک میرے سامنے رہتی ہے لیکن جس حسن کو میری نگاہیں ڈھونڈتی ہیں وہ مجھے آج تک نہیں ملا۔ کاش! مجھے کوئی ایسی صورت مل جاتی جس سے میرے دل و نگاہ مطمئن ہو جاتے۔'' اس موقعہ پر ایک مقرب نے بادشاہ سے عرض کیا' ''جو لوگ عورتوں کی فراہمی پر مامور ہیں وہ عقل کے کچے ہیں۔ انہیں یہ علم ہی نہیں کہ حسن کیا ہے؟ اسی وجہ سے اب تک وہ آپ کو مطمئن کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اگر یہ خدمت میرے سپرد کی جائے تو ممکن ہے کہ آپ کی پسند کے موافق کوئی عورت مجھے مل جائے۔''

بادشاہ نے اس درباری سے پوچھا: ''تمہارے نزدیک حسن کا معیار کیا ہے؟'' درباری نے جواب دیا کہ میرے خیال میں حسن کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی حسین کے جسم کا ایک حصہ نظر آ جائے تو دیکھنے والا اس حصے کے حسن میں اتنا محو ہو جائے کہ اس کو دوسرے حصوں کو دیکھنے کی تمنا نہ رہے۔'' بادشاہ کو حسن کی تعریف بہت پسند آئی اور اس نے اپنے اس درباری کو اجازت دی کہ وہ ایسا حسن تلاش کرے۔

درباری نے تمام ملک محروسہ کا سفر کیا اور سارے ملک کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن اسے کوئی عورت حسب خواہش دستیاب نہ ہو سکی۔ آخر کار وہ درباری مایوس ہو کر واپس آ گیا۔ اتفاق سے ایک روز درباری نے ایک لڑکی کو دیکھا جو خراماں خراماں جارہی تھی۔ اس لڑکی کا حسن' قامت اور طرز رفتار بڑی دلکش تھی۔ جب لڑکی سے اس درباری کا سامنا ہوا تو درباری کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ جس صورت کا تصور کیے ہوئے تھا اس سے یہ لڑکی ہزار گنا زیادہ خوبصورت تھی۔ درباری نے جس طرح بھی ہو سکا وہ لڑکی حاصل کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ بادشاہ اس لڑکی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔''(50)

بلاشبہ لڑکی بہت خوبصورت تھی مگر اس کا حسن جمال اور خوبصورت جسم بادشاہ کے لیے چند دن ہی توجہ کا مرکز رہا۔ اس کے بعد بادشاہ حسب معمول دیگر نئی خوبصورت عورتوں کو تلاش کرنے لگا۔ خوبصورت عورتوں کے انتخاب کے لیے بادشاہ نے اپنے حرم میں ایک بازار تعمیر کرایا اور حکم دیا کہ اس بازار میں تمام چیزیں شہر کی نسبت ارزاں قیمتوں پر فروخت کی

جائیں تاہم ان چیزوں کی خریداری کی اجازت صرف پری چہرہ عورتوں ہی کو ہونی چاہیے۔ خریداری کے لیے بوڑھی اور واجبی شکل والی عورتوں کو حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اگر اتفاق سے اس قسم کی کوئی عورت حرم میں آجاتی تو وہ بادشاہ کے سامنے نہ جاسکتی تھی۔ بالکل یہی حال ایرانی شہنشاہوں کا تھا۔

## محرمات سے نکاح

فراعین مصر کی طرح شاہان ایران میں بھی محرمات سے نکاح جائز سمجھا جاتا تھا۔ کیومرثیہ فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ کیومرث انسانوں کا باوا آدم ہے جو خیر وشر کے فتنے میں پڑ کر قتل ہوا۔ اس کے خون سے ایک مرد میشہ نامی اور ایک عورت میشانہ پیدا ہوئے۔ ان دونوں نے نکاح کر لیا اور نسل انسانی کا آغاز ہوا۔ اسی بنا پر مجوسی بھائی بہن کی شادی کو جائز خیال کرتے تھے۔(51)

پروفیسر آرتھر کا بیان ہے کہ ''قدیم ایران میں بہن، بیٹی کے ساتھ شادی کو مذہبی طور پر جائز سمجھا جاتا تھا اور اس قسم کی شادی ''جویذوگدس'' کہلاتی تھی ہخامنشیوں کی تاریخ میں ہمیں اس قسم کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ان کی مذہبی کتابوں میں اس قسم کی شادی کی بڑی عظمت بیان کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسی مزاوجت (شادی) پر خدا کی رحمت کا سایہ پڑتا ہے اور شیطان اس سے دور رہتا ہے۔

ایرانیوں کے ہاں عہد ساسانی میں محرمات سے شادی کی رسم کی تصدیق نہ صرف معاصر مورخین مثلاً اگاتھیاس وغیرہ کے بیان سے ہوتی ہے بلکہ اس عہد کی تاریخ میں ایسی شادیوں کی کئی امثال موجود ہیں۔ مثلاً بہرام چوبیں اور مہران گشنسپ نے اس قسم کی شادیاں کیں(52)۔ مورخ سرپری نے بھی اس قسم کی شادیوں کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''بہمن نے اپنی بہن ہمائی سے شادی کی اور اس کے بطن سے اس کے مرنے کے بعد دارا پیدا ہوا(53)۔'' طبری نے مورخ سرپری کے بیان کی تائید ان الفاظ میں کی ہے: ہمائی بہمن کی بیٹی تھی۔ جب بہمن مرنے لگا تو اس کی بیٹی جو اس کی زوجہ بھی تھی نے کہا کہ میرے شکم میں جو بچہ ہے تم اس کی تاج پوشی کرو اور اس کو اپنا وارث تخت بناؤ۔''(54)

یزدگرد دوم نے اپنی بیٹی سے شادی کی اور کافی عرصہ اسے اپنی بیوی بنائے رکھا پھر

اس کو قتل کر دیا۔

رفتہ رفتہ محرمات سے شادی کا رواج اتنا عام ہو گیا کہ وہ ایرانی جو زرتشتی مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب سے منسلک تھے انہوں نے بھی اس رواج کو اپنا لیا حالانکہ ان کے مذہب کی رو سے یہ فعل قطعاً ممنوع اور حرام تھا۔ اسی طرح ایران کے عیسائیوں نے زرتشتیوں کی دیکھا دیکھی محرمات کے ساتھ شادی کرنے کی رسم اختیار کر لی تھی۔ حالانکہ یہ امران کی شریعت کے بالکل منافی تھا۔

## بیویاں رعایتاً دینے کا رواج

ایرانیوں کے ہاں ازدواجی زندگی کے بارے میں بعض بڑے شرمناک معمولات تھے۔ جنہیں کوئی باغیرت اور باحمیت انسان سننے کے لیے بھی شاید تیار نہ ہو۔ لیکن وہ ان معمولات پر کوئی خجالت و شرم محسوس کیے بغیر کھلم کھلا عمل کرتے تھے۔ مثلاً ایک شوہر مجاز تھا کہ اپنی بیوی کسی دوسرے شخص کو جو انقلاب روزگار سے محتاج ہو گیا ہو' اس غرض کے لیے دے دے کر وہ اس سے کسب معاش کے کام میں مدد لے۔ اس میں عورت کی رضامندی کا حاصل کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس عارضی ازدواج میں جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ پہلے شوہر کی سمجھی جاتی تھی۔ یہ مفاہمت ایک باضابطہ قانونی اقرار نامے کے ذریعے سے ہوتی تھی۔ اس قسم کا معاہدہ انسانی ہمدردی کے ذیل میں شامل کیا جاتا تھا یعنی یہ کہ ایک شخص نے اپنے ایک محتاج ہم مذہب کی مدد کی۔''(55)

قدیم ایران میں جنسی بے راہ روی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے پیر کرم شاہ نے لکھا ہے کہ ''جس معاشرہ میں بیٹی اور بہن کو منکوحہ بنانا گوارا کر لیا جاتا ہو بلکہ اسے باعث رحمت آسمانی خیال کیا جاتا ہو' اور جس معاشرہ میں اپنی بیوی کو رعایتاً اپنے کسی دوست کے حوالے کر دینا ایک پسندیدہ اور قابل تعریف فعل ہو۔ وہاں ضبط نفس کے بارے میں سوچنا اور جنسی کج روی پر کوئی قدغن لگانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایران میں زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا۔ شراب کھلے بندوں پی جاتی تھی بلکہ مذہبی تقریبات میں اس کو بڑے اہتمام سے حاضرین کی تواضع کے لیے پیش کیا جاتا تھا۔(56)

## مزدک کی شرمناک تحریک

ایرانیوں کے اخلاق کو نیست و نابود کرنے میں رہی سہی کسر مزدک نے پوری کر

دی۔ ماحول تو پہلے ہی متعفن تھا ذرا سی ہوشیاری اور عیاری کی ضرورت تھی جو اس معاشرے کو ہمیشہ کے لیے پیوند خاک کرنے کے لیے کافی تھی۔ چنانچہ مزدک نے جو نیشاپور کا رہنے والا تھا اعلان کر دیا کہ تمام انسان مساوی ہیں۔ صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو معاشرے میں تفریق ڈالتی ہیں اور وہ ہیں زن اور زمین یعنی جائیداد۔ اگر ان دونوں کو مشترکہ ملکیت قرار دے دیا جائے تو معاشرہ میں طبقاتی تقسیم ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انسانی مساوات کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ نہ کوئی جائیداد کسی کی ملکیت ہو اور نہ کوئی عورت کسی ایک شخص کی مخصوص بیوی بنے۔ ہر عورت سب کے لیے مشترک ہے، ہر شخص اس سے تمتع اور لذت اندوزی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ دونوں باتیں ایسی تھیں جنہیں اس عریاں بے باکی کے ساتھ بیان کرنے کی آج تک کسی کو جرأت نہ ہوئی تھی۔ لیکن مزدک زمانہ شناس تھا۔ معاشرہ جن مصائب و آلام میں جکڑا ہوا تھا اور صدیوں سے کراہ رہا تھا اس نے ان کا صحیح اندازہ لگایا اور ان دونوں چیزوں کے تقدس کو پارہ پارہ کر کے ان سب کو ایک متاع مشترک بنا دیا۔

"ایران کے مفلس عوام جو امراء، روسا اور شہزادگان کے فلک بوس محلات کو دیکھتے اور دل مسوس کر رہ جاتے۔ ہر رات جو بزم عیش و طرب وہاں سجائی جاتی ان کے بارے میں وہ سنتے اور حسرت کی آہ بھر کر رہ جاتے۔ زر و جواہر اور اشرفیوں کے ڈھیر دیکھ کر ان کی آنکھوں میں یاس کے آنسو بھر آتے۔ ان مفلوک الحال لوگوں کے لیے اس دعوت میں بلا کی کشش تھی اور جب اس کے ساتھ جنسی زندگی کی ساری پابندیاں بالائے طاق رکھ دی گئی ہوں اور ہر شخص ہر عورت کو اپنی ہوس کا شکار بنانے کا قانوناً حقدار بنا دیا گیا ہو ان چیزوں نے اس دعوت کی کشش کو دو آتشہ بنا دیا اور لوگ جوق در جوق اس ننگ انسانیت تحریک میں شامل ہونے لگے۔[57]

اپنی اس تحریک کو کامیاب بنانے اور بڑی بڑی مقتدر ہستیوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کے لیے مزدک نے ہر قسم کی فریب کاری کو روا رکھا حتیٰ کہ کسریٰ ایران کیقباد کو بھی اپنے حلقہ عقیدت مندان میں شامل کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ کیقباد نے اپنی مملکت کے تمام وسائل مزدک کے مذہب کو فروغ دینے کے لیے وقف کر دیئے۔

مزدک اس حد تک بے حیا اور بیباک ہو گیا کہ اس نے ایک دن کیقباد کو کہا: "کہ آج تیری بیوی میرے پاس رات بسر کرے گی۔ کیقباد بھی اس کی صحبت کی نحوست سے بے

غیرتی کی انتہائی منزل کو پہنچ چکا تھا۔ اس نے اس کی حیا سوز تجویز پر نہ صرف یہ کہ غیظ وغضب یا کسی ناپسندیدگی کا اظہار کیا بلکہ اس کی تجویز کو قبول کر لیا۔ نوشیروان کو پتہ چلا تو وہ اپنی ماں کی اس بے عزتی پر بے چین ہو گیا اور انتہائی نیازمندی کے ساتھ مزدک کی خدمت میں حاضر ہوا اپنے ہاتھوں سے اس کے جوتے اتارے اور اس کے پاؤں کو بوسے دیئے اور بڑی لجاجت سے عرض کی، کہ وہ اس کی ماں کی آبروریزی نہ کرے۔ اس کو اس مہربانی کے عوض جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس کے سپرد کر دے گا۔ تب جا کر مزدک اس حرکت سے باز آیا اور اہل ایران کی مادر ملکہ کو چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد حالت یہ ہو گئی کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو اور کوئی باپ اپنے بیٹے کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ (58)

مزدک کی تحریک اور اس کے اثرات پر ابوالحسن ندوی نے لکھا ہے کہ مزدک کی تحریک سے نوجوانوں اور عیش پسندوں کی مراد بر آئی۔ انہوں نے اس تحریک کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور سارا ایران جنسی انارکی اور شہوانی بحران میں ڈوب گیا۔ (59)

اگرچہ رسوائے زمانہ مزدک کی تحریک کو نوشیروان نے پوری قوت کے ساتھ کچل دیا اور مزدک کو زندہ دفن کرا دیا، لیکن مانی کی طرح مزدک کی باقیات بھی رہ گئیں۔ نظام الملک ''سیاست نامہ'' میں لکھتا ہے کہ ''مزدک کی تعلیمات بہت سے اسلامی فرقوں میں بھی نفوذ کر گئیں مثلاً شلمغانی، بابک اور مقنع جنہوں نے دورِ عباسیہ میں بار بار علم بغاوت بلند کیا تھا مزدک کی طرح اشتراک املاک اور اباحت نسواں کے داعی تھے۔ باطنیہ کے اکثر فرقوں میں مزدک کے عقائد کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔

## متعہ

ایران میں عرصہ دراز سے عارضی شادی کی ایک رسم متعہ چلی آ رہی ہے۔ متعہ کا مطلب وقت گزاری کے لیے شادی کرنا ہے۔ یہ طریقہ اسلام سے پہلے کا چلا آ رہا ہے۔ ڈی لوری نے اپنی کتاب ''Queer Things About Peria'' میں متعہ کو قبل از اسلام کے ایرانی رواج کا متبادل قرار دیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ متعہ ایران میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ مشہور ایرانی سورما رستم نے شکار کھیلتے ہوتے بادشاہ کی بیٹی تہمینہ سے متعہ کی شادی ہی کی تھی

جس سے سہراب پیدا ہوا۔ متعہ ایک ایسا عقد ہے جس میں ایک مرد اور ایک غیر شادی شدہ عورت غیر معینہ مدت کے لیے شادی کا معاہدہ کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی طے کیا جاتا ہے کہ عارضی بیوی کو کتنی رقم فراہم کی جائے گی۔

ایران میں متعہ کا رواج بدستور قائم ہے۔ تاہم حکومت کی پالیسیوں کے ساتھ متعہ کی پسند اور ناپسند کا گراف گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ مثلاً پہلوی سلطنت نے اس بارے میں اپنا رویہ غیر جانبداری کا رکھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس دور میں ویسے ہی جنسی آزادی عام تھی۔ لیکن اسلامی انقلاب کے بعد حکومت نے متعہ کی کھلے عام حمایت کی اور اسے انسان کے جنسی عمل کے لیے ضروری قرار دیا۔ جواز کے لیے اسلامی شریعت کے شواہد بھی پیش کیے گئے۔ حکومت اپنی مہم میں خاصی حد تک کامیاب رہی ہے اور متعہ کی شادیاں تیزی کے ساتھ رواج پا رہی ہیں۔ خصوصاً علماء جنہیں ایران میں ''روحانیوں'' کہا جاتا ہے۔ متعہ کے زیادہ شوقین ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ شرع اور فقہ کا علم زیادہ رکھتے ہیں اس لیے وہ اس سہولت سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے لوگ متعہ نہیں کرتے۔ ڈی لوری کا بیان ہے کہ نچلے طبقے کی عورتیں جو ''صیغہ'' کہلاتی ہیں وہی اس قسم کی شادیاں کرتی ہیں۔ سب سے زیادہ متعہ کی شادیاں مشہد اور قم جیسے مقدس مقامات پر ہوتی ہیں۔

ان مشہور مقدس مقامات کے علاوہ ایران کے دوسرے شہروں میں بھی متعہ کی شادیاں ہوتی ہیں۔ البتہ ان کی تعداد کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تہران کے بعض علاقے اس معاملہ میں زیادہ مشہور ہیں۔ ایران کے جنوب میں شاہ عبدالعظیم کا روضہ اس کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہ روضہ ''رے'' کے قدیم شہر میں واقع ہے۔

متعہ کی رو سے کوئی بھی شیعہ مرد بیک وقت جتنی چاہے عارضی شادیاں کر سکتا ہے۔ یہ شادیاں ان چار بیویوں کے علاوہ ہوں گی جن کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ شیعہ فقہ کے امام جعفر صادق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا متعہ والی بیوی چار بیویوں میں سے ایک ہوگی؟ تو انہوں نے جواب دیا' نہیں وہ ان کے علاوہ ہوگی۔ آپ چاہیں تو ایسی ہزار عورتوں سے شادی کر لو کیونکہ وہ کمائی کرنے والی (آجر) ہیں۔



# قدیم سلطنت رُوما

## اجمالی تعارف

رومی روایات کے بموجب سلطنت رومہ کی بنیاد 753 ق م میں رومولس (Romulas) اور ریمس (Remus) نام کے دو رومی سرداروں نے رکھی تھی، لیکن آثار قدیمہ کے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ اب شہر روم آباد ہے وہاں دسویں صدی قبل مسیح میں ایک بستی آباد تھی۔ جوں جوں رومی قوم کی طاقت بڑھی گرد و نواح کی لاطینی اقوام اس کے حلقہ اثر و اقتدار میں آتی گئیں۔ قدیم روم پر بادشاہوں کی حکومت تھی جن کا دور حکومت آٹھویں صدی ق م کے وسط سے چھٹی صدی ق م تک بیان کیا جاتا ہے۔ چھٹی اور ساتویں صدی ق م کے دوران روم اٹرسکن (Etruscon) قوم کے زیر تسلط تھا۔ یہ قدیم قوم شمالی وسطی اٹلی میں آباد تھی اور اس کا علاقہ ایٹروریا کہلاتا تھا۔

510 ق م میں رومیوں نے لوسیس جونیس بروٹس کی زیر قیادت آخری اٹرسکن بادشاہ کو ملک سے نکال دیا اور یہاں شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے جمہوری حکومت قائم کی۔ یہ روم کی فتوحات کا دور تھا۔ تیسری صدی ق م تک رومیوں نے موجودہ اٹلی کا تقریباً سارا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اٹلی کی تسخیر کے بعد رومیوں کی ''کارتھیج'' کے ساتھ تین جنگیں ہوئیں۔ آخری جنگ میں کارتھیج کی افواج کا صفایا کر کے سسلی، سپین کے کچھ حصوں، شمالی افریقہ اور جنوبی فرانس وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور اس طرح رومی سلطنت بحرۂ روم کی ایک غالب اور با اثر طاقت بن گئی۔ دوسری

صدی ق م تک مقدونیہ اور یونان اور پہلی صدی ق م میں ایشیائے کوچک بھی رومیوں کے زیرنگیں آ گئے۔

## رُوم میں عفت مآبی کا تصور

یونانیوں کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا وہ اہل روم تھے۔ یہاں پھر وہی اتار چڑھاؤ کا مرقع ہمارے سامنے آتا ہے جو پہلے یونان کی نسبت بیان کیا جا چکا ہے۔ رومی لوگ وحشت کی تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر پر نمودار ہوتے ہیں تو ان کے نظام معاشرت کا نقشہ یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنے خاندان کا سردار ہے اس کو اپنے بیوی بچوں پر پورے مالکانہ حقوق حاصل ہیں بلکہ بعض حالات میں وہ اپنی بیوی کو قتل کر دینے کا بھی مجاز ہے۔

جب وحشت کم ہوئی اور تمدن وتہذیب میں رومیوں کا قدم آگے بڑھا تو' اگرچہ قدیم خاندانی نظام بدستور قائم رہا۔ مگر عملاً اس کی سختیوں میں کچھ کمی واقع ہوئی اور ایک حد تک اعتدالی حالت پیدا ہوگئی۔ روم میں جمہوریت کے زمانہ عروج میں یونان کی طرح پردے کا رواج تو نہ تھا مگر عورت اور جوان نسل کو خاندانی نظام میں کس کر رکھا گیا تھا۔ عفت وعصمت خصوصاً عورت کے معاملہ میں ایک قیمتی چیز تھی اور اس کو معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔ اخلاق کا معیار بھی کافی بلند تھا۔ بیسوا طبقہ اگرچہ موجود تھا اور مردوں کو ایک حد تک اس طبقہ سے ربط رکھنے کی آزادی تھی' مگر عام رومیوں کی نگاہ میں اس کی حیثیت نہایت ذلیل تھی اور اس سے تعلق رکھنے والے مردوں کو بھی اچھی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا۔

تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اہل روم کے نظریات میں بھی تغیر پیدا ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ نکاح وطلاق کے قوانین اور خاندانی نظام کی ترکیب میں اتنی تبدیلی رونما ہوئی کہ صورتحال سابق حالات کے بالکل برعکس ہوگئی۔ نکاح محض ایک قانونی معاہدہ بن کر رہ گیا جس کا قیام وبقا فریقین کی رضامندی پر منحصر تھا۔ ازدواجی تعلق کی ذمہ داریوں کو بہت ہلکا سمجھا جانے لگا' اور عفت وعصمت ایک بے معنی چیز ہو کر رہ گئی۔

## عارضی شادی

ایران کی مانند روم میں بھی عارضی شادی کا رواج تھا۔ عارضی شادی کی مدت صرف ایک سال تھی جسے "Mariage by Usus" کہتے تھے۔ اس میں مرد اور عورت بغیر کسی تقریب یا

رسم کے' تعلقات پیدا کر لیتے تھے اور یہ تعلقات سال بھر قائم رہتے تھے۔ اگر اس دوران مرد اور عورت کی زندگی لطف اور محبت کے ساتھ بسر ہوئی ہو تو وہ مستقل شادی کر لیتے تھے ورنہ بغیر کسی عدالت یا پنچائت کی مداخلت کے' فریقین میں خود بخود علیحدگی ہو جاتی تھی۔

## بدکاری

سید ابوالحسن ندوی نے لکھا ہے کہ ''اخلاقی گراوٹ کی جو سب سے پست سطح ہو سکتی ہے رومی اس حد تک پہنچ چکے تھے۔ صرف ایک ہی لگن سب کے دل میں لگی ہوئی تھی کہ جس طرح ممکن ہو زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کی جائے اور اس کو فیشن پرستی' عیش پسندی اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ تجرد کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے تاکہ آزادی سے انہیں کھل کھیلنے کا موقع ملے۔ (60)

اسی طرح مولانا پیر محمد کرم شاہ نے بھی روم میں بے راہ روی کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ول ڈیورانٹ کی مشہور کتاب ''The Age of Faith'' کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اخلاق' جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کے مکینوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایک طرف تو رقص کی مخالفت کی جاتی تھی' لیکن قسطنطنیہ میں رقص گاہیں اور ناچ گھر آباد تھے اور بازنطینی اسٹیج ایکٹروں اور ان کے کھیلوں کو بڑی پذیرائی بخشی جاتی تھی۔ ان پر قانونی طور پر پابندی تھی کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کر سکتے۔ لیکن دوسری طرف ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان پیدا کر دیا گیا تھا۔ (61)

پروکوپیئس نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس زمانہ میں عملی طور پر تمام عورتیں بدکار تھیں اور بدکاری کا ثمر چھپانے کے لیے ضبط تولید کے وسائل پر بڑی مستقل مزاجی سے تحقیق جاری رہتی تھی۔ اس زمانے کے اطباء اپنی قرابادینوں میں اس موضوع کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ چوتھی صدی کے ایک مشہور اور قابل طبیب اوریباسیس (Oribasius) نے اپنی قرابادین میں ضبط تولید کے موضوع اور اس کے وسائل پر پورا ایک باب رقم کیا ہے۔

مولانا مودودی کا بیان ہے کہ اس دور میں عورت اور مرد کے غیر نکاحی تعلق کو زیادہ معیوب خیال نہ کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معلمین بھی زنا کو ایک معمولی چیز سمجھنے لگے۔

کاٹو (Cato) جس کو 184 ق م میں روم کا محتسب اخلاق مقرر کیا گیا تھا صریح طور پر جوانی کی آوارگی کو حق بجانب ٹھہراتا ہے۔ سسرو جیسا شخص نوجوانوں کے لیے اخلاق کے بند ڈھیلے کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ روم میں اخلاقی اور معاشرت کے بند جب ڈھیلے ہو گئے تو شہوانیت' عریانی اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ قحبہ گری کے کاروبار کو خوب فروغ نصیب ہوا۔

## قحبہ گری

اگرچہ روم میں طوائفیں عموماً وہ عورتیں ہوتی تھیں جو جنگ میں قیدی ہو کر آتی تھیں تاہم ملک شام کی رقاصہ اور مغنیہ عورتیں بھی دریائے ٹائبر کے ساحل سے جہاں رومہ آباد تھا بخوبی واقف تھیں گویا رومی طوائفوں میں جملہ اقوام وملل کی عورتیں شامل تھیں اور یہ ہر معاشرتی طبقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

روم میں اعلیٰ درجہ کی طوائفوں کو "Bana Maliers" کہتے تھے۔ یہ عورتیں ایسے خوبصورت اور دیدہ زیب مکانوں میں رہتی تھیں جو عام گھریلو عورتوں کے خواب وخیال میں بھی نہ آسکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان طوائفوں کی ظاہری چمک دمک اور اعلیٰ معیار زندگی سے متاثر ہو کر بہت سی کنواری عورتوں نے اپنے آپ کو قحبہ گری کے پیشہ سے وابستہ کر دیا۔ حتیٰ کہ بعض شہنشاہوں کی بیویاں بھی قحبہ خانوں میں مصروف نشاط ہوتی تھیں۔ اس سلسلہ میں شہنشاہ کلاڈیوس کی ملکہ سالینہ کا نام کافی مشہور ہے۔ جووینل نے اس ملکہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ قحبہ خانہ میں اپنے لیے ہمیشہ ایک کمرہ محفوظ رکھتی تھی اور ہر رات سر پر سنہری بالوں کی ٹوپی پہن کر لائسکا کے نام سے قحبہ خانہ میں جاتی تھی۔ قحبہ خانوں میں معزز خاندانوں کی عورتوں کے جانے کا رجحان اس قدر بڑھ گیا تھا کہ قیصر ٹائبیریس (14 تا 37ء) کے عہد میں معزز خاندانوں کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لیے ایک قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ روم میں ہر شخص آزادی سے قحبہ خانے کا رخ کر سکتا تھا۔ یہاں یونان کی طرح قحبہ خانہ میں جانے کے لیے ٹکٹ خریدنے کی ضرورت نہیں تھی۔

## ہم جنسیت

ہم جنس پرستی کا رواج روم بھی عام تھا۔ کہتے ہیں کہ روم کے دور ملوکیت میں یہ فحاشی

اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ان کو دیکھ کر یہ خیال گزرتا تھا کہ شاید لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔ اسی زمانے کا حال قلمبند کرتے ہوئے ٹیبل نے لکھا ہے: ''مرد و زن فحاشی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ قحبہ خانوں کی تعداد بے حد بڑھ گئی تھی اور لواطت کا ذوق اس قدر عام ہو گیا تھا کہ شہر رومہ میں عصمت فروش لڑکوں کی تعداد طوائفوں سے زیادہ ہو گئی تھی۔''

## مندروں میں فحاشی

مندروں میں بدکاری کے رواج کی ابتدا بابل سے ہوئی۔ یہ رواج رفتہ رفتہ ساری قدیم اقوام میں پھیل گیا۔ روم میں وینس دیوی کا مندر عصمتوں کا ذبیحہ خانہ تھا۔ اس دیوی کی پرستش کے وقت رومی عورتیں حد درجہ بدمستیوں اور سیاہ کاریوں میں مبتلا ہو جاتیں تھیں۔ مندروں میں عصمت فروشی کے رواج کی علت ڈاکٹر جے۔ جی۔ فریزر نے اپنی مشہور کتاب ایڈونیس آٹمیں اوسی ریز'' Adonis Attis Or Ririss ''میں یہ بیان کی ہے کہ

''جملہ حالات پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ایک مہا دیوی ماتا تھی جو قدرت کے قوائے تخلیقہ کی حامل تھی۔ اس کی پرستش مختلف اقوام میں مختلف ناموں سے کی جاتی تھی۔ تمام مغربی ایشیا کی مختلف اقوام میں اس دیوی کے متعلق قریب قریب یکساں روایات اور یکساں پرستش کے طریقے جاری تھے۔ ان قدیم روایات میں دیوی کا تعلق کسی خاص عاشق یا متعدد عشاق سے بتایا جاتا تھا۔ یہ عاشق عموماً دیوتا مگر فانی ہوتے تھے۔ وہ دیوی ہر سال ان عاشقوں سے مواصلت کرتی تھی اور ان کی یہ مواصلت انسانی' حیوانی نسل اور فصل کی شادابی کے لیے ضروری سمجھی جاتی تھی۔ بعد میں ان آسمانی عاشق و معشوق کی مواصلات (جنسی عمل) کا کھیل دنیا میں کھیلا جانے لگا یعنی لوگ دیوی کے استھان جا کر خود حرام کاریاں کرنے لگے اور عقیدہ وہی تھا کہ ان کی سیاہ کاریوں سے اولاد پیدا ہو گی' مویشیوں کی نسل بڑھے گی اور فصل خوب پیدا ہو گی۔''

مدت دراز کے بعد جب لوگوں کے خیالات میں وسعت پیدا ہوئی اور انفرادی شادی و نکاح کا رواج بڑھنے لگا تو اشتراک فی النسواں کا طریقہ برا سمجھا جانے لگا۔ لہٰذا لوگوں نے اس فحاشی سے اپنی عورتوں کو بچانے کے لیے مختلف انسدادی طریقے اختیار کیے۔ جن سے مندروں میں بدکاری کی عملی کیفیت تو جاتی رہی' مگر عقیدہ بدستور قائم رہا اور عورتیں مندروں

میں جا کر فرضی رسمیں مواصلت کی ادا کرتی رہیں۔

مثلاً مصری عورتوں میں یہ عقیدہ تھا کہ دیوتا یا اس کے نائب کی مورتی سے چھوا جانا باعث رحمت ہے۔ چنانچہ اس کام کے لیے مندر کے اندر ایک مقدس بکرا پالا جاتا تھا جسے پان (Pan) دیوتا کا مظہر خیال کیا جاتا تھا۔ عقیدت مند عورتیں مندر میں جا کر اس بکرے کی خوب خدمت کرتیں، پجاریوں کو تحائف وغیرہ پیش کرتیں، پھر بالکل برہنہ ہو کر اس بکرے کے سامنے چوپائے کی طرح اپنے آپ کو پیش کرتی تھیں۔

ملک لیسا کے شہر تپارہ میں یہ رواج تھا کہ کسی نوجوان لڑکی کو دیوتا کے مندر میں بند کر کے قفل لگا دیا جاتا تھا تا کہ دیوتا رات کے کسی حصہ میں اس لڑکی سے ہم بستر ہو سکے۔

اسی طرح پریاپس (Priapus) دیوتا کو رومی زرخیزی اور شادابی کا دیوتا تصور کرتے تھے۔ پوجا کے لیے اس کا برہنہ بت بنایا جاتا تھا اور جن لڑکیوں کی شادی ہونے والی ہوتی تھی یا جو عورتیں بانجھ ہوتی تھیں وہ اس بت کے عضو پر اس طرح بیٹھ جاتیں جیسے گھوڑے پر بیٹھا جاتا ہے۔ بقول نیاز فتح پوری، رومی عورتیں پریاپس کی پوجا بڑے فحش انداز میں کرتی تھیں۔ پریاپس کا عضو بحالت آمادگی بنایا جاتا تھا اور رومیوں کی بڑی بوڑھیاں نئی نویلی دلہن کو خیر و برکت کے لیے مندر میں لے جا کر پریاپس کے عضو پر بٹھا دیتی تھیں۔ نئی نویلی دلہن کی پریاپس سے مواصلت کا مقصد یہی ہوگا کہ جلد اولاد پیدا ہو۔ روم میں جب وینس دیوی کا تہوار ہوتا تھا تو پریاپس کے بت کو وینس دیوی کے مندر میں پہنچایا جاتا تھا اور ان دونوں کی فرضی مواصلت کرائی جاتی تھی۔ بعد میں عورتیں میٹھی ٹکیاں پکاتی تھیں جن پر جنسی عضو کی شکل کے ٹھپے لگا کر نئی دلہنوں اور شادی شدہ عورتوں میں ان ٹکیوں کو تقسیم کر دیا جاتا تھا تا کہ وہ جلد بارآور ہو جائیں۔

مندروں کے علاوہ رومیوں کی عام زندگی میں بھی فحاشی عام تھی۔ تھیٹروں میں بے حیائی اور عریانی کے ناقابل بیان مظاہرے کیے جاتے تھے۔ گھروں میں نہایت فحش اور ننگی تصویریں آویزاں کی جاتیں۔ رومی لٹریچر میں فحش اور عریاں مضامین بڑی بے تکلفی سے شائع ہوتے تھے کیونکہ عوام اور خواص میں وہی ادب مقبول ہوتا تھا جس میں استعارہ و کنایہ تک کا پردہ نہ رکھا گیا ہو۔ ''فلورا'' نامی ایک کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ کرائی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ عورتوں اور مردوں کے برسر عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی عام تھا۔

## انجام

جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ابتدائی دو عیسوی صدیوں میں لاطینی اور یونانی زبان بولنے والی یہ رومی سلطنت کس انداز سے بنیادی طور پر ایک غلامانہ ریاست تھی اور یہ بات کہ وہاں موجود آزادی اور فخر کے ساتھ جینے والوں کی تعداد کس قدر مختصر تھی تو ہم فوراً ہی اس کے زوال یا خاتمے کے اشاروں کا ادراک بھی کرنے لگتے ہیں۔ خاندانی زندگی تو وہاں نہ ہونے کے برابر تھی۔ فحاشی اور بدکاری میں رومی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا قدرت نے دوسری بدکردار قوموں کی طرح رومیوں کو بھی سزا دی اور آہستہ آہستہ ان کا بالکل صفایا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ دوسری صدی عیسوی میں روم میں طاعون کی ایسی زہرناک وبا پھوٹ پڑی جس کی کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ 164ء سے 180ء تک طاعون نے روم میں بڑی تباہی مچائی جس سے رومی آبادی بہت کم ہوگئی۔ آبادی کی قلت سے حکومت کی استعداد اور طاقت میں بھی نمایاں زوال واقع ہوا۔ بہرطور اب سرحدیں پہلے جیسی مضبوط نہ رہیں اور آہستہ آہستہ ٹوٹتی چلی گئیں۔ (62)

1437ء میں جب مصر میں طاعون کی وبا پھیلی تو اس پر قابو پانے کے لیے سلطان مصر نے قاضیوں اور قانون دانوں سے مشورہ کے لیے اجلاس طلب کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ لوگوں کو کس گناہ کی پاداش میں خدا نے طاعون کی سزا دی ہے؟ ان کا جواب تھا: زنا، حرام کاری اور جنسی بداطواری۔ چونکہ ان دنوں عورتیں خود کو بنایا، سنوارا کرتی تھیں اور گلیوں اور بازاروں میں دن رات آزادانہ آیا جایا کرتی تھیں جس سے بدکاری کو بہت فروغ ملا۔ چنانچہ علماء نے سلطان مصر سے مطالبہ کیا کہ عورتوں کے آزادانہ میل جول پر فوری پابندی عائد کر دی جائے۔ (63)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس قوم میں زناکاری پھیل جاتی ہے اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو طاعون کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بے راہ رو قوموں کو جب اللہ تعالیٰ سزا دیتے ہیں تو نہ صرف انہیں اقتدار سے محروم کرتے ہیں بلکہ کئی مختلف وباؤں میں بھی مبتلا کر دیتے ہیں۔



# قدیم چین

## اجمالی تعارف

چین کی تاریخ بڑی پرانی اور متنوع ہے۔ ولادت مسیح سے 3000 سال پہلے بھی یہ دنیا کا متمدن ترین ملک سمجھا جاتا تھا۔ چین کے پہلے شہنشاہ کا تفصیلی تذکرہ تاریخ میں موجود ہے۔ اس کا نام فوہی تھا۔ وہ 2852 سے 2738 ق م میں تک حکمران رہا۔ چینی اسے اپنا دیوتا تصور کرتے تھے۔ 776 ق م میں چین انتشار کا شکار ہو کر پانچ حصوں میں بٹ گیا۔ 256 ق م میں چو یا چاؤ خاندان ختم ہوا اور اس کے بعد 249 ق م میں چی ان خاندان مقتدر ہوا اور اسی کے نام پر یہ ملک چین کہلایا۔ اس خاندان کا بانی چوانگ سیانگ 246 ق م میں فوت ہو گیا اور اس کے بعد شاہ ہوانگ نے تاج وتخت سنبھالا۔ اسی کے دور حکومت میں دیوار چین تعمیر ہوئی۔ اس خاندان کے بعد تیانگ خاندان کا ستارہ چمکا بعدازاں سونگ خاندان نے حکومت سنبھال لی۔ آخری خاندان جس نے چین پر بادشاہت کی مانچو خاندان تھا اس کا دور حکومت 1642ء سے 1912ء تک رہا۔[64]

## چینی شہنشاہ عصمتوں کے قاتل

قدیم چین میں شہنشاہ کو آسمانی حقوق حاصل تھے۔ وہ زمین پر آسمان کا نمائندہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو فرزند آسمان کہلاتا تھا۔ رعایا اس کے سامنے سربسجود ہونا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتی تھی۔ اس سجدے کو 'کوتو' کہتے تھے۔ شہنشاہ ملک کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا تھا اور اس کے

احکام قطعی اور ناقابل تغیر تھے۔

''شہنشاہ کی دل بستگی کے لیے منتخب حسین کنیزیں اس کے شبستان میں داخل کی جاتی تھیں۔ شہنشاہ کے کارندے نوعمر پری چہرہ لڑکیوں کو اطراف ملک سے چن چن کر خرید لیتے تھے۔ محل میں عمر رسیدہ اور تجربہ کار عورتیں ان خوبصورت عورتوں کا معائنہ کرتیں۔ جو لڑکیاں ان کے معیار پر پوری اترتیں وہ انہیں دن رات زیر مشاہدہ رکھتیں اور بغور جائزہ لیتی رہتیں کہ کہیں کوئی لڑکی سوتے میں خراٹے تو نہیں بھرتی یا اس کے بدن پر کوئی داغ تو نہیں یا سانس بدبودار تو نہیں ہے۔ پھر ان کے بدن کو عطر میں بسا کر باری باری شہنشاہ کے شبستان شوق میں بھیجا جاتا تھا۔ (65)

امراء اور رؤساء بھی اپنی حسین وجمیل بیٹیاں شہنشاہ کے حرم کے لیے پیش کرتے تھے جن میں منتخب لڑکیوں کو شرف قبولیت بخشا جاتا تھا۔ شہنشاہ کی موت پر اس کی محبوب کنیزیں اس کے مقبرے میں زندہ دفن کردی جاتی تھیں تاکہ اگلے جہاں میں بھی وہ ان کے حسن وجمال سے لطف اندوز ہوسکے۔ چینی شہنشاہوں کی عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ شیانگ خاندان کا آخری فرمانروا ایسی تقریبات کا اہتمام کرتا تھا جس میں نوجوان لڑکے لڑکیاں برہنہ حالت میں شراب کے تالاب کے اردگرد ایک دوسرے کا تعاقب کرتے تھے اور شہنشاہ ان کی اس قسم کی خرمستیوں سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔ (66)

یہی حال ملکاؤں کا تھا۔ وہ شہنشاہوں کی نسبت زیادہ عیاش اور عیش پرست تھیں۔ مثلاً ملکہ ''تاکی'' کی عیاشی کا یہ عالم تھا کہ اس کی شبانہ محفلوں میں ہر شب ننگی عورتیں اور مرد رقص کرنا چتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہم آغوش ہوتے تھے۔ کچھ درباریوں نے تنگ آکر اس کے خلاف سازش کی لیکن راز فاش ہوگیا اور باغیوں کو عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ ملکہ نے باغیوں کو عذاب دینے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔ وہ یہ تھا کہ ایک گڑھے میں آگ جلا دی گئی۔ باغیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ باری باری نٹوں کی طرح بانس پر چل کر گڑھا پار کریں جب کوئی اجل گرفتہ بانس پر سے پھسل کر آگ کے الاؤ میں گرتا تو ملکہ خوشی سے تالیاں بجاتی تھی۔ (67)

معروف چینی ادیب اور شاعر ''چویوآن'' چائی (Ch,i.) کے ایک منسٹر کے متعلق لکھتا ہے کہ چائی کے منسٹر کا حرم بہت بڑا تھا۔ اس کے مہمان آزادانہ طور پر عورتوں کے کمروں

میں جا سکتے تھے۔ اس کے بچوں کی تعداد ایک سو تھی۔

سن نے بذات خود مسٹر یاؤ کی دو لڑکیوں سے شادی کی ہوئی تھی۔ حالانکہ فیوڈل دور میں دو بہنوں سے شادی کرنا جرم تھا۔[68]

مرد اور عورت بڑی آسانی سے آپس میں تعلقات پیدا کر لیتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی محرمات سے بھی ناجائز تعلقات استوار کر لیتے اور ان تعلقات کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے تھے۔

کنفیوشس (Confucius) دور میں بھی عصمت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کنفیوشس کے ایک پیروکار ''من سی اس'' (372-289 ق م) کا قول ہے کہ انسان کی بنیادی خواہشات دو ہی ہیں، عورت اور خوراک۔ کیونکہ یہ دونوں انسانی زندگی میں لطف و مسرت کا سبب ہیں۔ اسی طرح ایک اور چینی فلاسفر یانگ چو کا کہنا ہے کہ ''انسانی زندگی دکھ بھری ہے۔ انسان کا مقصد حیات صرف حصول لذت ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل دانش دنیا کی مسرتیں امکانی حد تک سمیٹتے ہیں۔[69]

کنفیوشس دور میں عصمت کی زبوں حالی کا تذکرہ ایک انگریز مورخ نے یوں کیا ہے۔ کنفیوشس دور میں عصمت کا فقدان تھا۔ محرمات سے محبت کا عام رواج تھا۔ کسان بعض تہواروں میں آزادانہ طور پر جنسی اختلاط کرتے تھے۔ ملاپ کے نتیجہ میں اگر کوئی لڑکی حاملہ ہو جاتی تو اس کے ساتھ شادی کر کے گھر بسا لیا جاتا ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔[70]

## حسن پرستی

قدیم چینی نسوانی حسن کے بڑے مصر تھے۔ انہوں نے ہوا و ہوس کی دنیا میں بڑی لطافتیں پیدا کیں۔ وہ لڑکیوں کے پاؤں اوائل عمر میں ہی باندھ دیتے تھے اور جب وہ جوان ہو جاتیں تو ان کے ننھے منھے پاؤں کو سنہری کنول اور معطر سوسن کہا کرتے تھے۔ چینی عورت اپنے شوہر کے سوا کسی کو اپنے پاؤں نہیں دکھاتی تھی اور انہیں چھپائے رکھنے میں وہی اہتمام کرتی جو دوسری اقوام کی عورتیں اپنی چھاتیاں چھپانے میں کرتی ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کسی نامحرم نے اتفاق سے کسی عورت کے پاؤں دیکھ لیے اور عورت نے مارے شرم کے خودکشی کر لی۔ عورتوں کے ننھے منے پاؤں چینیوں کے لیے بے پناہ کشش کا سامان رکھتے تھے

کیونکہ ان سے چلتے وقت بوجھل کولہوں میں نفس پرور تموج پیدا ہوتا تھا اور سرین کا ابھار نمایاں ہو جاتا' جس سے چینی بے حد لطف اندوز ہوتے تھے۔

چین میں یہ ظالمانہ رسم گزشتہ صدی کے اوائل تک موجود تھی۔ اس کی شہادت ایک چینی خاتون ''مادام وانگ ڈنگ'' کے ایک انٹرویو سے ملتی ہے۔ مادام کے مطابق: ''وہ 1915ء میں سیچوان کے صوبے میں ایک کسان کے گھر پیدا ہوئی۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق 5 برس کی عمر میں' میرے پاؤں میں لوہے کے جوتے پہنا دیے گئے' کیونکہ ننھے منے پاؤں خوبصورتی کی علامت تھے' سسرال میں پسند کیے جاتے اور چھوٹے پاؤں والی لڑکیوں کو اچھا رشتہ ملنے کے چانسز بھی زیادہ ہوا کرتے تھے۔''(71)

کہتے ہیں کہ ماؤ کے لانگ مارچ میں حصہ لینے والی بعض خواتین ایسی بھی تھیں جن کے پاؤں کی لمبائی صرف 4 انچ تھی۔

## انجام

اللہ تعالیٰ مختلف اوقات میں چین کو مختلف قسم کی سزائیں دیتا رہا۔ کبھی جنگ و جدل میں مبتلا ہو کر چین تباہ و برباد ہوا اور کبھی ارضی و سماوی آفات نے چین کو کڑی سزا دی۔ 1211ء میں چنگیز خان کی اولاد نے چین پر قبضہ کر لیا۔ 1251ء میں مشہور منگول شہنشاہ قبلائی خان نے چین کا اقتدار سنبھالا۔ 1311ء سے 1340ء تک منگولوں نے 3 کروڑ سے زائد چینیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قدیم تاریخ میں انسانوں کے قتل کی اتنی کثیر تعداد کی مثال نہیں ملتی۔ چین میں سیلابوں کی تباہی بھی چینیوں کو قادر مطلق کی جلیل القدر ذات سے آشنا کرانے میں ناکام رہی' جن میں لاکھوں چینی لقمہ اجل بن گئے۔ 1931ء میں چین کے دریا ''ہوانگ ہو'' میں گزشتہ صدی کا بدترین سیلاب آیا جس نے چینیوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

زلزلوں نے چین میں جو تباہی پھیلائی ان کی مختصر تفصیل یہ ہے:

1290ء...... چین میں زلزلہ سے ایک لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔

1927ء...... چین میں زلزلہ سے دو لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔

1932ء...... زلزلے سے 70 ہزار افراد ہلاک ہوئے۔

1975ء...... زلزلہ سے دو لاکھ 42 ہزار افراد ہلاک ہوئے۔

1997ء......چین اور ترکی میں زلزلہ سے ہزاروں افراد ہلاک ہوئے۔

زلزلوں کے علاوہ 1959ء میں چین میں قحط سے کروڑوں افراد مارے گئے۔

ارشاد ربانی ہے: ''تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا بدلہ ہے۔''

فتاویٰ رضویہ (72) میں زلزلہ آنے کی وجہ بھی عالم اسباب میں بندوں کے معاصی اور گناہ بتائی گئی ہے۔

دراصل قدیم اقوام میں عصمت اور پاکدامنی کی کوئی اہمیت نہ تھی غیر مہذب نوجوان دوشیزہ کو اپنی عصمت کے کھو جانے کا خوف نہیں بلکہ بانجھ پن کی شہرت کا ڈر ہوتا تھا۔ قبل از شادی حمل، خاوند کی تلاش میں رکاوٹ بننے کی بجائے مددگار ثابت ہوتا تھا کیونکہ اس سے بانجھ پن کے متعلق سارے شکوک رفع ہو جاتے اور نفع بخش بچوں کی پیدائش یقینی ہو جاتی تھی۔

ملکیت کے تصور سے عاری قبیلے کنوار پن سے نفرت کرتے تھے'' کام چدل'' قبیلے کے دولہا کو جب یہ پتہ چلا کہ اس کی بیوی شادی سے پہلے جنسی عمل سے نہیں گزری تو وہ غصے میں آ کر لڑکی کی ماں کو گالیاں بکتا کہ اس نے اپنی بیٹی کی پرورش میں کوتاہی برتی ہے۔

بہت ساری جگہوں پر دوشیزگی شادی کی راہ میں رکاوٹ بنتی تھی کیونکہ اس سے خاوند کو اس رکاوٹ کو توڑنے کا ناخوشگوار عمل کرنا پڑتا جس کے تحت وہ قبیلے کے کسی فرد کا خون نہیں بہا سکتا تھا۔ بعض اوقات لڑکیاں شادی کے خلاف اس رکاوٹ کو توڑنے کے لیے خود کو کسی اجنبی کے آگے پیش کر دیتیں۔ تبت میں مائیں ایسے مردوں کے لیے تردد کرتیں جو ان کی بیٹیوں کے ساتھ مواصلت کرے۔ مالا بار میں لڑکیاں راہگیروں کی منتیں کرتی تھیں کہ وہ ان سے جنسی ملاپ کریں۔ کیونکہ جب تک وہ کنواری رہتیں انہیں خاوند نہیں مل سکتا تھا۔

بعض قبیلوں میں دلہن خاوند کے پاس جانے سے پہلے خود کو شادی میں شریک مہمانوں کے حوالے کر دیتی۔ کچھ قبیلوں میں دولہا کسی شخص کو کرائے پر لے آتا تاکہ وہ اس کی دلہن کی دوشیزگی تار تار کرے مثلاً فلپائن کے بعض قبیلوں میں اعلیٰ تنخواہ پر ایک خاص کارندہ اسی کام کے لیے مقرر کیا جاتا تھا۔''(73)

شمالی امریکی انڈینز (Indian) میں نوجوان مرد اور عورتیں آزادی سے جنسی عمل کرتے اور ایسے تعلقات ان کی شادی کی راہ میں رکاوٹ نہ ہوتے۔ نیوگیانا کے پاپوؤں میں انتہائی ابتدائی عمر میں جنسی زندگی کا آغاز ہو جاتا اور شادی سے قبل آزاد مباشرت ان کے ہاں

دستور تھا۔ سائبیریا کے سولویوں' فلپائن کے اگوروٹوں' بالائی برما کے مقامی باشندوں اور نائیجریا' یوگنڈا' نیو گیانا' مرے جزائر' انڈیمان جزائر' تھتی' پولینیا اور آسام وغیرہ کے قبیلوں میں قبل از شادی جنسی تعلقات کی آزادی تھی۔

فٹونا اور ہوائی میں لوگوں کی اکثریت شادی نہیں کرتی تھی۔ اہل لیوبو آزادی سے اور بلا امتیاز مباشرت کرتے تھے۔ بعض یوریبو کے قبائل بغیر شادی کے مل کر پرندوں سے زیادہ آزاد رہتے تھے اور قدیم روس کے بعض لوگوں میں مرد' عورت کو بغیر امتیاز کے استعمال کرتا تھا' چنانچہ کسی عورت کا کوئی مخصوص خاوند نہیں ہوتا تھا۔ افریقہ کے بونوں میں شادی کا دستور نہ تھا۔ لیکن نفسانی خواہش بغیر کسی بندش کے پورا کرتے تھے۔

بیوی ادھار دینے کی رسم بہت سے غیر متمدن قبائل میں عام تھی۔ بعض قبائل اپنی بیوی یا بیٹی کو اپنے مہمان کی تواضع کے لیے پیش کرنا نہایت ضروری خیال کرتے تھے اور ایسی پیشکش کو ٹھکرانا نہ صرف میزبان بلکہ اس عورت کی بھی ہتک تصور کی جاتی تھی۔ ابتدائی جاگیرداری یورپ میں شب زفاف کے حق کے ذریعے جاگیردار قبیلے کے پرانے حقوق کی نمائندگی کرتے ہوئے دلہن کے ساتھ پہلی رات بسر کرتا۔ اس کے بعد دولہا کو شادی کا عمل پورا کرنے کی اجازت دی جاتی۔



# حواشی دور قدیم


(1) تاریخ ابن خلدون' جلد اول

(2) تاریخ انسانیت نمبر 7' ص 8

(3) تاریخ انسانیت نمبر 5' ص 20

(4) ''روایات تمدن قدیم'' ص 50

(5) ''ضیاء النبی'' جلد اول' ص 161

(6) ''بھولی بسری کہانیاں'' مصر' ص 262 تا 263

(7) ''تاریخ اسلام'' جلد اول' ص 69

(8) ''روایات تمدن قدیم'' ص' 11

(9) ''دائرہ معارف اسلامی'' جلد' 13' ص' 27

(10) ''اردو انسائیکلو پیڈیا'' فیروز سنز لاہور' تیسرا ایڈیشن' جنوری 1984ء

(11) ''تاریخ فحاشی'' ص' 38,39

(12) ''روایات تمدن قدیم'' ص' 33

(13) ''تاریخ تہذیب وتمدن'' عرب' ص' 178

(14) ''ابن حنیف'' دنیا کا قدیم ترین ادب' جلد دوم' ص 671

(15) ول ڈیورانٹ ''تاریخ تہذیب وتمدن'' عرب' ص' 179

(16) ''دنیا کا قدیم ترین ادب'' جلد دوم' ص' 712

(17) ''روایات تمدن قدیم'' ص' 36

(18) ''تاریخ تہذیب وتمدن'' ص' 181

(19)"Grolier Academatic Encyclopedia, vol-9,P.324"

(20) ''اردو انسائیکلو پیڈیا'' ص' 1070

(21) مولانا مودودی ''پردہ'' ص' 18

(22) ''ایضاً'' ص

(23) ''پردہ'' ص 19

(24) چودھری احسان اللہ ''افلاطون اور ارسطو کے سیاسی افکار'' طاہر سنز کراچی 1990ء ص 47

(25) ''دیومالائی جہاں'' ص 247

(26) ''بھولی بسری کہانیاں'' ص 482

(27) ''ازدواجی نفسیات'' ص 85

(28) ''روایات تمدن قدیم'' ص 120

(29) ''اردو انسائیکلوپیڈیا'' ص 624

(30) پردہ ص 19

(31) ''روایات تمدن قدیم'' ص 187

(32) ''تمدن ہند'' ص 486

(33) تاریخ' تہذیب' تمدن' فلسفہ ''ہندوستان'' ص 154

(34) ''بھولی بسری کہانیاں' بھارت'' ص 208

(35) آچاریہ کوتلیہ چانکیہ ''ارتھ شاستر'' ص 112

(36) ''ہندوستان میں مسلم ثقافت'' ص 41

(37) تاریخ' تہذیب' تمدن' فلسفہ ''ہندوستان'' ص 121

(38) ''روایات تمدن قدیم'' ص 238

(39) روزنامہ خبریں' لاہور' مورخہ 26 ستمبر 1995ء

(40) محمد مجیب ''تاریخ تمدن ہند'' ص 121

(41) ''ارتھ شاستر'' ص 337

(42) ریاض احمد ''غیر ممالک میں شادیاں'' ص 76

(43) ''تقابل ادیان'' ص 114

(44) تنتر سوت حصہ ششم بحوالہ رجنیش ٹائمز (ہندی) پونہ 25 جون 81

(45) تفصیل کے لیے سلطان احمد اصلاحی کی کتاب ''اسلام کا نظریہ جنس'' پڑھی جائے۔

(46) ''تاریخ تمدن ہند'' ص 167

(47) ''تاریخ الامم الملوک'' جلد اول' جز دوم' ص 158

(48) ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص 22

(49) "The Age of Faith "p.149

(50) ''تاریخ فرشتہ'' جلد دوم' ص' 733

(51) ''روایات تمدنِ قدیم'' ص' 165

(52) ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص' 433

(53) ''ہسٹری آف پرشیا'' ص' 391

(54) ''طبری'' جز دوم' ص' 4

(55) ''ایران بعہد ساسانیاں'' ص' 436

(56) ''ضیاء النبیؐ'' جلد اول' ص' 89

(57) ''ہسٹری اف پرشیا'' ص' 422

(58) ''الکامل فی التاریخ لابن اثیر'' جلد اول' ص' 413' 414

(59) ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' ص' 48

(60) ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' ص' 42

(61) ''ضیاء النبیؐ'' جلد اول' ص' 140

(62) ایچ۔ جی۔ ویلز ''مختصر تاریخ عالم'' ص 159

(63) ''عورت' جنسی تفریق اور اسلام'' ص 160

(64) ''اردو انسائیکلو پیڈیا'' ص 416۔

(65) ''روایات تمدن قدیم'' ص 278

(66) "China, A short cultural history" P 49.

(67) ''روایات تمدن قدیم'' ص 280۔

(68) "China, A short cultural history" P 48.

(69) ''روایات تمدن قدیم'' ص 261۔

(70) Dennis Blood Worth. "Chinese Looking Glass" England, P 90.

(71) کوکب خواجہ ''نی ہاؤ'' (سفرنامہ چین) ص' 131

(72) فتاویٰ رضویہ جلد 12 صفحہ 189 تا 192 تک تفصیل ملاحظہ ہو۔

(73) ول ڈیورانٹ ''انسانی تہذیب کا ارتقا'' ص' 72



# دور جدید

# عہد جدید میں جنسی بے راہ روی پر ایک طائرانہ نظر

بلاشبہ عہد قدیم میں عفت و عصمت کو ایک معمولی چیز تصور کیا جاتا تھا اور عہد قدیم کا انسان اپنے مذہب کو سب سے زیادہ اہم' اعلیٰ اور ارفع خیال کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مندروں میں عصمتوں کی قربانی ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر دی جاتی تھی' گویا عصمت کا نذرانہ قدیم انسان کی نظر میں گناہ نہیں بلکہ کارِثواب تھا۔

اس کے برعکس جدید دور کا تعلیم یافتہ اور مہذب انسان اگرچہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ عصمت کا قتل گناہ کبیرہ ہے اور دنیا کا کوئی مذہب اس قتل کی اجازت نہیں دیتا لیکن اس کے باوجود عفت و عصمت کی جنسی بے حرمتی آج ہو رہی ہے' شاید پہلے کبھی نہ ہوئی ہو۔ وہ تمام بداعمالیاں جو قدیم تہذیبوں میں مروج تھیں۔ آج انتہائی ترقی یافتہ صورت میں اس عہد کا طرۂ امتیاز ہیں۔ موجودہ دور کے انسان نے اپنی شہوانی تسکین کے لیے ایسی ایسی جدت طرازیاں پیدا کی ہیں جن کا علم قدیم انسان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

یہ دورِ جدید کا وصف امتیازی ہے کہ اس نے عورت کو پانی سے بھرا ہوا ایک ایسا برتن بنا دیا ہے جو شاہراہ عام پر ہر گزرنے والے کی پیاس بجھانے کے لیے رکھا گیا ہو اور جس پر یہ

تختی بھی چسپاں ہو کہ آؤ اور مجھ سے پیاس بجھاؤ۔ اس عہد میں عصمت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عصمت کی قیمت پاؤں کے جوتے سے ارزاں ہے۔ عصمت کی نیلامی یورپ اور امریکہ میں بالخصوص اور باقی دنیا میں بالعموم پورے عروج پر ہے۔ عہد جدید میں جنسی بے راہ روی کے تذکرے کی ابتدا موجودہ دور کے مہذب ترین اور ترقی یافتہ ملک امریکہ سے کی جاتی ہے۔ بعدازاں دنیا کے دیگر معروف ممالک کا ذکر کیا جائے گا۔

## امریکہ

یو ایس اینڈ ورلڈ رپورٹ کے مطابق امریکیوں نے 1995ء میں صرف ایک سال کے دوران اپنی جنسی تسکین پر 8 بلین ڈالر یعنی 3 کھرب 20 ارب روپے خرچ کیے۔ امریکہ میں فحش فلموں، میگزین اور دوسری ہیجان پیدا کرنے والی اشیاء کا بزنس سب سے زیادہ منافع بخش کاروبار ہے۔ اس سروے کے مطابق بلیو فلموں کے کرایہ کی حد میں امریکہ میں 1996ء میں 665 ملین ڈالر آمدنی ہوئی۔ امریکہ میں بلیو فلموں کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ صرف ایک کمپنی ایول انجیل ویڈیو نے 5 لاکھ سے زائد فحش ویڈیو کیسٹیں فروخت کیں۔

رپورٹ کے مطابق فحش فنکار امریکہ میں صرف ایک ہفتے کے برہنہ رقص سے 20 ہزار ڈالر کما رہے ہیں۔ تھیٹرز، موسیقی کے پروگراموں اور ورائٹی شوز کے علاوہ دوسرے تمام سماجی اور ثقافتی پروگراموں میں شامل ہونے والے امریکیوں کی مجموعی تعداد ''سٹرپ کلب'' جانے والوں سے کم ہے۔ سٹرپ کلب وہ ہوتے ہیں جن میں نوجوان جوڑے بالکل برہنہ رقص کرتے ہیں۔ تجزیے کے مطابق ایک اچھا سٹرپ ٹیز ''Striptease'' کلب سالانہ 5 ملین ڈالر سے زیادہ کما رہا ہے۔ فلموں اور رسالوں کے علاوہ جنسی ہیجان اور تسکین کا ایک اور ذریعہ سیکسی فون کالز اور فحش کیبل ٹیلی ویژن ہے۔ سیکسی فون کالز کی باقاعدہ اخبارات اور ٹیلی ویژن پر تشہیر ہوتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت امریکہ میں تقریباً اڑھائی ہزار سٹرپ کلب موجود ہیں جن میں روزانہ لاکھوں شہری شراب نوشی کے بعد برہنہ رقص کرتے ہیں۔ (1)

سٹرپ کلبوں کے علاوہ امریکہ میں 170 کے قریب ایسے رسائل و جرائد شائع ہوتے ہیں جن کا موضوع ہی صرف جنس ہے۔ ان میں رسوائے زمانہ ''پلے بوائے'' پلے گرل اور پینٹ ہاؤس بھی شامل ہیں جو پورنوگرافی کا نادر نمونہ ہیں۔

امریکہ میں جب لڑکی یا لڑکا پانچویں گریڈ میں پہنچتا ہے تو اسے جنسی تعلیم کے ساتھ ساتھ نظام تولید و پیدائش کے عمل سے پوری طرح آگاہ کیا جاتا ہے۔ اس تعلیم میں نہ صرف جنسی لٹریچر بلکہ اس موضوع پر تعلیم دینے کے لیے جنسی فلمیں بھی تیار کی جاتی ہیں۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) نے اپنے تعلیمی پیکیج میں باقاعدہ یہ سفارش شامل کر رکھی ہے کہ کلاس میں بچوں کے سامنے کنڈوم پہن کر دکھایا جائے۔ ایسی تعلیم سے بچے قبل از وقت بالغ ہو جاتے ہیں لہٰذا جنسی تجربات میں ان کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

امریکی اخبار ''لک'' کے مطابق: امریکہ کے ہائی سکولوں میں طالبات کی تعداد مسلسل کم ہو رہی ہے وجہ یہ ہے کہ وہ دوران تعلیم حاملہ ہو جاتی ہیں۔ بعض لڑکیاں ہائی کلاسز میں پہنچنے سے قبل ہی اس مصیبت میں پھنس جاتی ہیں لہٰذا وہ سکول چھوڑ کر شادی کر لیتی ہیں۔[2]

امریکہ میں جنسی اباحت کا اندازہ لگانے کے لیے گیگنان کی رپورٹ پڑھی جا سکتی ہے جس کے مطابق 50 فیصد عورتیں اور 97 فیصد مرد ایسے ہیں جن کا قبل از ازدواج مباشرتی تجربہ ہے۔ اس کے علاوہ ''پلے بوائے فاؤنڈیشن'' کی رپورٹ اس پر اضافہ کرتی ہے جس کے مطابق: 90 فیصد مرد اور 80 فیصد عورتیں جن سے انٹرویو لیے گئے، وہ تھے جنہوں نے شادی سے قبل مباشرت کا تجربہ کیا تھا۔[3]

امریکہ میں عصمت فروش عورتوں کی تعداد کم از کم 5 لاکھ کے درمیان ہے۔ یہ تعداد زیادہ اس لیے نہیں ہے کیونکہ امریکہ میں جتنے رقص خانے، نائٹ کلب، بیوٹی پارلر، مساج گھر اور ہوٹلز ہیں۔ سب کے سب قحبہ خانوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ قحبہ خانوں کے علاوہ بکثرت ملاقات خانے (Call Houses) ہیں۔ جو اس غرض کے لیے آراستہ رکھے جاتے ہیں کہ شریف خواتین و حضرات جب باہم ملاقات فرمانا چاہیں تو وہاں ان کی ملاقات کا انتظام کر دیا جائے۔ ان مکانوں میں صرف کنواری لڑکیاں ہی نہیں جاتیں بلکہ بہت سی شادی شدہ خواتین کا بھی وہاں گزر ہوتا رہتا ہے۔[4]

''شکاگو میں موجود وہ کلب جو معروف جنسی رسالے'' پینٹ ہاؤس کا اجرا کرتا ہے پینٹ ہاؤس (Paint House) ہی کہلاتا ہے۔ اس کلب کو امرا اور شرفا کی مہمان داری کا شرف حاصل ہے۔ اس کلب کی میزبان وہ خواتین ہوتی ہیں جن کو بنی ''Bunny'' کہتے ہیں۔ یہ بینز

اپنے خاص لباس بکنی "Bakni" کے ساتھ جو عریانی کی دوسری شکل ہے ایک وقت میں کلب کے تین ممبرز کو دادِ عیش دیتی ہے۔ عام طور پر ایک بنی 3 سے 5 ہزار ڈالر تک ماہانہ کمائی کرتی ہے۔"[15]

مخصوص کلبوں کے علاوہ امریکہ میں ہالی ڈے رومانس منانے کے لیے بھی خاص ہوٹل کھولے گئے ہیں، جو صرف ہفتہ اور اتوار کو کھلتے ہیں، اور باقی ایام میں بند رہتے ہیں۔ ان ہوٹلوں کا مقصد یہی ہے کہ فوری ہفتہ وار رومانس کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔ ابتداء میں یہ ہوٹل صرف نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے لیے مختص تھے لیکن بعد میں مطلقہ، بیوی یا شوہروں سے ناچاقی کے سبب علیحدہ عورتیں اور ایسے ہی مرد بڑی تعداد میں ان ہوٹلوں میں آنے لگے۔ اس طرح یہ ہوٹلز آزادانہ جنسی تلذذ کی آماجگاہ بن گئے۔

امریکہ میں وہ لڑکیاں جو مردم شناسی میں پکی ہو چکی ہوتی ہیں نیویارک میں بیالیسویں اسٹریٹ یا براڈوے اور شکاگو میں رس اسٹریٹ یا اسٹیٹ سٹریٹ پر اور ایسی ہی سینکڑوں شاہراہوں پر مردوں کے قریب سے گزرتے ہوئے "میں حاضر ہوں، میں دستیاب ہوں" کیا تمہیں میری ضرورت ہے، جیسے جملے دہراتی ہیں اور ساتھ ساتھ چلتی جاتی ہیں اور اگر کسی نے سوری (Sorry) کہہ دیا تو کسی اور کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے ورنہ 25، 30 ڈالر کے عوض اپنا جسم کاروبارِ زنا کی ترویج کی خاطر پیش کر دیتی ہیں اور اس طرح یہ جسم سڑکوں پر، پارکوں میں اور ہوٹلوں اور شراب خانوں میں دعوتِ گناہ کی خاطر چمکتا رہتا ہے اور عصمتیں اپنی قیمت خود لگاتی رہتی ہیں۔

مغربی ممالک میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح پر جب تحقیق ہوئی تو طلاق کے دو بڑے اسباب سامنے آئے۔ پہلا یہ کہ عورت کا شادی سے قبل کنوارا نہ ہونا اور شادی کے بعد اس کے شوہر کو یہ معلوم ہو جانا کہ اس کے فلاں فلاں مردوں سے تعلقات رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ شادی کے بعد عورت کا اسی کنوارپنے کی روش پر قائم رہنا یعنی شوہر کے ہوتے ہوئے غیر مردوں کو دادِ عیش دینا اور رنگے ہاتھوں شوہر کا پکڑ لینا۔

امریکہ میں 1960ء میں 18 لاکھ عورتوں کو طلاق ہوئی۔ جب 18 لاکھ گھرانے بیک وقت برباد ہوئے تو امریکیوں کو طلاق کی اس شرح پر بڑی تشویش ہوئی، لہٰذا انہوں نے طلاق کی شرح کم کرنے کا حل تلاش کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس کی اور بالآخر

ایک مناسب حل تلاش کرلیا جس کا نام سویپ ''Swamp'' رکھا۔ اس طریقہ کی رو سے افراد مختلف وقفوں سے آپس میں اپنی بیویوں کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ تاکہ زندگی میں تنوع پیدا ہو اور وہ شکایات نہ رہیں جن کا ثمر طلاق ہوتی ہے۔

''سان فرانسسکو کے ایک اخبار کرانیکل نے 1963ء کے آغاز میں لکھا تھا کہ ملک میں ایسے شوہروں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو ایک دوسرے کی اجازت لے کر ایک دوسرے کی بیویوں سے ہم بستر ہوتے ہیں۔''[6]

امریکہ میں طلاق کی شرح کم کرنے کے لیے سویپنگ کا طریقہ بڑا کامیاب رہا۔ یہی وجہ ہے کہ 1988ء میں طلاق کی شرح کم ہو کر 11 لاکھ 83 ہزار رہ گئی اور اب یہ شرح مزید کم ہو رہی ہے۔ اگرچہ اس طریقہ کی ابتدا امریکہ سے ہوئی' تاہم اب یہ کم وبیش یورپ کے اکثر ممالک میں پھیل چکا ہے۔

ایک مشہور امریکی ریفارمر کا بیان ہے کہ ''نیویارک کی شادی شدہ آبادی کا پورا تہائی حصہ ایسا ہے جو اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں وفادار نہیں ہے۔[7] ان کے علاوہ کنواری لڑکیوں کا عالم یہ ہے کہ امریکہ میں روزانہ 4352 کنواری مائیں اسقاط حمل کراتی ہیں۔ اگر سرکار انہیں ایسا کرنے سے روکتی ہے تو اس پر احتجاج اور جلسے جلوس اس قدر عام ہوتے ہیں کہ سرکار خاموش ہو جاتی ہے۔ امریکہ میں 1950ء میں اسقاطِ حمل کی تعداد 11 لاکھ 12 ہزار تھی جو 1985ء میں بڑھ کر 15 لاکھ 88 ہزار 5 سو 50 ہوگئی جبکہ گزشتہ 5 سال میں تعداد 16 لاکھ سے تجاوز کر کے 20 لاکھ تک ہوگئی ہے۔''[8]

ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر (Edith Hooker) اپنی کتاب ''Law of Sex'' میں لکھتی ہے کہ ''نہایت مہذب اور دولت مند طبقوں میں بھی یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ سات آٹھ برس کی لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں سے عشق ومحبت کے تعلقات رکھتی ہیں۔ جن کے ساتھ بسا اوقات مباشرت بھی ہو جاتی ہے۔[9]

## انگلستان

آج سے نصف صدی قبل 1959ء میں برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی جس میں بتایا گیا کہ برطانیہ میں ہر تین عورتوں میں ایک ایسی عورت

موجود ہے جسے خود یہ اقرار ہے کہ ''شادی ہونے سے پہلے اس کے جنسی تعلقات رہ چکے ہیں''۔ برطانیہ میں ہر بیس بچوں میں ایک بچہ ناجائز اولاد ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات درج کرنے کے بعد رپورٹ ڈاکٹر چیسر یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا اس زمانے میں عصمت دوراز کار اور فرسودہ شے بن چکی ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے: اس میں تو خیر مجھے شک ہے، مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہم اسی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔''(10)

تاریخ الفحشاء ''A History of Prostilution'' کے مصنف جارج رائیلی اسکاٹ نے برطانیہ میں جسم فروشی کے متعلق لکھا ہے کہ ''جن عورتوں کی بسر اوقات کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ اپنے جسم کو کرایہ پر چلا کر روزی کمائیں، ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان عورتوں کی بھی ہے جو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے دوسرے ذرائع رکھتی ہیں اور ضمنی طور پر اس کے ساتھ فاحشہ گری بھی کرتی ہیں تا کہ آمدنی میں کچھ اور اضافہ ہو جائے۔ یہ پیشہ ور فاحشات سے ہرگز مختلف نہیں ہیں، مگر اس نام کا اطلاق ان پر نہیں کیا جاتا۔ ہم ان کو غیر پیشہ ور فاحشات Amateur Prostituses کہہ سکتے ہیں۔ ان شوقین یا غیر پیشہ ور فاحشات کی کثرت آج کل جتنی ہے اتنی پہلے کبھی نہ تھی۔ سوسائٹی کے نیچے سے لے کر اوپر تک ہر طبقہ میں ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں۔

فاضل مصنف مزید لکھتا ہے: ''برطانیہ میں اب جوان لڑکی کے لیے بدچلنی اور بیباکی بلکہ سوقیانہ اطوار تک فیشن میں داخل ہو گئے ہیں۔ سگریٹ پینا، تلخ شرابیں استعمال کرنا، جنسی امور اور ضبط تولید کے متعلق اپنی واقفیت کا اظہار کرنا اور فحش لٹریچر پر گفتگو کرنا، یہ سب چیزیں ان کے لیے فیشن بنی ہوئی ہیں۔ انگلستان میں ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو شادی سے پہلے جنسی تعلقات بلا تکلف قائم کر لیتی ہیں اور وہ لڑکیاں اب نہایت قلیل ہیں جو کلیسا کی قربان گاہ کے سامنے نکاح کا عہدِ وفا باندھتے وقت صحیح معنوں میں دوشیزہ ہوتی ہوں۔''(11)

دراصل برطانیہ میں مرد اور عورت کے آزادانہ میل جول کے نظام نے ''دونوں صنفوں'' کے شہوانی تعلق کو تمام اخلاقی بندشوں سے آزاد کر کے رکھ دیا ہے اور اب حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جوان لڑکیوں کے ذہن میں شادی اور باعصمت زندگی کا خیال آتا ہی نہیں۔ آزادانہ خوش وقتی جسے پہلے کبھی آوارہ قسم کے مرد ڈھونڈتے پھرتے تھے آج برطانیہ

میں ہر لڑکی اس کی جستجو کرتی پھرتی ہے۔ دوشیزگی اور بکارت کو ایک دقیانوسی چیز سمجھا جاتا ہے اور نوجوان لڑکی اس کو ایک مصیبت خیال کرتی ہے۔ اس کے نزدیک زندگی کا لطف یہ ہے کہ عہد شباب میں لذات نفس کا جام خوب جی بھر کے پیا جائے۔''(12)

## فرانس

فرانس میں جنسی بے راہ روی کے مفصل مطالعہ کے لیے پول بیورو (Paul Bureau) کی کتاب ''Towards Moral Bankruptcy'' جو 1925ء میں لندن سے شائع ہوئی تھی پڑھی جا سکتی ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''پردہ'' میں جگہ جگہ اسی کتاب کے اقتباسات درج کیے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں: ''انیسویں صدی کے وسط بلکہ اخیر تک عام فرانسیسیوں کے خیال میں عورت کی عصمت ایک قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی، لیکن بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ صورتحال بدل گئی۔ تحریک آزادی نسواں نے عورت اور مرد کی اخلاقی مساوات کا جو صور پھونکا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ عام طور پر عورت کی بدکاری کو بھی معمولی برائی سمجھنے لگے اور نکاح کے بغیر کسی مرد سے تعلق رکھنا عورت کے لیے کوئی ایسا فعل نہ رہا جس سے اس کی شرافت و عزت پر دھبہ لگتا ہو۔''(13)

پول بیورو کے بقول: ''نہ صرف بڑے شہروں میں بلکہ فرانس کے قصبات اور دیہات میں اب نوجوان مرد اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب ہم عفیف نہیں ہیں تو ہمیں اپنی منگیتر سے بھی عفت کا مطالبہ کرنے اور یہ چاہنے کا کہ وہ ہمیں کنواری ملے کوئی حق نہیں ہے۔ برگنڈوی، بون اور دوسرے علاقوں میں اب یہ عام بات ہے کہ ایک لڑکی شادی سے پہلے بہت سی دوستیاں کر چکی ہوتی ہے اور شادی کے وقت اسے اپنے منگیتر سے اپنی گزشتہ زندگی کے حالات چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ لڑکی کے قریب ترین رشتہ داروں میں بھی اس کی بدچلنی پر کسی قسم کی ناپسندیدگی نہیں پائی جاتی۔ وہ اس کی دوستیوں کا ذکر آپس میں اس طرح بے تکلف کرتے ہیں گویا کسی کھیل یا روزگار کا ذکر ہے۔''(14)

مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''جنگ عظیم سے کچھ مدت پہلے فرانس میں ایک ایجنسی اس اصول پر قائم کی گئی تھی کہ ہر عورت خواہ وہ اپنے حالات، ماحول، مالی کیفیت اور عادی اخلاقی

چال چلن کے اعتبار سے کیسی ہی ہو بہرحال ایک نئے تجربہ کے لیے آمادہ کی جا سکتی ہے۔ جو صاحب کسی خاتون سے تعلق پیدا کرنا چاہتے ہوں وہ بس اتنی زحمت اٹھائیں' ان لیڈی صاحبہ کا اتا پتا بتا دیں اور 25 فرانک ابتدائی فیس کے طور پر داخل کر دیں۔ اس کے بعد موصوفہ کو معاملہ پر راضی کر لینا ایجنسی کا کام ہے۔ اس ایجنسی کے رجسٹر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ فرنچ سوسائٹی کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس کے کثیر تعداد لوگوں نے اس سے بزنس ''Business'' نہ کیا ہو اور یہ کاروبار حکومت سے بھی مخفی نہ تھا۔''(15)

فرانس میں عورتوں کی بڑی تعداد عصمت فروشی کے پیشہ سے وابستہ ہے۔ اس پیشہ میں فن اشتہار سے پورا کام لیا جاتا ہے۔ اخبار' مصور پوسٹ کارڈ' ٹیلی فون اور شخصی دعوت نامے غرض تمام مہذب طریقے گاہکوں کی توجہ منعطف کرانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور پبلک کا ضمیر اس پر کوئی ملامت نہیں کرتا۔

مارشل سیکوٹ نے اپنی کتاب ''عصمت فروشی'' میں لکھا ہے: ''پیرس میں شام ہوتے ہی ہزاروں عصمت فروش عورتیں اپنے مکانوں سے نکل کر اپنا کاروبار شروع کر دیتی ہیں۔ ان عورتوں کے گاہک بوٹن ڈی بولون کے پارکوں میں موٹر اس کی دھندلی روشنی میں اور پیرس کے اعلیٰ ہوٹلوں میں کثیر تعداد میں موجود ہوتے ہیں۔

فرانس میں شادی شدہ اشخاص کا زنا کار ہونا قطعاً کوئی معیوب یا قابل ملامت فعل نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے علاوہ کوئی مستقل داشتہ رکھتا ہو تو اسے چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور سوسائٹی اس فعل کو ایک معمولی اور متوقع بات سمجھتی ہے۔ فرانس میں جنسی آوارگی کا یہ عالم ہے کہ 1955ء میں فرانس کے میڈیکل بورڈ نے اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا کہ اس ملک میں ایک عورت بھی باعصمت نہیں ہے اور اہل فرانس کو اس بات پر فخر ہے۔''(16)

## اسکینڈے نیون ممالک

اسکینڈے نیون ممالک (Seandnavian Countsies) میں سویڈن' ڈنمارک اور ناروے تین ممالک آتے ہیں جن میں جنسی آزادی اور فحاشی پوری دنیا سے زیادہ ہے۔ ان ممالک میں شادی کا تصور خاصی حد تک ختم ہو چکا ہے۔ حکومت کی طرف سے آپس میں بغیر شادی کے اکٹھے زندگی بسر کرنے والے لڑکے اور لڑکی کو اولاد پیدا کرنے کا حق حاصل ہے۔

بغیر شادی کے پیدا ہونے والے بچے قانونی بچے کہلاتے ہیں اور ان کی دیکھ بھال حکومت کی ذمہ داری ہے۔ بغیر شادی کے جوڑے اس بات میں آزاد ہوتے ہیں کہ جب چاہیں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ ان ممالک میں اگرچہ باقاعدہ شادیوں کا رواج ابھی تک قائم ہے تاہم کوئی شادی ایسی نہیں ہوتی جس میں دولہا اور دلہن ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں۔ شادی سے کئی ماہ یا کئی سال پہلے بطور میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ایک دوسرے کو ہر لحاظ سے آزما چکے ہوتے ہیں۔

سویڈن میں ماہ جون سے ستمبر تک کا عرصہ ٹورسٹ سیزن (سیاحوں کا موسم) کہلاتا ہے۔ سیاح اس موسم میں خوبصورت اور دلفریب نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کثیر تعداد میں سویڈن کا رخ کرتے ہیں۔ بے شک ان کے دل میں فری سیکس (Free Sex) کا مچلتا ہوا خیال موجود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار ہوٹل، ریستوران، نائٹ کلب حسن اور جسم فروشی کے اڈے اپنی دکانیں سجائے ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔

”کچھ نائٹ کلب ساحل سمندر پر لنگر انداز جہازوں میں بھی بنائے جاتے ہیں جہاں شراب و شباب کی فراوانی ہوتی ہے۔ موسم گرما کی یہ راتیں حسن و عشق کی داستانیں رقم کرتی ہیں اور ملک ملک کے جسم ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔“[17]

سٹاک ہام سیاحوں کے لیے ہر طرح کی عیاشی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ یہاں ہر سال ماہ اپریل کے آخر میں سمندر کے ساحل پر ”ٹیوولی“ (Tivoli) نام کی ایک ایسی تفریح گاہ کا انتظام کیا جاتا ہے، جہاں دنیا بھر کے فنکاروں کو مدعو کیا جاتا ہے جو رقص و سنگیت میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ اس تفریح گاہ کے اندر مختلف قسم کے ریستوران بھی ہوتے ہیں اور نائٹ کلب بھی۔

نائٹ کلبوں میں عام ڈانس کے علاوہ کچھ خاص قسم کے شوز بھی دکھائے جاتے ہیں، جنہیں سیکس شو (Sex Show) کہا جاتا ہے۔ ایسے زندہ شوز سیاحوں کی خاص دلچسپی کا باعث بنتے ہیں، کیونکہ جو کچھ بلیو فلموں میں پردہ سکرین پر دکھایا جاتا ہے۔ وہ سب کچھ اسٹیج پر مکمل اہتمام کے ساتھ دکھایا جاتا ہے۔ بقول لال دین قریشی: ”سویڈن میں ایسے سیکس شوز کا آغاز 1967ء میں ہوا۔ موسم گرما کی ایک سہانی شام کو ایسی تفریح گاہ میں پہلا شو دو نوجوان لڑکیوں کا تھا، جنہوں نے ہم جنسی محبت کے ایسے ایسے اسرار و رموز اور دقیق نکات سے پردہ اٹھایا کہ

ناظرین حیرت سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔"(18)

اسی طرح 1968ء کے موسم گرما میں اس تفریح گاہ میں ایک دوسرا زندہ شو پیش کیا گیا۔ یہ شو ایک نوجوان لڑکے اور لڑکی کے درمیان تھا۔ کلب میں 500 سے زیادہ خواتین و حضرات کے سامنے ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی کو پیش کیا گیا۔ لڑکی کے والدین کو بھی اس اسٹیج شو میں مدعو کیا گیا تھا اور انہیں اسٹیج کے نزدیک پہلی قطار میں بٹھایا گیا۔ اسٹیج کی رنگین روشنیوں اور آرکسٹرا کی جذبات انگیز دھنوں میں وہ آکاش پری اسٹیج پر جلوہ گر ہوئی اسٹیج پر آتے ہی اس نے مستانہ انداز میں سیٹی بجائی۔ سیٹی کی آواز سن کر ایک نہایت مضبوط، خوبصورت اور دراز قد لڑکا ایک طرف سے نمودار ہوا اور دونوں نے ایک دوسرے سے پیار کیا۔ پیار کا انداز چونکہ بلیو فلموں جیسا تھا لہٰذا یہ شو جب ختم ہوا تو خواتین اور مردوں کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔(19)

سویڈن کے علاوہ ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن میں بھی 1969ء میں مورخہ 21 اکتوبر سے لے کر 26 اکتوبر تک دنیا کا پہلا جنسی میلہ منعقد کیا گیا۔ اٹھارہ سال سے زائد عمر کا ہر شخص اس میلے میں شریک ہو سکتا تھا۔ میلے کا اہتمام کرنے والی ڈنمارک کی ایک ٹیم ورک نامی کمپنی نے میلے کے انعقاد سے قبل ایک بیان جاری کیا کہ ہم آپ کے لطف اور مسرت کے لیے ہر وہ چیز اس میلے میں پیش کریں گے جو دنیا کا جنسی لحاظ سے انتہائی ترقی یافتہ ملک پیش کر سکتا ہے۔ کمپنی کے پریس سیکرٹری اینڈرز ڈلکروپ Anders Dahlerup نے اس میلے کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ "یہ جنسی جشن کچھ تو پورنوگرافی کے قوانین کے خاتمہ کی خوشی میں منایا جا رہا ہے اور کچھ ایسے دلوں کو حرارت پہنچانے جو جنس اور اس کے متعلقات کے دلدادہ ہیں اور یقیناً ان سب لوگوں کی مسرت کے لیے جو عفت و عصمت کے قائل نہیں ہیں۔"(20)

ڈنمارک میں اجتماعی شادیوں کا رواج بھی عام ہو رہا ہے۔ 1970ء میں صرف کوپن ہیگن میں بیس ایسے گروہوں کا انکشاف ہوا' جنہوں نے مشترکہ شادی کی ہوئی تھی۔ ایک گروپ 15 سے 20 افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ گروپ کی ہر عورت گروپ کے سب مردوں کی بیوی اور گروپ کا ہر مرد گروپ کی سب عورتوں کا شوہر تصور ہوتا ہے۔ ایسے گروپوں کی تشکیل کے لیے باقاعدہ اخبارات اور رسائل و جرائد میں اشتہارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ ایسے گروپوں کو Love Commumuities کا نام دیا جاتا ہے۔ ڈنمارک ایک ایسا ملک ہے جہاں جنسی فلمیں

دکھانے کے علاوہ بنانے پر بھی کوئی قانونی پابندی نہیں ہے۔ کوپن ہیگن میں ایسی فلمیں تیار کرنے کے لیے تھینڈر برادرز (Theander Brothers) کا ایک مکمل اسٹوڈیو موجود ہے جہاں کثیر تعداد میں ایسی فلمیں تیار کی جاتی ہیں۔ ان فلموں کے علاوہ جنسی اختلاط کے بارے میں ریکارڈ، کتابیں، رسائل اور دوسرے لوازمات بھی تیار کیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے ملک میں عصمت کا تحفظ مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

ڈنمارک میں اب بہت سی ایسی تنظیمیں قائم کی جارہی ہیں جن کا مقصد شادی کے بندھن کے خلاف پرچار کر کے ایک آزاد جنسی معاشرہ کے وجود کو قوت فراہم کرنا ہے۔ ان میں ایک تنظیم کا نام ''فیڈریشن آف ڈینش ویمن'' "Federation of Danish Women" ہے جو شادی کی کھلم کھلا مخالفت کر رہی ہے۔ اس تنظیم کی صدر "Bjorn Seldon" نے تنظیم کی کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑے فخر سے یہ بات بتائی کہ ''ڈنمارک میں کم از کم ایک لاکھ افراد شادی کے بغیر میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں اور ایک وقت آئے گا کہ ہم دیکھیں گے کہ شادی بالکل بے معنی چیز ہو کر رہ جائے گی۔''

ان ممالک میں شادی واقعی ایک بے معنی چیز ہو کر رہ گئی ہے کیونکہ یہاں شادی کے بغیر ماں بننے کا تصور اب زیادہ معیوب نہیں رہا بلکہ ان ممالک میں ایسی کئی ویلفیئر پالیسیاں مرتب کی گئی ہیں جو بن بیاہی ماؤں کو ناجائز بچوں کی پرورش کے لیے معقول مالی امداد فراہم کرنے میں مد ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً ڈنمارک میں ایک کنواری ماں جسے سنگل مدر کہا جاتا ہے نہ صرف حکومت سے 500 اضافی ڈالرز وصول کرتی ہے بلکہ اس کے اپارٹمنٹ کا کرایہ بھی سرکار کے ذمے ہے۔ ہاں ! اگر ایسی سنگل مدر اپنے بوائے فرینڈ سے شادی کر لے تو جملہ تمام سہولیات سے محروم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں بالعموم اور اسکینڈے نیوین ممالک میں بالخصوص بن بیاہی ماؤں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

امریکی ہفت روزہ ''نیوز ویک'' کی ایک رپورٹ کے مطابق 1988ء میں صرف امریکہ میں 10,05,299 ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ اسی طرح سویڈن میں پیدا ہونے والے آدھے بچوں کا تعلق غیر شادی شدہ والدین سے ہوتا ہے۔ فرانس اور برطانیہ میں پیدا ہونے والے بچوں میں ہر تیسرا بچہ ناجائز اولاد ہوتا ہے۔ یہی حال آئرلینڈ میں ہے۔ یہاں شادی شدہ عورتوں کی نسبت بن بیاہی مائیں زیادہ نظر آتی ہیں۔

ہفت روزہ ''تکبیر'' کی ایک رپورٹ کے مطابق یورپ اور امریکہ میں کنواری ماؤں کی شرح یہ بیان کی گئی ہے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| سویڈن | 50 فیصد | جرمنی | 15.4 فیصد |
| ڈنمارک | 46.8 فیصد | نیدرلینڈ | 13.1 فیصد |
| ناروے | 45.9 فیصد | لکسمبرگ | 13 فیصد |
| فرانس | 34.9 فیصد | بلجیم | 12.6 فیصد |
| برطانیہ | 32 فیصد | امریکہ | 20 فیصد |
| فن لینڈ | 31.3 | اسپین | 10.5 فیصد [21] |

تکبیر کی رپورٹ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ سویڈن، ڈنمارک اور ناروے میں کنواری ماؤں کی تعداد امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ لال دین قریشی کا یہ قول درست معلوم ہوتا ہے کہ ''ان ممالک میں ایک لڑکی گیارہ بارہ سال کی عمر میں ہی اپنا بانکپن لٹا چکی ہوتی ہے۔ [22]

اسکینڈے نیویا میں ایک ایسی یونیورسٹی کا بھی انکشاف ہوا ہے جہاں طلباء وطالبات نے بوڑھوں کی جنسی خدمت کے لیے ایک سیکس سروس تنظیم بنائی ہے۔ اس تنظیم کا مقصد صرف ایسے بزرگوں کی جنسی خدمت ہے جو اکیلے رہ رہے ہوں۔ لہٰذا اس قسم کا ہر سینئر شہری اس تنظیم سے رابطہ کر کے اپنی جنسی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اس تنظیم سے رابطے کا سب سے مؤثر ذریعہ ٹیلی فون ہے۔ جب کوئی بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت مذکورہ تنظیم سے بذریعہ فون رابطہ کرتی ہے تو ٹھیک نصف گھنٹے کے بعد تنظیم کا طالب علم رکن مطلوبہ جگہ پہنچ جاتا ہے۔ [23]

سویڈن میں جمعہ اور ہفتہ کے روز سٹاک ہام کی کنگز سٹریٹ اور دیگر بڑے شہروں کی اسی طرح کی بڑی شاہراہوں پر موٹر سائیکلوں اور بڑی گاڑیوں میں سوار لڑکے وہاں کھڑی ہوئی لڑکیوں کا رات بھر کے لیے سودا کرنے چلے آتے ہیں۔ جسم فروش لڑکیاں ان بڑی گلیوں اور شاہراہوں میں بن ٹھن کر آ کھڑی ہوتی ہیں اور جو جس کسی کو پسند آئے ساتھ لے جاتا ہے۔

## یورپ میں ہم جنسیت (Homosexuality)

عفت وعصمت کی بھلائی کو چھوڑ کر جب مغرب نے جنسی اباحیت کی برائی کا راستہ

اختیار کیا تو پھر اس برائی کی نوع بہ نوع صورتوں میں وہ گرفتار ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ غیر فطری فعل اس کا پسندیدہ مشغلہ بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظات فراہم کیے جا رہے ہیں اور ہم جنس پرست جوڑے مکمل آزادی کے ساتھ میاں بیوی کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کافی عرصہ پہلے سے جرمنی کی پارلیمنٹ ہم جنسی محبت کو جائز قرار دے چکی ہے جبکہ برطانیہ میں بھی جنسی ایکٹ 1976ء کے تحت ہم جنس پرستی پر کوئی پابندی نہیں۔ ہالینڈ میں ہم جنس پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیش نظر عمر کی حد 21 سال سے کم کر کے 16 سال کردی گئی ہے اب یہاں 16 سال کے ہر نوجوان مرد اور عورت کو آپس میں جنسی تعلقات قائم کرنے کی قانونی اجازت ہے۔ اسی طرح آئرلینڈ نے بھی اپنی قدیم روایات سے انحراف کرتے ہوئے ہم جنس پرستی کو باقاعدہ قانونی جواز عطا کر دیا ہے۔

"ڈنمارک میں جہاں 1930ء ہی میں اس غیر فطری فعل کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ایک تازہ قانون کے ذریعے یہاں اب ایک ہی جنس کے جوڑوں کے درمیان شادی کو قانونی منظوری دے دی گئی ہے' جس کے تحت ہم جنس جوڑوں کو وراثت' ٹیکس' پنشن کی وصولیابی اور ملکیت کے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو روائتی شادیوں کے تحت شادی شدہ جوڑوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تازہ ترین سروے کے مطابق 51 لاکھ آبادی کے اس ملک میں تقریباً 50 ہزار مرد و زن ہم جنسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔"(24)

کچھ عرصے سے ہانگ کانگ کی قانون ساز کونسل نے بھی 13 کے مقابلہ میں 31 ووٹوں سے اس جرم کے غیر تعزیری ہونے کی توثیق کر دی۔ امریکی ریاست کیلیفورنیا کے شمالی شہر سان فرانسسکو کی بلدیاتی قانون ساز کونسل نے امریکہ کا اپنی نوعیت کا پہلا قانون منظور کر کے ہم جنس جوڑوں کے لیے سرکاری دفتر میں شریک زندگی کی حیثیت سے رجسٹریشن کرانے کی اجازت دے دی ہے جس کے مطابق ایسے جوڑوں کو صحت عامہ اور دوسرے شعبوں میں وہ تمام سہولتیں حاصل ہوں گی جو قانونی طور پر شادی شدہ جوڑوں کو حاصل ہوتی ہیں۔

"ماہرین سماجیات کی دریافت کے مطابق امریکیوں کی دس فیصد تعداد ہم جنس پرست ہے اس میں جج' ڈاکٹر' کھلاڑی اور سیاستدان گویا زندگی کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ حتیٰ کہ کلیسا میں بھی ان کی خاصی تعداد موجود ہے۔ سان فرانسسکو میں

ایک تازہ اطلاع کے مطابق لوتھرین چرچ کے بشپ نے ان کلیسائی حلقوں کی باقاعدہ توثیق کر دی ہے جو ہم جنس پرست مردوں اور عورتوں کے ذریعے چلائے جا رہے ہیں[25]۔'' 1997ء میں ایک برطانوی خاتون وزیر نے کھلے عام اعلان کیا کہ وہ ہم جنس پرست ہے اور اس سے ان کے کام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق: مئی 1997ء میں جب سے لیبر پارٹی اقتدار میں آئی ہے تب سے تین ہم جنس پرست مرد ارکان پارلیمنٹ کے نام سامنے آئے ہیں اور ان تینوں کا تعلق حکمران لیبر پارٹی سے ہے۔ خاتون وزیر اینجلہ ایگل نے بتایا کہ وہ کئی ایسے ارکان پارلیمنٹ کو جانتی ہے جو ہم جنس پرستی کو صیغہ راز میں رکھتے ہیں۔ لیکن اب وقت بدل گیا ہے اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلہ میں صاف گوئی سے کام لیا جائے۔ ہم جنس پرستوں کی تنظیموں نے خاتون وزیر کے اس کھلے اعتراف کو بے حد سراہا ہے اور اس کا خیر مقدم کیا ہے[26]۔'' برطانیہ میں ہم جنس پرستی کی پذیرائی کا یہ عالم ہے کہ لندن میں ہم جنس پرستوں کی ایک ریلی میں وزیر ثقافت کرس سمتھ نے جو خود بھی ہم جنس پرست ہے وزیر اعظم کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا جو ان کی حمایت میں تھا۔ تازہ اطلاعات کے مطابق اسرائیل کی پارلیمنٹ نے بھی اٹھارہ سال سے اوپر کے مردوں کے درمیان ہم جنس پرستی کو قانونی جواز عطا کر دیا ہے۔

امریکہ اور یورپ میں یہ وبا اس قدر عام ہوگئی ہے کہ اس علت کے شوقین حضرات کو کسی جگہ بھی اپنے مطلب کی برآری کے لیے کسی قسم کی کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ ان کی سہولت کے لیے ہر جگہ مخصوص کلب، بار اور ہوٹلز وغیرہ موجود ہیں۔ یونیسف کی شائع کردہ ایک رپورٹ ''آئیڈیاز فورم'' کے مطابق اس وقت صرف امریکہ میں دو لاکھ سے زائد بچے جنسی کاروبار میں ملوث ہیں۔

یورپ میں ہم جنس پرست مردوں کے لیے ''Gays'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جبکہ عورتوں کے لیے ''Lesbians'' کی اصطلاح رائج ہے۔ فاعل عورت ''Butch'' مفعول عورت کو Fenne کہتے ہیں۔ ان کی آسانی کے لیے نہ صرف مخصوص ہوٹلز اور کلب بنائے گئے ہیں بلکہ ان کی راہنمائی اور آزادانہ باہمی ملاپ کے لیے بہت سے رسائل و جرائد بھی شائع ہو رہے ہیں۔ مثلاً برطانیہ میں OZ.it اور Jeremy جیسے میگزین ہم جنس پرست افراد کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ان میں مضامین اور تصاویر دونوں طرح کا مواد شامل کیا جاتا ہے اور ہم

جنسی محبت کے نئے نئے طریقوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ لندن سے ہم جنس پرستوں کی سہولت کے لیے ایک نہایت موثر گائیڈ شائع ہو رہی ہے جس کا نام ''Spartacus International Gay Cuide'' ہے۔ اس گائیڈ میں دنیا کے مختلف ممالک میں رہنے والے ہم جنس پرستوں کے ایڈریس اور ان کے متعلق وافر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ گائیڈ کے ایڈیٹر کا دعویٰ ہے کہ یہ گائیڈ ہم جنس پرستوں کے لیے بائبل کا درجہ رکھتی ہے۔ ایڈیٹر نے اس مفہوم کو انگریزی میں اس طرح لکھا ہے:

The Spartacus International Gay Cuide is Considered by Many Gay men to be the "Bible" for Gay Travellers

یورپ میں ہم جنس پرست مردوں کے علاوہ عورتوں کی خاصی تعداد بھی اس بیماری میں مبتلا ہے۔ ان کی سہولت کے لیے بھی بہت سے کلب بن گئے ہیں جہاں وہ آزادی سے ایک دوسرے کے ساتھ جنسی محبت کر سکتی ہیں۔ مثلاً برطانیہ میں ''Soho'' کلب اور امریکہ میں ''Bunny Clubs'' یہی فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ فرانک کیپریو کی کتاب A Variation in Sexual Behaviour میں ایسی عورتوں کے متعلق لکھا ہے کہ ''ہم جنس پرستی کی دلدادہ عورتیں ہوانا' پانامہ' لندن' پیرس' وینس' روم' وی آنا' ہونولولو' ٹوکیو' منیلا' سنگاپور' ملایا' ہانگ کانگ' بمبئی اور قاہرہ کے شہروں میں ذرا سی کوشش کے ساتھ دستیاب ہو جاتی ہیں۔''(27)

مختصر یہ کہ یورپ کی نوجوان نسل انتہا درجے کی اباحیت کا شکار ہو چکی ہے اور ان ناگفتہ بہ حالات کو یورپین مفکرین بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً مشہور امریکی ماہر طبیعیات مسز ہڈسن (Mrs. Hudson) کا بیان ہے کہ ''ہماری تہذیب کی دیواریں منہدم ہونے کو ہیں۔ اس کی بنیادوں میں ضعف آ گیا ہے اور اس کے شہتیر ہل رہے ہیں نہ معلوم یہ ساری عمارت کب پیوند خاک ہو جائے۔

وہ اپنی قوم کی ہونے والی تباہی کو محسوس کرتے ہوئے مزید لکھتی ہیں: ''اس تہذیب کے لوگوں کی تمام ترجیحات آزادانہ جنسی تعلقات' قحبہ گری' عصمت فروشی اور دیگر جنسی خواہشوں پر مرتکز ہو کر رہ گئی ہے اس لیے ان کی ساری تعمیری صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ انسانی صلاحیتوں کا یہ زیاں بڑا ہی تشویش ناک ہے۔ جنسی تعلقات کی یہ نوعیت اور اس کے ان بدترین آثار و نتائج کو دیکھ کر ہمارے ذہنوں میں یہ سوال ابھر آتا ہے کہ آیا یہ ہماری تہذیب

کے ملیامیٹ ہونے کے شواہد ہیں یا اسباب؟ میری رائے یہ ہے کہ یہ آثار و شواہد بھی ہیں اور اسباب بھی۔"(28)

یورپی ممالک کے بعد اب دنیا کے بعض دیگر متمدن ممالک میں جنسی کجروی کا ایک سرسری جائزہ پیش خدمت ہے۔

روس

نیوز ویک کی ایک رپورٹ کے مطابق سویت یونین کے خاتمے کے بعد اناج مہنگا جبکہ عورت انتہائی سستی ہوگئی ہے۔ غربت اور افلاس کی بنا پر بہت سی روسی عورتیں مغربی ممالک میں جا کر عصمت فروشی کے اڈوں کی زینت بن گئی ہیں۔ خاص طور پر اسرائیل میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ روس میں جنسی بے راہ روی کا اندازہ لگانے کے لیے وکٹر زورا (Victor Zorra) کا لکھا ہوا دلچسپ مضمون سیکس اینڈ دی سویت گرل (Sex and the Soviet Girl) پڑھا جا سکتا ہے۔ جس میں وکٹر زورہ نے سویت یونین میں ہونے والی جنسی تبدیلیوں کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

اسی طرح ماسکو لٹریری گزٹ میں بھی ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں قارئین کے لاتعداد خطوط کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ جنسی آزادی کے عمل اور جنسی امور پر آزادانہ خیالات کے اظہار میں رکاوٹ کے خلاف ہیں۔ گزٹ لکھتا ہے کہ ممنوعہ علاقہ میں عدم مداخلت کا آخر کوئی مقصد بھی تو ہونا چاہیے۔ ورنہ ہر اہم مسئلہ اپنا فوری حل چاہتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جنس پر پابندی بے معنی ہے کیونکہ اس سے خطرناک نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ گزٹ مزید لکھتا ہے کہ "ایک لڑکی کی پرورش اس خیال سے ہونی چاہیے کہ وہ ایک وفادار اور سلیقہ شعار بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ دل موہ لینے والی محبوبہ بھی ہو۔"(29)

چین

قدیم چین میں عفت و عصمت کی بے حرمتی کا جائزہ لینے کے بعد چین میں عفت مآبی کے موجودہ فقدان پر تبصرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ہفت روزہ "تکبیر" نے لکھا ہے کہ اندرون ملک اکثر بڑے شہروں میں کم از کم ایک اڈہ یا ڈیرا ایسا ہوتا ہے جہاں غیر شادی شدہ لوگ جوڑے جوڑے بن جاتے ہیں اور کرائے پر کمرے لے کر شب بھر رنگ رلیاں مناتے

رہتے ہیں۔

چین میں اب کنواری حاملہ عورتوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے قومی تحقیقی ادارے کے ایک ماہر مایانین کا کہنا ہے کہ جن عورتوں کا قانونی طور سے حمل گرایا جاتا ہے ان میں نصف تعداد غیر شادی شدہ عورتوں کی ہوتی ہے۔ جسم فروش عورتوں نے اب کھلے بندوں ہر مقام پر اپنا کاروبار شروع کر دیا ہے اور گاہکوں کو پھانسنے کی کئی ترکیبیں لڑاتی ہیں۔ تعلیمی نصاب میں جنس کی تعلیم متعارف کرائی گئی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب چھوٹے بچے بھی جنس اور تخلیق عمل کے متعلق اپنے والدین سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اسکولوں اور کالجوں میں 50 فیصد طالبات اپنی دوشیزگی گنوا چکی ہوتی ہیں۔

ملک کی اکثر شاہراہوں پر ایسے ہوٹل پائے جاتے ہیں جہاں ٹرک ڈرائیوروں کے لیے گرم گرم کھانے' چارپائی اور ایک ساتھی کا انتظام ہوتا ہے جس کے لیے ایک ڈرائیور کو زیادہ رقم خرچ نہیں کرنی پڑتی۔ اسی طرح کچھ مووی گھر ایسے بھی ہیں جہاں 12 ڈالر دے کر وقتی طور پر ایک ساتھی خریدا جا سکتا ہے اور شو ختم ہونے کے بعد مزید رقم دے کر اس سے اضافی خدمت لینے کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

ہانگ کانگ کے قریب شین زین نامی ایک صنعتی مرکز ہے اس صنعتی مرکز کے قریب کئی ایسے علاقے وجود میں آ گئے ہیں جن کو ''داشتاؤں کی بستی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے کیونکہ وہاں دولت مند کاروباری اشخاص کی محبوبائیں رہتی ہیں۔ جنسی بے راہ روی کے اس دھماکے نے شادی بیاہ کے رواج کو نقصان پہنچایا ہے۔ اب چین میں عام کہاوت بن گئی ہے کہ ''شادی محبت کا مقبرہ ہے۔''

ایک سروے کے مطابق اس وقت چین میں 6 کروڑ سے زائد مرد وزن ہم جنسیت کا شکار ہیں جن پر کوئی قانونی پابندی عائد نہیں۔ شنگھائی میں شام کے وقت یہ ذوق رکھنے والے کئی نوجوان سمندر کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سیتان (Sichudn) کے دارالحکومت چینگڈو کے لوشن پارک میں ایسے لوگ عموماً منڈلاتے رہتے ہیں۔ خود بیجنگ میں بھی کئی ایسے مقامات ہیں جہاں اس بیمار ذوق کے حامل افراد آمد و رفت رکھتے ہیں۔

## جاپان

جاپان کا شمار دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔ دنیا اسے ایک ''اقتصادی جن'' کے نام سے جانتی ہے۔ مگر اب چڑھتے سورج کی اس سرزمین اور اقتصادی جن کو فحاشی اور عریانیت گھن کی طرح چاٹ رہی ہے۔ وہ تمام برائیاں جو دولت سے یا دولت کمانے کے خبط سے پیدا ہوتی ہیں اس معاشرے کا حصہ بنتی جا رہی ہیں۔

جاپان کی نئی نسل (Easy Money) ایزی منی کے چکر میں ہے' نہ صرف کاروبار میں مصروف جاپانی مردوں کی تنہا بیویوں نے اپنی مصروفیت اور خاندانی دولت میں اضافے کا سامان ڈھونڈ لیا ہے بلکہ سکولوں کی نوعمر طالبات تک پیسے کے لیے اپنا آپ بیچتی ہیں۔ اس پیشے میں صرف غریب گھرانوں کی لڑکیاں ہی شامل نہیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ پیسہ ہی تمام دکھوں کا مداوا ہے۔ بلکہ امیر گھرانوں کی لڑکیاں بھی ''ہل من مزید'' (مجھے اور چاہیے) کا نعرہ لگا کر اس میدان میں کود پڑی ہیں۔ جاپان کے ڈھیلے ڈھالے قانون کا فائدہ اٹھا کر اجتماعی غسل خانے' مساج گھر اور ٹیلی فون کلب اس گھناؤنے کاروبار کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ ایسے کلبوں پر ایک مخصوص تصویر بنی ہوتی ہے جو ان کا ٹریڈ مارک بنتی جا رہی ہے۔ ٹیلی فون کلبوں میں معمولی فیس لے کر ایک ساتھی سے گپ شپ کرائی جاتی ہے' باقی معاملات خود طے کرنا ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق صرف ٹوکیو میں ایسے کلبوں کی تعداد 369 ہے۔ ان ٹیلی فون کلبوں سے سکولوں کی تقریباً ایک چوتھائی طالبات فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ مساج گھر اور اجتماعی غسل خانے ان کے علاوہ ہیں جہاں سکولوں کی طالبات مشرقی چہرے پر مغرب کی سیاہی ملنے میں مصروف ہیں۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ جاپان کی یہ نوعمر لڑکیاں اپنے اس قبیح فعل پر کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ جس طرح لڑکوں کو روزی کمانے کے لیے پسند کا پروفیشن چننے کا حق ہے اس طرح یہ حق انہیں بھی حاصل ہے۔

جاپان میں ڈیٹ کلب (Date Clubs) بھی عصمتوں کی بربادی کا ایک بڑا سبب ہیں۔ ٹوکیو پولیس کی ایک اطلاع کے مطابق 137 ہائی سکول اور 118 جونیئر ہائی سکول' جن کے طلباء و طالبات ان کلبوں سے منسلک ہیں اور عصمت فروشی کا کاروبار کرتے ہیں۔

جاپان میں کچھ کلب ایسے ہیں جہاں صرف اورل سیکس (Oral Sex) کا اہتمام ہوتا ہے۔اورل سکیس کیا ہے؟ کن طریقوں سے کیا جاتا ہے؟ راقم یہاں بیان نہیں کر سکتا البتہ اس امر سے آگاہی کے لیے "The Forum Guide to Sexual Prob Lems" پڑھی جا سکتی ہے۔ فاضل مصنف نے اس امر کی تشریح کے لیے کتاب ہذا کے تقریباً چودہ صفحات مختص کیے ہیں۔ جاپان میں ایسے کلب ''Image Clubs'' کہلاتے ہیں۔

جاپان میں مخرب الاخلاق جنسی اشیاء کی بھی فراوانی ہے جنسی لٹریچر اور عورتوں کی برہنہ تصاویر شائع کرنے والے رسائل و جرائد کی مانگ بہت زیادہ ہے۔ ایک مشہور جاپانی ہفت روزہ جندائی ''Gendae'' جس کی اشاعت 9 لاکھ 40 ہزار تک ہے۔ یہ میگزین نہ صرف عورتوں کی عریاں تصاویر شائع کرتا ہے بلکہ عورتوں کے متعلق جنسی تشریحات اور پورنوگرافی کا عمدہ نمونہ بھی پیش کرتا ہے۔ اسی طرح ایک اور میگزین ''Weekly Post'' ہے جس کی اشاعت تقریباً 1.6 ملین ہے۔ یہ بھی عورتوں کی پورنوگرافی کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ ان کے علاوہ بھی ایسے سینکڑوں میگزین ہیں جو عورتوں اور مردوں کے نیوڈ (Nude) سیشن کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ ایسے میگزین کی جاپان میں فروخت بہت زیادہ ہے۔

ایسے رسائل و جرائد کے علاوہ جاپان میں مصنوعی جنسی اعضا ڈلڈو (Dildos)، جنسی گڑیا، فرنچ ٹکلر (French Tickler)، وائبریٹر (Vibrator)، آرگن ڈویلپر (Organ Developer) اور پلز (Pills) وغیرہ اس قدر عام ہیں کہ وہ روزمرہ استعمال کی اشیاء کی نسبت زیادہ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ ان اشیاء کا استعمال کون لوگ کرتے ہیں؟ کیسے کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ ان سب کا جواب ایک انگریز مصنف کی کتاب ''Orgasim*'' سے مل سکتا ہے۔

دولت کی تصویر کا یہ دوسرا رخ، پیسے کی دوڑ میں شامل افراد اور ممالک کے لیے لمحہ فکریہ بھی ہے اور مقام عبرت بھی۔ ایک جاپانی دانشور کے بقول: ''ہم نے مادی ترقی میں تو کمال حاصل کر لیا ہے مگر ترقی کی اس دوڑ میں انسانیت کو بالکل دفن کر دیا ہے۔''[30]

## افریقہ

افریقہ میں جنسی بے راہ روی کی حالت کیا ہے؟ محترمہ کشور ناہید نے اپنے سفرنامہ

''آ جاؤ افریقہ'' میں افریقی عورت کی تذلیل کے متعلق کچھ معلومات فراہم کیں ہیں۔ وہ لکھتی ہیں: ''لڑکیوں کے بھی ختنے (Clitoridectomy) بلوغت سے ساتھ ہی ہونا پورے افریقہ اور اس علاقے میں واقع مسلم ممالک میں بہت عام ہے۔ ختنے کی تقریب خاندان میں ایک بہت اہم اور بھرپور تقریب کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تقریب علی الاعلان منعقد کی جاتی ہے۔ پہلے خاندان بھر کی بڑی عورت یہ تحقیق کرتی ہے کہ خون باقاعدہ ماہواری ہی کا ہے کسی اور وقتی تکلیف یا مرض کے باعث تو نہیں آیا۔ یہ تحقیق تین مہینوں پر مبنی ہوتی ہے۔

اس کے بعد سارے علاقے کے لوگ دودھ اور مویشیوں کی شکل میں تحفے لاتے ہیں اور زبردست دعوت کا اہتمام ہوتا ہے۔ لڑکی کو نیچے کپڑے پہنا کر اور اوپر کا بدن ننگا رکھ کر ہر گھر پر دعا لینے اور مبارک باد وصول کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اگر کسی لڑکی کی چھاتیاں بہت اچھی طرح نمودار نہ ہوئی ہوں تو باقاعدہ پہلے جڑی بوٹیوں کی مدد سے ان کی مالش کی جاتی ہے اور یوں نئی عورت کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ پھر علاقے کی سینئر عورتیں ایک چوکی پر لڑکی کو بٹھا کر اس کا اپریشن کرتی ہیں' پھر اس کے سر پر ایک خاص قسم کی موتیوں والی ٹوپی پہنا دی جاتی ہے جس سے سب سمجھ جاتے ہیں کہ اس کے زخم ابھی ٹھیک نہیں ہوئے۔ جب زخم ٹھیک ہو جاتے ہیں تو پھر اس کا سر مونڈ دیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب عورت پن کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس رسم کے بعد جلد ہی لڑکی کی شادی کر دی جاتی ہے۔ شادی کے بعد عورت اپنے شوہر کے علاوہ اپنے دوستوں' شوہر کے ہم عمروں اور ساتھیوں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھ سکتی ہے۔[31]

نیوز ویک کی ایک رپورٹ کے مطابق: ''بعض افریقیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کی کنواری بیٹیاں اگر حاملہ ہو جائیں تو اس سے گھرانہ خوشحال ہو جاتا ہے[32]۔'' ظاہر ہے گھرانے کو خوشحال بنانے کے لیے ایک کنواری حاملہ ہونے کے لیے کیوں کوشش نہ کرے گی۔

## عرب دنیا

عرب دنیا اگرچہ مسلمانوں کا خطہ مسکن ہے اور اسلام سے زیادہ کوئی مذہب عفت و عصمت کے تحفظ کا ضامن نہیں' لیکن افسوس ہے کہ عرب دنیا میں بھی اندرونِ خانہ وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو یورپ اور امریکہ میں کیا جا رہا ہے۔ عربی شیخ بڑے عیاش اور ہوس پرست ہیں۔

عربوں کے پاس چونکہ دولت کی فراوانی ہے لہٰذا عیش پرستی اور ہوس رانیوں میں عربی لوگ سرفہرست ہیں۔

پچھلے دنوں یہ خبر اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھی کہ برونائی کے سلطان نے امریکہ کی ایک سابقہ ملکہ حسن کو چالیس روز تک اپنے محل میں قید رکھا اور اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا رہا۔ یورپ کے نائٹ کلبوں میں کام کرنے والی ماڈل لڑکیاں مختلف طریقوں سے اپنے جسموں کا نذرانہ پیش کر کے ان عربی شیخوں سے دولت بٹورتی ہیں، کبھی بیلے رقص کی صورت میں، کبھی اسٹرپ ٹیز کے ایٹم کی صورت میں۔ عربی امراء اکثر ذہنی عیاشی کے لیے پیرس، جرمنی، لندن، کوپن ہیگن بیروت، ہمبرگ، بنکاک اور نیویارک کا رخ کرتے ہیں۔

خود عرب دنیا میں جنسی انتشار کی حالت بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ چھپ چھپا کر ایسے ذلیل اعمال و افعال کا ارتکاب کیا جا رہا ہے جن کی مثال یورپ میں ملنا بھی محال ہے۔ عرب ممالک سے آئے ہوئے چند دوستوں سے ایک دفعہ میری اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے ایسے ایسے انکشافات کیے کہ میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ بعض اسلامی ممالک میں سرعام دعوت گناہ دی جا رہی ہے۔ مثلاً لبنان، بیروت، مصر، ترکی میں عفت و عصمت کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں سمجھی جاتی۔ رضا شاہ پہلوی کے دور میں ایران کی بھی یہی حالت تھی۔

دنیا میں سب سے زیادہ افرادی قوت مسلمانوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معدنی تیل کے خزانوں سے مالا مال کیا ہوا ہے۔ گویا مالی وسائل کے لحاظ سے بھی دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کے مقابل نہیں ہے۔ تاہم اس کے باوجود مسلمان شان و شوکت اور جاہ و جلال سے زندگی بسر کرنے کی بجائے غلامانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ موجودہ مسلمان قوت ایمان سے محروم اور اسلامی اقدار سے بہت دور چلا گیا ہے۔ مغرب کی نقالی اس نے اپنی تہذیب کا حصہ بنا لیا ہے۔ دور جدید کا مسلمان عیش پرستی اور لہو و لعب میں مبتلا ہے۔ قانون قدرت یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔ آج یہی کچھ عالم اسلام کے ساتھ ہو رہا ہے۔



# حواشی

(1) ''روزنامہ جنگ' لاہور'' 11 مارچ 1997ء

(2) ''اسلام اور افکارِ نو'' ص 42

(3) ''اسلام کا نظریہ جنس'' ص 35

(4) ''پردہ'' ص 107

(5) ''اسلام اور افکارِ نو'' ص 46

(6) ''اسلام اور افکارِ نو'' ص 160

(7) ''اسلام کا نظامِ عفت وعصمت'' ص 51

(8) ''جا تیرا امریکا دیکھ لیا'' ص 186

(9) ''پردہ'' ص 101

(10) ''عورت اسلامی معاشرہ میں'' ص 277

(11) ''پردہ'' ص 114، 115

(12) ''ایضاً'' ص 116

(13) ''پردہ'' ص 76

(14) ''ایضاً'' ص 76، 77

(15) ''پردہ'' ص 80

(16) ''عورت اسلامی معاشرہ میں'' ص 276

(17) سویڈن کے عشرت کدے'' ص 120

(18) ''سویڈن کے عشرت کدے''

(19) ''ایضاً''

(20)"Sex in the Modern World" p.16

(21) ہفت روزہ ''تکبیر'' 4 ستمبر 1997ء

(22) تفصیل کے لیے لال دین قریشی کی کتاب ''سویڈن کے عشرت کدے'' ملاحظہ کی جائے۔

(23) "The Forum Guide To Sexual Problem" P.30.

(24) ''روزنامہ قومی آواز'' نئی دہلی' 28 مئی 1989ء

(25) ''روزنامہ انڈین ایکسپریس'' نئی دہلی' 11 جولائی 1990ء

(26) ''روزنامہ جنگ لاہور'' 13 ستمبر 1997ء

(27) انعام الرحمن سحری ''عورت جرائم کی دلدل میں'' ص' 192

(28) Mrs. Hudson"Sex and Common Sense"

(29) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' "Sex in the Modem World" P.29

Written by Robert Charthan, May Flower Books U.K.1975

(30) نیوز ویک' 23 دسمبر 1996ء

* "Orgasim by Richard Boylan, Dell Publishing co, Newyork,1973

(31) کشور ناہید ''آجاؤ افریقہ'' ص' 118

(32) نیوز ویک 2 ستمبر 1996ء



# پاکستان

# پاکستان میں جنسی بے راہ روی کا تفصیلی جائزہ

## (1) عصمت فروشی

پاکستان واحد ایک ایسا اسلامی ملک ہے جو خالصتاً دوقومی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ قیام پاکستان کا مقصد زمین کا ایک خطہ حاصل کرنا نہ تھا بلکہ اس کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ یہاں مسلمان اپنی تہذیب وثقافت اور اسلام کے بلند پایہ اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرسکیں گے اور ان کی عزت وآبرو اور عفت وعصمت کا خاص خیال رکھا جائے گا۔

یہ امر کس قدر تکلیف دہ ہے کہ جب پاکستان بن گیا تو اس کے باشندے فوری طور پر وہ مقاصد بھول گئے جن کے تحت یہ ملک حاصل کیا گیا۔ لہٰذا قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد ہی سیاسی افراتفری معاشی عدم استحکام' کساد بازاری' لوٹ کھسوٹ اور اخلاقی بے راہ روی کا بازار گرم ہوگیا۔

آج جب ہم پاکستان میں عصمت فروشی کا مطالعہ کرتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پاکستان کے قیام کا مقصد اسلامی نہیں بلکہ خالص نفسانی تھا۔ پاکستان میں جنسی کجروی کا جائزہ لینے کے لیے جب راقم الحروف نے ملک بھر کا دورہ کیا تو بڑی مایوس کن صورتحال سامنے آئی۔ حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں بھی درجنوں فحاشی کے اڈوں کا انکشاف ہوا' جبکہ بڑے شہروں میں ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔

ملک میں جگہ جگہ عصمت فروشی کے اڈے قائم ہونے کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ 1970ء کی دہائی میں قحبہ خانوں اور طوائفوں کا کاروبار بڑے بڑے شہروں کے مخصوص علاقوں تک محدود تھا جنہیں قانونی سرپرستی حاصل تھی جیسے لاہور میں ہیرا منڈی اور کراچی میں نیپر روڈ وغیرہ۔ مگر جب ضیاء الحق نے بدکاری کے ایسے اڈوں پر پابندی عائد کر دی تو طوائفوں کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ انہوں نے ان اڈوں سے نکل کر شہروں کے فیشن ایبل علاقوں میں، جہاں کہیں مناسب جگہ ملی فحاشی کا اڈہ قائم کر لیا۔ اس طرح عصمت فروشی کے اڈوں میں کمی ہونے کے بجائے کئی گنا زیادہ اضافہ ہو گیا اور پورے ملک میں ان اڈوں کا جال بچھ گیا۔

کراچی میں ڈیفنس سوسائٹی، کلفٹن، سی ویو ٹاؤن شپ، درخشاں ولاز، کنٹری کلب اپارٹمنٹ کے علاوہ خیابان، بحریہ، شہباز، سحر اور زمزمہ اسٹریٹ پر واقع اپارٹمنٹ اور بنگلوں میں بڑے پیمانے پر فحاشی کے اڈے پولیس اور بااثر انتظامیہ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔

''کلفٹن کے علاقے میں لڑکیوں کا ایک گروپ جو ''گروپ سکس'' کے نام سے مشہور ہے نہایت سرگرم ہے۔ یہ لڑکیاں بغیر دلال کے میک ڈونلڈ، چینن ون، یونکلٹ اور زمزمہ اسٹریٹ پر کیفے نیویارک ڈی جے ڈو کیفے بلو پر اکثر نظر آتی ہیں اور اپنا شکار خود تلاش کر کے ساتھ لے جاتی ہیں۔ ان لڑکیوں کے پاس غیر ملکی شراب اور چرس بھرے سگریٹ وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔''(1)

زمزمہ اسٹریٹ پر بعض ریسٹورنٹ، بوتیک اور اپارٹمنٹ میں فیشن ایبل عصمت فروش طوائفیں اڈے چلا رہی ہیں۔ ماڈرن گھرانوں کی لڑکیاں اس علاقے میں شام اور دوپہر کو موجود ہوتی ہیں۔ گرائمر سکول، ڈی ایچ اے (DHA) گرلز اور بوائز کالج سمیت پرائیویٹ سکولوں کے بڑی عمر کے طلباء و طالبات اکثر دوپہر کو زمزمہ اسٹریٹ پر موجود ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے اپنی عصمت کے دام وصول کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بڑے اور نامی گرامی اسکولوں کی بعض نوجوان ٹیچرز بھی اس عادت میں مبتلا ہیں۔

''ڈیفنس سوسائٹی کے ایک پرائیویٹ اسکول کی ایڈمنسٹریٹر جو سی ویو ٹاؤن شپ میں رہائش پذیر ہے، ماڈرن لڑکیوں کو بطور ٹیچر ملازمت دے کر اپنے جال میں پھنسا کر انہیں عصمت فروشی کے دھندے پر لگا دیتی ہے۔ مذکورہ خاتون ہفتہ میں ایک مرتبہ اپنے گھر،

ڈانس پارٹی منعقد کرتی ہے تاکہ ٹیچر لڑکیوں اور سرکاری افسران کا میل جول بڑھ سکے۔[2]

''ماڑی پور گریکس کے علاقے میں آنٹی رشیدہ نے فحاشی کا مکس پلیٹ اڈہ قائم کر رکھا ہے جہاں خوبرو لڑکیاں' نوجوان لڑکے اور خواجہ سرا داد عیش دینے میں مصروف رہتے ہیں۔ رشیدہ کا خاوند یوسف خوبصورت لڑکوں کی سپلائی پوری کرتا ہے جبکہ رشیدہ گلستان جوہر' ناگن چورنگی اور خواجہ اجمیر نگری کے علاقوں سے خوبرو لڑکیاں مہیا کرتی ہے۔''[3]

فحاشی کے اڈوں کے علاوہ کراچی میں سینکڑوں کال گرلز (Call Girls) ایسی ہیں جو عصمت فروشی کا کاروبار کر رہی ہیں۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق: کراچی میں ایک سو سے زائد مے خانے ہیں۔ شراب نوشوں کی بڑی تعداد صنعتکاروں' تاجروں' سیاحوں' کسٹم' انکم ٹیکس' پولیس کے اعلیٰ افسران' مختلف محکموں کے رشوت خور عملے' بعض سیاستدان' وزراء اراکین اسمبلی' سمگلروں' دہشت گردوں اور دیگر جرائم پیشہ افراد پر مشتمل ہے۔ 500 سے زائد کال گرل نہ صرف خود شراب پیتی ہیں بلکہ اپنے گاہکوں کو بھی شراب فراہم کرتی ہیں۔ اس بزنس میں بعض کال گرلز شراب کے پرمٹ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شراب کے رسیاء ان کی خدمات سے عام طور پر جمعہ اور ہفتہ کو مستفید ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق کراچی میں روزانہ ایک لاکھ شراب کی بوتلیں فروخت ہوتی ہیں۔ جو کال گرلز مختلف ہوٹلوں میں مخصوص مقامات پر پائی جاتی ہیں اگر ان سے رابطہ ہو جائے تو وہ آپ کو بغیر کسی دقت کے شراب کے ساتھ شباب بھی فراہم کریں گی[4]۔ اس طرح کراچی میں شراب و شباب کا شغل اور کھیل بغیر کسی پریشانی یا مزاحمت کے کھیلا جا رہا ہے جس کو روکنے کی کسی میں جرأت نہیں۔

کچھ عرصہ پہلے آئی جی پولیس پنجاب نے لاہور میں پولیس سے قحبہ خانوں کی ایک فہرست طلب کی۔ پولیس کی فراہم کردہ فہرست کے مطابق لاہور کی بعض جدید آبادیوں کے علاوہ گردونواح میں اس وقت 97 قحبہ خانے چل رہے ہیں اور ان اڈوں سے روزانہ سینکڑوں لڑکیاں گاہکوں کو سپلائی کی جاتی ہیں۔ پولیس رپورٹ کے مطابق ان لڑکیوں کی زیادہ تر بکنگ موبائل فون پر کی جاتی ہے۔ قحبہ خانوں کے مالک جن میں اکثریت خواتین کی ہے ہر ماہ ایک لاکھ سے سوا لاکھ روپے تک ٹیلی فون کے بل ادا کرتے ہیں۔ بکنگ کے طریق کار کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ لڑکی کے بارے میں موبائل فون پر معاوضہ اور جگہ کا تعین کر لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں اڈے کا مالک یا مالکہ خود اپنی گاڑی میں لڑکی کو مذکورہ شخص تک پہنچا آتی ہے۔ جس

جگہ لڑکی گاہک کے حوالے کی جاتی ہے وہیں معاوضے کا لین دین بھی ہوتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس وقت ڈیفنس، فیصل ٹاؤن، کاہنہ، ٹاؤن شپ، بادامی باغ، مغل پورہ، ماڈل ٹاؤن، اقبال ٹاؤن، شاہدرہ، نشتر کالونی، کوٹ لکھپت، اندرون شہر، گڑھی شاہو، گلشن راوی، سانده، اسلام پورہ، سمن آباد، بند روڈ، شیرا کوٹ اور راوی روڈ میں درجنوں قحبہ خانے چل رہے ہیں۔"(5)

ان اڈوں کے علاوہ بعض پہلوانوں کے ڈیرے بھی عصمت فروشی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق 27 کے قریب ایسے ڈیرے قائم ہیں جہاں چند روپوں کی خاطر کسی تصدیق اور ثبوت کے بغیر لوگوں کو رہائش مہیا کی جاتی ہے۔ ان ڈیروں پر بھارتی عورتوں سے اٹکھیلیاں کی جاتی ہیں۔ یہ عورتیں پھیرے بازی کرنے کے ساتھ جسم فروشی کا دھندہ بھی کرتی ہیں۔"(6)

پاکستان کے وفاقی دارالحکومت میں گلی گلی کھلنے والے عصمت فروشی کے اڈوں نے اسلام آباد کو "متی بھاگ" بنا کر رکھ دیا ہے۔ شام کے سائے پھیلتے ہی گلم جم افغان عورتیں اور ملک کے دیگر علاقوں سے آئی ہوئی فاحشہ عورتیں دعوت گناہ دینے کے لیے جگہ جگہ نظر آنے لگتی ہیں۔ پہلے پہل اسلام آباد میں سختی کی وجہ سے راولپنڈی کے سیکٹر خیابان سرسید سے فاحشہ عورتیں چادروں اور برقعوں میں لپٹ کر اسلام آباد آتی تھیں لیکن بعدازاں نرمی ملنے کی وجہ سے ان کی نائیکاؤں نے اسلام آباد کے سیکٹر آئی ٹین، آئی نائن اور شہر کے نواحی علاقوں میں ڈیرے لگا لیے۔ لیکن اب یہ دھندہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ پورے اسلام آباد میں پھیل گیا ہے۔

خفیہ والوں کی رپورٹ کے مطابق شہر بھر میں (2002ء میں) 60 کے قریب مستقل عصمت فروشی کے اڈے مختلف وی آئی پی اور چھوٹے سیکٹروں میں چل رہے ہیں جہاں سے بکنگ کروا کر سفید پوش لوگ گیسٹ ہاؤسز (Guest Houses) میں رات بھر گل چھرے اڑاتے ہیں۔ اسلام آباد میں عصمت فروشی عام ہونے کی وجہ سے ماحول اس قدر خراب ہو چکا ہے کہ شہر میں ہر جگہ عصمت فروش عورتیں سرعام دعوت گناہ دیتی نظر آتی ہیں۔ ان مناظر کو دیکھ کر ایسا گمان ہوتا ہے کہ اسلام آباد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نہیں بلکہ کسی مادر پدر آزاد ملک کا دارالخلافہ ہے۔(7)

ایک سروے کے مطابق اولیاء کے شہر ملتان میں اس وقت چالیس سے زائد عصمت

فروشی کے اڈے چل رہے ہیں۔ اڈے چلانے والوں نے اپنے کرم فرماؤں کی سہولت کے لیے اپنے اڈوں پر ٹیلی فون نصب کیے ہوئے ہیں اور تمام معاملات فون پر ہی طے ہوتے ہیں۔ اس وقت ملتان میں عصمت فروشی کے سب سے بڑے اڈے گل گشت کالونی اور چونگی نمبر 8 پر ہیں۔ گل گشت والے اڈے کو ایک خاتون حاجن چلا رہی ہے جبکہ چونگی نمبر 8 والے اڈے کو آنٹی نگہت چلا رہی ہے۔ یہ دونوں خواتین انتہائی بااثر ہیں۔ ان کا تیسرا ساتھی ایک بینک ملازم ہے جو لڑکیوں کو بینک میں ملازمت دلوانے کے بہانے بلواتا ہے، مگر اصل صورتحال اس وقت عیاں ہوتی ہے جب ان لڑکیوں کی عصمت تار تار کر دی جاتی ہے۔

ایک مقامی روزنامے میں ان اڈوں کے متعلق ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں ان اڈوں کے مالکان کے نام' ان کے ایڈریس اور ٹیلی فون نمبرز شائع کیے گئے ہیں۔ راقم ان کے نام اور ٹیلی فون نمبرز صیغہ راز میں ہی رکھنا مناسب خیال کرتا ہے۔

افغانستان سے آئی ہوئی عورتوں نے سرحد اور خصوصاً پشاور کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ وہ جگہ جگہ لوگوں کو دعوت گناہ دے رہی ہیں۔ پشاور کا مشہور باغ ''جناح پارک'' ان دنوں گناہ کا مرکز بنا ہوا ہے جہاں ایسی نوجوان دوشیزاؤں کے علاوہ خواجہ سراؤں کی بھی سر عام بولی لگتی ہے۔

پشاور کا مال روڈ بھی مکمل عیاشی کا اڈہ ہے۔ تتلیوں کے شکاری صدر کے مال روڈ اور بعض مخصوص علاقوں میں شکار کی تلاش میں شام ہی سے موٹریں بھگانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس دوران بعض رکشہ ڈرائیور ایجنٹوں کا کام کرنے لگے ہیں۔ یہ دھندہ انتہائی بے شرمی اور دیدہ دلیری سے ہو رہا ہے۔[8]

معلوم ہوا ہے کہ پشاور میں بعض لوگ باقاعدہ سیکس کلب چلا رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک ایسے ہی سیکس کلب کا انکشاف ہوا ہے جس کے متعلق ایک مقامی روزنامہ لکھتا ہے:

''حیات آباد میں سیکس کلب کئی سالوں سے ایک کمیونسٹ گروپ کی ملی بھگت سے چل رہا تھا۔ اس سیکس کلب کو ڈاکٹر حنیف الرحمٰن اور اس کا ہم عمر ماموں اسد بڑی کامیابی سے چلا رہے تھے۔ اس کلب میں بدکاری کے علاوہ رقص و سرود کی محفلیں بھی سجتی تھیں۔

شبنم حنیف بھٹی ڈاکٹر حنیف کی اہلیہ نے روزنامہ خبریں کو بتایا کہ میرے شوہر نے پتہ نہیں اب تک کتنی نامعلوم لڑکیوں کی زندگی کو برباد کیا ہوگا۔ ڈاکٹر حنیف لڑکیوں کی بلیو فلمیں

بھی بناتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنی نوکرانی عشرت کو بھی معاف نہیں کیا۔ ذرائع کے مطابق ڈاکٹر حنیف نے اپنی نوکرانی عشرت کو اپنے سیکس کلب میں بلا کر اس کی بلیو فلم بنائی۔(9)

چونکہ سرحد اور بلوچستان کے علاقوں میں لڑکی کی معقول قیمت وصول کیے بغیر اس کی شادی ناممکن ہے۔ لہٰذا ایک نوجوان لڑکی کب تک اپنی عصمت کا پہرہ دیتی رہے گی؟ آخر وہ بھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جذبات اور احساسات رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں میں بھی اندرون خانہ عصمت کا فقدان اسی طرح پایا جاتا ہے جس طرح ملک کے دیگر علاقوں میں موجود ہے۔

اس طرح کی شادی میں قیمت ادا کرنے والے شخص کی شکل وصورت اور عمر وغیرہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا خواہ وہ 70 سال کا بوڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے ایسی شادیاں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتیں اور بالآخر لڑکی اپنے شوہر سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے یا تو کسی اپنے ہم عمر آشنا کے ساتھ بھاگ جاتی ہے یا کسی قحبہ خانے کی زینت بن جاتی ہے۔ مثلاً مسعود احمد اپنی کتاب ''بازارِ حسن'' میں صوبہ سرحد کی بعض لڑکیوں سے انٹرویو لیتے ہیں جو کراچی کے بازارِ حسن میں گناہ کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ زیادہ تر لڑکیوں نے یہی انکشاف کیا کہ ان کے والدین ان کی شادی رقم لے کر کسی بوڑھے سے کر رہے تھے لہٰذا بوڑھے کے ساتھ زندگی گزارنے سے یہ جگہ بہتر ہے۔(11) ان میں سے بیشتر لڑکیوں کا تعلق ہزارہ یا پشاور سے ہے۔

اب یہ وباء چھوٹے شہروں اور قصبات میں بھی شدت سے سرایت کر گئی ہے۔ مثلاً روزنامہ جنگ' سرگودھا میں جسم فروشی کے اڈوں کے متعلق لکھتا ہے:

''ہر ضلع کی طرح ضلع سرگودھا میں جسم فروشی اور منشیات کی لعنت نے سینکڑوں نوجوان ایڈز میں مبتلا کر دیئے ہیں جبکہ ان اڈوں کی سرپرستی سرعام ہو رہی ہے۔ خاص طور پر بشیر کالونی' عبداللہ کالونی' غنی پارک' لیاقت کالونی' اولڈ سول لائن' لک کالونی' فاطمہ جناح کالونی' گل والا' مجاہد کالونی' چک نمبر 50 شمالی' نیوسٹلائٹ ٹاؤن میں جسم فروشی کا دھندہ پورے عروج پر ہے۔ ان اڈوں کے علاوہ کچھ عورتیں کمپنی باغ' مولا بخش ہسپتال اور بم چوک کے اردگرد گناہ کی طرف راغب کرنے کے لیے نوجوانوں کو گھیر لیتی ہیں۔''(12)

چونکہ قانونی طور پر عصمت فروشی کے اڈوں کا کوئی جواز نہیں لہٰذا اڈہ چلانے کے لیے پولیس کو بھاری رشوت فراہم کرنی پڑتی ہے۔ قانون کی سختی اور پولیس کی بھاری رشوت

سے بچنے کے لیے جنسی تجارت کے اکثر ماہرین نے عصمت فروشی کے چند جدید طریقے اختیار کر لیے ہیں تا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی محفوظ رہے۔

جس طرح پہلے ناچنے گانے والی عورت کو طوائف کہتے تھے اب فنکارہ کہلاتی ہے۔ اسی طرح عصمت فروشی کے مرکز پہلے چکلے کہلاتے تھے اب نہیں نائٹ کلب، ڈانس کلب، میوزک کلب اور آرٹ کلب کے علاوہ نہ جانے کتنے ایسے مہذب ناموں سے پکارا جاتا ہے جن کی آڑ میں دھندہ وہی ہوتا ہے جو فحاشی کے اڈوں کا خاصا ہے۔ گویا وقت کے ساتھ ساتھ عصمت فروشی کی صنعت نے بھی ترقی کر کے جسم فروشی کے لیے کئی نئے طریقے ایجاد کر لیے ہیں۔



# دیگر کاموں کی آڑ میں عصمت فروشی

(1) ہوٹلز

جدید دور میں ہوٹلز پوری دنیا میں قیام وطعام کی سروس کے علاوہ انسان کی نفسانی ضرورت کی تکمیل میں بھی مدومعاون ثابت ہو کر عصمت فروشی کے اہم مراکز بن گئے ہیں۔ یہی حال پاکستان میں بھی ہے۔ 1972ء میں کراچی میں تاج محل ہوٹل سیکس سکینڈل کی وجہ سے بہت بدنام ہوا تھا۔ اس سکینڈل کے بارے میں جناب محمد خاں جونیجو جو اس وقت سندھ میں ہوم سیکرٹری تھے' نے انکشاف کیا کہ یہ ہوٹل عورتوں سے بدکاری کرانے کا اڈہ بن گیا تھا اور حکومت کو اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ ہوٹل میں بعض ہندو افراد مسلمان لڑکیوں کو عصمت فروشی پر مجبور کرتے ہیں۔ ہوٹل کا مالک اڈوانی اس معاملے سے واقف تھا جو علاقے کے متعلقہ ایس ایچ او کو بھاری رشوت فراہم کرتا تھا۔

1973ء میں ایک دفعہ سابق وزیر اعلیٰ ممتاز بھٹو کا مجھے فون آیا کہ انہیں ترکی کے قونصل خانے سے ایک شکایت موصول ہوئی ہے کہ ہوٹل کی انتظامیہ نے ترکش لڑکیوں کو ہوٹل میں رکھا ہوا ہے اور انہیں عصمت فروشی پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا ہوٹل کے متعلقہ حکام کو گرفتار کر کے لڑکیوں کو آزاد کر دیا جائے۔ میں نے فوری طور پر ڈی آئی جی پولیس کو فون کر کے صورتحال سے آگاہ کیا۔ جنہوں نے متعلقہ ایس ایچ او کو مقدمہ درج کرنے کا حکم دیا۔ پولیس نے اڈوانی کو گرفتار کر لیا اور لڑکیوں نے اپنے بیان میں مذکورہ الزام کی تصدیق کر دی۔ کچھ

عرصہ بعد ہمیں بھٹو صاحب کی طرف سے ایک حکم نامہ موصول ہوا کہ ملک کے تمام ہوٹلوں کو بدکاری کے اڈوں سے پاک کر دیا۔ میں نے اس صورتحال کے حوالے سے انکوائری کرائی تو معلوم ہوا کہ تاج ہوٹل اور ڈی لکس ہوٹل بدکاری کے اڈے ہیں۔ (13)

کراچی پولیس نے ننھا نامی ایک دلال کے اڈے پر چھاپہ مار کر 20 خوبرو لڑکیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان لڑکیوں کے ساتھ ننھا بھی گرفتار کر لیا گیا جس نے بعض نہایت سنسنی خیز انکشافات کیے۔ کراچی میں ہوٹلوں کے متعلق اس نے بیان دیا کہ پرل کانٹی نینٹل، شیرٹن ہوٹل اور ڈیفنس سوسائٹی میں واقع کارلٹن ہوٹل کی انتظامیہ کے کہنے پر وہ خاص مہمانوں کے لیے لڑکیاں ان ہوٹلوں میں بھجواتا ہے۔

اس نے مزید بتایا کہ ہوٹل کے منیجر کال گرل کو سرکاری آفیسر کے کمرے میں بھجوا کر اس کی ویڈیو فلم بنا کر مستقل بلیک میل کرتے ہیں۔ جیسے ٹیلی ویژن کی ایک معروف اداکارہ کسی مرد اداکار کی معرفت ڈیفنس سوسائٹی میں واقع کارلٹن ہوٹل کے منیجر سے ملی۔ بعد میں اس منیجر نے اس لڑکی کو کسی اعلیٰ سرکاری افسر کی مخصوص خدمت کے لیے پانچ ہزار روپے معاوضہ ادا کر کے مذکورہ آفیسر کے کمرے میں بھیج دیا۔ جہاں اس آفیسر کی عریاں فلم تیار کی گئی۔ لہٰذا اب اسے اداکارہ لڑکی اور اس کا ساتھی مسلسل بلیک میل کر رہے ہیں۔ (14)

کراچی والے تاج ہوٹل کے بعد اب ہم لاہور والے تاج ہوٹل میں عصمت فروشی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق: ''سانده پولیس نے مخبری پر ٹرنر روڈ پر واقع تاج ہوٹل میں ایک اشتہاری ملزم کی تلاش میں چھاپہ مارا۔ مگر ہوٹل کے ایک کمرہ میں 5 لڑکیاں نشے میں دھت 13 مردوں کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھیں۔ پولیس انکوائری سے معلوم ہوا کہ رنگ رلیوں کا یہ سلسلہ گزشتہ تیرہ دنوں سے جاری ہے۔ (15) گویا اگر پولیس چھاپہ نہ مارتی تو نہ معلوم یہ سلسلہ مزید کتنے دن جاری رہتا۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ روزنامہ جنگ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ''گوالمنڈی پولیس نے ایک مقامی ہوٹل پر چھاپہ مار کر 12 عورتوں اور مردوں کو شراب میں مدہوش رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا ہے۔ چھاپے کے وقت ہوٹل کا منیجر فرار ہو گیا۔ ریکارڈ کے مطابق اس ہوٹل میں کمرے کے لیے کسی کی بکنگ نہیں کی جاتی۔ پولیس نے ان سب کو برہنہ حالت میں گرفتار کیا۔ (16)

اسی طرح جب پولیس نے فلیٹیز ہوٹل میں کچھ دہشت گردوں کی گرفتاری کے لیے چھاپہ مارا تو گراونڈ فلور کے ایک کمرہ میں ایک وفاقی وزیر کے بھائی' کھاریاں کے سابق ایم پی اے' لاہور کی ایک خوبرو حسینہ شاہین پینے پلانے میں مشغول تھے' اور میز پر غیر ملکی شراب کی بوتلیں پڑی ہوئی تھیں جبکہ سابق ایم پی اے جو سابق صدر کے بھتیجے ہیں شاہین نامی عورت کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔"(17)

مون ڈائجسٹ کے مطابق: "ہوٹلوں میں رنگ رلیاں ایک عام سی بات ہے طبقہ امراء کے افراد ان ہوٹلوں میں اپنی راتیں رنگین بناتے ہیں۔ ہوٹل کا عملہ ان بگڑے رئیس زادوں کو معقول معاوضہ کے عوض کال گرل بھی مہیا کرتا ہے اور شراب بھی۔ یوں شراب و شباب کے چکر بیک وقت چلتے ہیں۔

ڈائجسٹ مزید لکھتا ہے کہ ان ہوٹلوں میں صرف کال گرل ہی نہیں بلکہ ماڈل گرلز فلم انڈسٹری' ٹیلی ویژن اور سٹیج کی بڑی بڑی نامور اداکارائیں بھی آتیں اور اپنی راتوں کے بھاری معاوضے وصول کر کے چلی جاتی ہیں۔ شراب کے نشے میں بگڑے ہوئے رئیس زادے انہیں اپنی گاڑیاں تک تحفہ میں دے دیتے ہیں۔

لڑکی کے لیے اپنا دھندہ چلانے کی غرض سے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہوٹل کے عملے کو بھی خوش رکھے۔ اس مقصد کے لیے وہ بعض اوقات عملہ کے کسی فرد کو اپنے جسم سے فیض یاب ہونے کا موقع دے دیتی ہے۔ یہ عصمت فروشی نہیں صرف دوستی ہوتی ہے۔ ایسی لڑکیوں کو زیادہ اور اچھا بزنس ملتا ہے جو ہر لحاظ سے عملہ کے افراد کو خوش رکھتی ہوں۔ عملہ ان کی مدد کے لیے ہر لمحہ چوکس رہتا ہے۔"(18)

## بیوٹی پارلرز

بعض بیوٹی پارلرز عورتوں کے بناؤ سنگھار کی آڑ میں چابکدستی سے عصمت فروشی کا دھندہ کر رہے ہیں۔ مثلاً فیصل آباد میں بیوٹی پارلرز کی آڑ میں ہونے والے دھندے کے متعلق روزنامہ خبریں کی ایک رپورٹ کے مطابق: "فیصل آباد شہر میں بیوٹی پارلرز میں چلنے والے بے حیائی کے اڈوں کی بھرمار ہو چکی ہے جہاں بیوٹیشن کی آڑ میں لڑکیوں کو دھندے کی لائن پر لگایا جاتا ہے۔ یہاں سب سے زیادہ شوقین مزاج مالداروں نے محض اپنی عیاشی کی

خاطر بیوٹی پارلرز کھول رکھے ہیں۔

ان پارلرز میں کاروبار آرائش کے ساتھ ساتھ ناجائز دھندہ بھی کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے بیوٹی پارلروں کی اکثریت انارکلی اور اس کے گرد ونواح میں واقع مختلف شاپنگ پلازوں میں موجود ہے۔ جن میں کھہ مارکیٹ' دین پلازہ' لطیف پلازہ اور ریگل روڈ شامل ہیں۔ یوں تو بیوٹی پارلرز کے ذریعے جنسی رنگینیوں کے لیے کال گرلز کا دھندہ پرانا ہو چکا ہے لیکن ان پلازوں میں واقع بیوٹی پارلرز نے اسے ترقی دے کر ''آن دی سپاٹ'' سروس کی سہولت فراہم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ دن میں بیوٹی پارلرز کا کام چلایا جاتا ہے لیکن شام ہوتے ہی بیوٹی پارلروں کے عقب میں بے خصوصی سیلونوں میں ناجائز کاروبار شروع کر دیا جاتا ہے۔

ان بیوٹی پارلرز کے درازوں پر پردہ لٹکتا رہتا ہے اور پردے کے پیچھے پارلر کی انچارج کرسی رکھ کر بیٹھ جاتی ہے اور بازار حسن کے روایتی انداز میں جھاتیاں مار کر گاہکوں کو تلاش کرتی رہتی ہے۔ یہ لوگ بیوٹیشن کی ٹریننگ کے لیے غریب گھروں کی لڑکیوں کو بھرتی کر لیتے ہیں جنہیں دھیرے دھیرے لائن پر لگا کر اس مکروہ دھندہ کی جانب راغب کیا جاتا ہے۔ انکار پر یہ لوگ انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض دیدہ دلیر قسم کے بیوٹی پارلرز کے مالکان اور ان کے چیلے میک اپ کرنے والی لڑکیوں پر بھی ہاتھ ڈالنے سے نہیں چوکتے۔ کامیاب ہو جائیں تو بات بن جاتی ہے اور ناکامی کی صورت میں ڈرا دھمکا کر زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔''(19)

قارئین! اگر فیصل آباد جیسے شہر میں بیوٹی پارلرز کا یہ عالم ہے تو ملک کے بڑے شہروں میں ان بیوٹی پارلرز کی حالت کیا ہو گی؟

## گیسٹ ہاؤسز

ملک کے تمام بڑے شہروں میں گیسٹ ہاؤس قحبہ خانوں کا کردار کر رہے ہیں۔ اسلام آباد میں واقع تمام گیسٹ ہاؤسز ہر وقت رنگین مزاج مہمانوں سے آباد رہتے ہیں۔ اخبارات کبھی کبھی ان گیسٹ ہاؤسز میں منائی جانے والی رنگ رلیوں کے متعلق تبصرہ کرتے رہتے ہیں۔ ان گیسٹ ہاؤسز میں شرفاء کے لیے خوبصورت تتلیاں بک ہو کر آتی ہیں اور کئی کئی

دنوں تک ان کا دل بہلاتی رہتی ہیں۔

کچھ عرصہ قبل لاہور میں واقع ایک ایسے ہی گیسٹ ہاؤس سے بلوچستان کی نہایت اعلیٰ شخصیت کا رشتہ دار لڑکیوں سمیت ننگا گرفتار کر لیا گیا۔ روزنامہ جنگ میں اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھی گئی ہے: ''جے بلاک گلبرگ کے ایک گیسٹ ہاؤس میں شراب کے نشے میں مدہوش اونچی سوسائٹی کے 7 نوجوان 5 دوشیزاؤں کے سمیت رنگ رلیاں مناتے ہوئے برہنہ حالت میں پکڑے گئے۔ ملزموں میں بلوچستان کی ایک اعلیٰ شخصیت کا رشتہ دار ''ع م'' سمیت ننکانہ کے ایم پی اے کا بھانجا ''م ش'' اور ننکانہ ہی کے چار اور افراد اور گیسٹ ہاؤس کا منیجر شامل ہیں۔

پولیس کی ابتدائی تفتیش کے مطابق ہوٹل کے منیجر نے ایک شخص احمد ولی خان کے ذریعے چار لڑکیوں کو 25 ہزار روپے کے عوض رات بھر کے لیے بک کیا۔ اس تقریب کا اہتمام انگلینڈ سے واپس آنے والے ''م'' ملک کے اعزاز میں کیا گیا۔ اس گیسٹ ہاؤس کا مالک شیخوپورہ کا ایک جج ہے۔ جو ایک خاتون کی شراکت داری سے اسے چلا رہا ہے[20]۔''

جنگ لاہور ہی کی ایک اور رپورٹ کے مطابق: ''ریس کورس کے علاقے میں واقع دو گیسٹ ہاؤسز پر خدمت کمیٹی اور ایک مجسٹریٹ نے پولیس کے ساتھ چھاپہ مار کر ایک ڈپٹی کلکٹر کسٹمز سمیت' 12 جوڑوں کو رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ ان گیسٹ ہاؤسز کے مالک سرکاری اہلکار بتائے جاتے ہیں۔ یہ تمام لوگ قابل اعتراض حالت میں تھے۔ ان کے خلاف مقدمات درج کر لیے گئے ہیں۔ پولیس نے 35 بوتلیں شراب بھی برآمد کر لی اور دو ملازموں کو بھی گرفتار کر لیا۔ معاشرے کی اخلاقی اقدار تیزی سے انحطاط کا شکار ہو رہی ہیں۔ ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز میں اس قسم کی حرکات معمول بنتی جا رہی ہیں۔''[21]

## آرٹ اکیڈمیاں

لاہور شہر کے مختلف علاقوں میں واقع شاپنگ پلازوں میں اداکاری سکھانے کے نام نہاد ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ ان اداروں نے آرٹ اکیڈمیوں کی آڑ میں عصمت فروشی کے اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ سکرین ٹیسٹ کی آڑ میں یہ ادارے نوجوان لڑکیوں کی تصاویر حاصل کر لیتے ہیں جنہیں بعد میں بلیک میل کر کے عصمت فروش بنا دیا جاتا ہے۔[22]

آرٹ کی آڑ میں ہونے والی عصمت فروشی کے متعلق ماہنامہ چترالی نے ایک تفصیلی مضمون شائع کیا ہے جس کے چند اقتباسات یہ ہیں: چند لڑکیاں سٹوڈیوز میں اثر و رسوخ استعمال کر کے وہاں ایک دو سین کر کے فلم ایکٹریس ہونے کا لیبل لگا لیتی ہیں۔ ان میں اکثریت کا تعلق قحبہ خانوں اور بازارِ حسن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ اکیڈمیوں کو صرف بکنگ آفس کے طور پر استعمال کرتی ہیں جس میں معقول کمیشن اکیڈمی مالکان کو بھی دیا جاتا ہے۔ یہ لڑکیاں آرٹ سیکھنے آنے والی لڑکیوں کو فلم اور اسٹیج پر کام دلوانے کا جھانسہ دے کر پھانس لیتی ہیں اور پھر ان کی آنٹی یا باجی بن کر جگہ جگہ ان کا جسم رہن رکھواتی ہیں۔

یہ لڑکیاں آرٹ کی آڑ میں کس طرح جسم فروشی کا دھندہ کرتی ہیں؟ جریدہ مذکور نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے: ''ع'' فلموں میں چھوٹے موٹے رول کرتی ہے۔ ڈانس سیکھنے کی غرض سے ایک اکیڈمی میں آتی ہے۔ اس نے کئی لڑکیوں کے ساتھ دوستی کر رکھی ہے اور ملنے والوں کو یہ بتاتی ہے کہ لڑکیاں اس کی کزن ہیں۔ کزنوں کو گاہکوں کے ٹھکانے پر پہنچانے کا 200 روپیہ سفر خرچ لیتی ہے اور لڑکیوں سے کمیشن الگ۔ اس پر بلیو پرنٹ بنوانے کا الزام بھی ہے۔ ''ن'' کا تعلق کسی دوسرے شہر کے سٹیج سے ہے یہ وہاں سے گاہک لے کر لاہور کی اکیڈمیوں میں آتی ہے اور لڑکیوں کو بک کر کے اپنے شہر لے جاتی ہے۔

''ف'' اپنے آپ کو فلم پروڈیوسر ظاہر کرتی ہے۔ اس کا رابطہ شہر کی تمام اکیڈمیوں سے ہے۔ گاہک آنے کی صورت میں ان اکیڈمیوں سے رابطہ قائم کرتی ہے اور لڑکی کو بک کر کے گاہک کے ہمراہ اپنی رہائش گاہ پر لے جاتی ہے۔

ایک اکیڈمی کے دلال نے انکشاف کیا کہ ہماری اکیڈمی کی لڑکیوں کی بکنگ ٹیلی فون پر ہوتی ہے۔ ہم ٹیلی فون پر بتائے گئے پتہ پر لڑکی پہنچا دیتے ہیں۔

''ج'' کا تعلق بھی ایک اکیڈمی سے ہے۔ یہاں پر ڈانس سیکھنے کے لیے آتی ہے۔ کمال کی ڈانسر ہے۔ اس کا رابطہ شہر کے مختلف ہوٹلوں کے مالکان سے ہے۔ یہ لڑکیاں ہوٹلوں میں سپلائی کرتی ہے۔''(23)

معلوم ہوا ہے کہ لاہور میں اس وقت تین بڑے ادارے ''حنا انٹرنیشنل واقع شریف پلازہ اچھرہ' آئی ایف پروڈکشن واقع شریف پلازہ اچھرہ اور بانو آرٹ اکیڈمی واقع ملتان روڈ نہایت ہوشیاری سے اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ ان اداروں کو

چلانے والے معمولی لوگ نہیں ہیں بلکہ ان میں بعض معروف صحافی ہیں' کچھ سیاسی پارٹیوں کے عہدے دار اور بعض نے سماجی خدمت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے جس کی آڑ میں وہ اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔

## ڈانس کلب

یورپ میں ڈانس کلبوں میں عصمت فروشی اسی طرح عام ہے جس طرح قحبہ خانوں میں۔ یورپ کی دیکھا دیکھی اب پاکستان میں بھی ان کا رواج عام ہو رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ رقص اونچی سوسائٹی میں بے حد مقبول ہو رہا ہے کیونکہ رقص جسم کو لوچ اور لچک بخشتا ہے جس سے حسن و رعنائی کو طویل عمر تک قائم رکھا جا سکتا ہے۔

رقص کی مقبولیت کے باعث اعلیٰ درجے کے نجی تعلیمی اداروں میں بھی رقص کی باقاعدہ کلاسیں لگنے لگی ہیں۔ ریمی منوالا ایک معروف رقاصہ ہے جو لڑکیوں کو اسکولوں میں رقص کے داؤ پیچ سکھاتی ہے۔ اسی طرح کانونٹ سکولوں میں بھی بچوں کو باقاعدگی سے رقص سکھایا جا رہا ہے۔

علاوہ ازیں رقص کی تعلیم کے الگ ادارے بھی وجود میں آ گئے ہیں۔ جن میں رقص کی تربیت کم اور عصمت فروشی کی ٹریننگ زیادہ دی جاتی ہے۔ مثلاً کراچی میں ایک ایسے ہی ڈانس کلب کا انکشاف ہوا ہے جو ایک مسجد کے قریب بنایا گیا ہے۔ اس کلب میں ہر رات شہر کی بڑی بڑی معروف ہستیاں خوبصورت رقاصاؤں کے رقص کے علاوہ ان کی قربت سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔

جب زمانے کے حالات کروٹ بدلتے ہیں تو معاشرتی انداز میں خود بخود تبدیلی آ جاتی ہے۔ کسی زمانے میں رقص و موسیقی صرف طوائفوں کا خاصا تھا۔ آج اعلیٰ طبقہ اس کا دیوانہ ہے۔ ان کی لڑکیاں بڑی تیزی سے رقص سیکھنے کی طرف مائل ہو رہی ہیں کیونکہ ان کی یہ صفت انہیں سوسائٹی میں مقبول بناتی ہے اور ان کی مانگ بڑھا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اونچے گھرانوں میں لڑکیوں کو رقص سکھانے کے لیے باقاعدہ ٹیوشن پر استاد رکھے جا رہے ہیں کچھ لڑکیاں مشہور رقاصاؤں کے ویڈیو کیسٹ خرید کر ان سے رقص کی تربیت حاصل کرتی ہیں تا کہ اونچی سوسائٹی میں وہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جا سکیں۔

رقص کی تربیت حاصل کرنے کے بعد کچھ لوگ ان لڑکیوں کو آرٹ کا مظاہرہ کرنے کے لیے بیرون ملک بھی لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ مڈل ایسٹ زیادہ جاتے ہیں وہاں جا کر ثقافت کا مظاہرہ تو برائے نام ہوتا ہے البتہ شرافت کا جنازہ ہر رات اٹھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ عصمت فروشی کے پیشہ کو دلکش اور مقبول بنانے کے لیے ڈانس کلب نہایت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ مون ڈائجسٹ کے مطابق پاکستانی رقاصاؤں میں یہ خوبی موجود ہے کہ وہ بیک وقت ڈانسر بھی ہیں اور جسم فروش بھی۔(24)

## سویپ کلب

امریکہ میں ایسے کلب عام ہیں جن میں نوجوان جوڑے باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی بیویوں کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ اب پاکستان میں بھی امراء کے لیے بعض ایسے کلب وجود میں آ چکے ہیں جہاں یہ عیش و نشاط کے لیے اپنی بیویوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ کرتے ہیں۔

مثلاً ماہنامہ ''حالات زمانہ'' کی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق: ''سیالکوٹ میں کچھ ایسے خفیہ کلبوں کا انکشاف ہوا ہے جہاں شراب و شباب کی محفلیں بڑے شوق سے سجائی جاتی ہیں۔ ان کلبوں کا رابطہ ملک کے دیگر بڑے شہروں کے ساتھ بھی موجود ہے۔ اونچی سوسائٹی کے لوگ ان کلبوں کی ممبر شپ حاصل کر کے کلبوں کے خفیہ ٹھکانوں پر اپنی ہم آغوشی اور عیش و نشاط کو یقینی بناتے ہیں۔ ان کلبوں میں مرد حضرات اپنی حقیقی بیویوں کے ہمراہ آتے ہیں اور اپنی رضامندی سے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی بیویوں کا تبادلہ کرتے ہیں جسے وہ بلڈ چینجنگ (Blood Changing) کا نام دیتے ہیں۔ خفیہ اور پراسرار قسم کا یہ دھندہ باقاعدہ ایک پیشہ اختیار کر چکا ہے۔

## نائٹ کلب

یورپ اور امریکہ کے نائٹ کلبوں میں فحاشی اور عریانی اپنی پوری کارفرمائیوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ان نائٹ کلبوں میں کام کرنے والی لڑکیاں مختلف طریقوں سے اپنے جسموں کا نذرانہ پیش کر کے امراء سے من مانی دولت وصول کرتی ہیں۔ چونکہ یہ لڑکیاں باریک بلاوز کے نیچے کچھ نہیں پہنتی اس لیے ان کا تمام گلابی بدن صاف صاف نظر آ جاتا ہے۔

ان کی چال ایسی مستانی ہوتی ہے کہ چلتے وقت ان کی جسمانی بلندیوں اور پستیوں کا گوشہ گوشہ رقص کرتا نظر آتا ہے۔ یہ لڑکیاں امراء کے دلوں پر بجلیاں گراتی ہیں اور اپنے جسم کی منہ مانگی قیمت وصول کرتی ہیں۔

پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں بھی کئی اس قسم کے نائٹ کلب کام کر رہے ہیں۔ اعلیٰ قسم کے ہوٹلوں میں امراء کے عیش ونشاط کے لیے ایسے نائٹ کلب بنائے گئے ہیں۔ مثلاً پیلس ہوٹل ہیں "Legourent" نائٹ کلب وغیرہ۔ ہوٹل ایکسلیز میں ایک نائٹ کلب کام کر رہا ہے۔ جہاں اونچی سوسائٹی کے لوگ نرم و نازک اور سڈول جسموں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

## (9) ''کی'' (KEY) کلب

کی کلب کئی ادوار سے گزری ہے۔ پہلے دور میں ممبر ایک لڑکی ساتھ لاتا تھا۔ کاروں کی چابیوں کے ذریعے ساتھی کا انتخاب ہوتا اور ممبران اپنے ساتھی کو لے کر واپس چلے جاتے۔ عوامی دور میں کلب کی مقبولیت میں بہت اضافہ ہوا۔ ''کی'' کلب کی پارٹیوں کے دو درجے تھے۔ اول درجے کی پارٹیوں میں صرف وفاقی وزراء اور ان کے ہمجولی شریک ہوتے۔ دوسرے درجے کی پارٹیاں صوبائی وزراء، افسران، تاجروں اور بڑے سرمایہ داروں کے لیے ہوتیں۔ کلب میں شوقین فنکاراؤں کے علاوہ چند بڑی بیگمات بھی یہ کارہائے نمایاں سرانجام دیتی رہیں۔

## مخلوط ورزش کے ادارے

لاہور، کراچی، اسلام آباد اور ملک کے بعض دیگر شہروں میں جسمانی ورزش کے ایسے بہت سے ادارے کھل گئے ہیں جہاں لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے ورزش کرتے ہیں۔ عام طور پر انہیں سلمنگ سنٹرز بھی کہا جاتا ہے۔ ان اداروں کے مالکان نے اپنے کاروبار کو چمکانے کے لیے ورزش کے بہانے نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں میں باہمی ملاپ کی جو آزادی دے رکھی ہے۔ فطرت کے عین مطابق انہوں نے اسے ورزش کے ساتھ ساتھ اپنی تفریح کا سامان بھی بنا لیا ہے۔

ایسے اداروں کا ایک سروے کے دوران پتہ چلا ہے کہ ورزش کے دوران اکثر

نوجوان لڑکے لڑکیاں بے ہودگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر آوازیں کستے ہیں اور انتہائی فحش گانے گاتے ہیں۔ کئی مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لڑکیاں ورزش کر کے تھک ہار کر بیٹھ جاتی ہیں تو منچلے نوجوان ان کو دبانے سے بھی اجتناب نہیں کرتے۔ بسا اوقات لڑکیاں بھی اپنے ساتھیوں کی ایسی ہی خدمت بجالاتی ہیں۔

تنہائی میں ان لمحات سے فائدہ اٹھانے والے لڑکے اور لڑکیاں جب اپنے ملنے والے دوستوں' عزیزوں اور سہیلیوں کی اس کھلی آزادی کے بارے میں بتاتے ہیں تو لذت گناہ کی طرف راغب ذہن ایسے اداروں کا فوری رخ کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایسے اداروں میں داخلہ حاصل کرنے لیے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو رہا ہے۔

چونکہ ان اداروں میں نوجوان جوڑوں کو علیحدگی میں کچھ وقت گزارنے کا معقول بہانہ مل جاتا ہے جس سے فائدہ اٹھا کر وہ ایک دوسرے کی قربت حاصل کر لیتے ہیں۔ جب وہ یہ عمل کئی بار دہراتے ہیں تو لذت گناہ کے مستقل عادی ہو جاتے ہیں۔ متوسط طبقے کی لڑکیاں ایسے اداروں کے عیاش ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لیے اپنی عصمت کے باقاعدہ دام وصول کرنے لگتی ہیں۔

ان اداروں میں لڑکیاں ورزش کے علاوہ ادویات بھی استعمال کرتی ہیں اور مشینوں کے ذریعے ایسا مساج بھی کرواتی ہیں جس کے باعث ان کا چہرہ چمک دار اور ٹائٹ رہتا ہے۔ ان ورزشوں کے بعد لڑکیاں عموماً پرکشش اور جاذب نظر دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں سے فائدہ اٹھانے والی اکثریت ایسی لڑکیوں کی ہے جو مشرقی انداز سے باغی ہیں۔ ان لڑکیوں کا تعلق عام طور پر متمول گھرانوں' بازار حسن' فلم انڈسٹری اور شوبزنس کی دنیا سے ہوتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ بعض فلمی اداکاروں نے بھی ایسے ادارے قائم کر رکھے ہیں جہاں ورزش کی آڑ میں عصمت فروشی کا دھندہ ہوتا ہے۔ اداکارائیں اپنی ملنے والی لڑکیوں کو اپنے سنٹروں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتی ہیں جسے لڑکیاں اس لیے اپنا لیتی ہیں کہ وہ اداکاروں کے خوبصورت اور سڈول جسم سے متاثر ہوتی ہیں۔ حکومت کی طرف سے چونکہ ایسے کسی ادارے کی رجسٹریشن نہیں ہوتی اور یہ سارا کاروبار باہمی رضامندی سے چل رہا ہے۔ اس لیے اس کی گود میں کئی گناہ پل رہے ہیں اور کئی عصمتیں نیلام ہو رہی ہیں۔[25]

## مساج سنٹرز

یورپی ممالک میں مالش کے لیے باقاعدہ مساج سنٹرز بنے ہوئے جہاں مرد اور خواتین دونوں مساج سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مساج کا اثر خون، رگوں اور پٹھوں پر بہت گہرا ہوتا ہے۔ جسم کے کمزور اور بے حس اعضاء پر مالش کرنے سے چستی پیدا ہوتی ہے، جسم کے مسام کھلتے ہیں اور انسان اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی طریقہ علاج آیورویدک اور انگریزی طب میں مساج کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔

مگر بدقسمتی سے یورپ میں ان مساج سنٹروں کی آڑ میں بھی دھندہ وہی ہوتا ہے جو قحبہ خانوں میں ہوتا ہے "مساج خانوں میں مساج دینے کا طریقہ کچھ یوں ہوتا ہے: اگر مساج مقصود ہو تو خدمت کے لیے موجود لڑکی آنے والے کو سب سے پہلے غسل خانوں میں غسل کے لیے بھیج دیتی ہے۔ جب وہ شخص غسل سے فارغ ہو جاتا ہے تو اسے ایک خاص کمرے میں لے جایا جاتا ہے۔ جو صرف مساج کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ یہاں یہ شخص لیٹ جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد ایک لڑکی مختصر دھجیوں میں اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ سفلی جذبات از خود بھڑکیں۔ پھر لڑکی اس کا جسم دبانے لگتی ہے اور ساتھ ساتھ ایسی حرکات وسکنات بھی کرتی ہے جن کا صاف مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ جسم دبانے کے علاوہ ہر خدمت کے لیے تیار ہے۔[26]

اب اس قسم کے مساج خانوں کا کراچی میں بھی انکشاف ہوا ہے۔ روزنامہ مشرق (ایوننگ اسپیشل) کی ایک خبر کے مطابق: بدنام زمانہ افغانی نژاد نجمہ آنٹی نے پولیس کی سرپرستی میں 14 خوبرو دوشیزاؤں کے ساتھ مل کر فحاشی کا اڈا اور مساج سنٹر کھول رکھا ہے۔ یہ مساج گھر محمد علی گوٹھ کے قریب واقع ہے۔ اس مساج سنٹر میں ایک پروگرام کے 50 روپے جبکہ پورے جسم کی مالش کے 200 روپے وصول کیے جاتے ہیں۔[27]

## پرائیویٹ سکولز

ملک میں بہت سے پرائیویٹ سکول غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ اگرچہ عصمت فروشی کا کاروبار سرکاری سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی عام ہے۔ تاہم پرائیویٹ سکولوں کے مالکان خواتین ٹیچرز سے تعلقات قائم کر کے انہیں دھندے پر مجبور کرتے ہیں۔ پرائیویٹ سکولوں میں عصمت فروشی کے متعلق روزنامہ جنگ کی ایک رپورٹ جو

شہر حافظ آباد کے پرائیویٹ سکولوں کے متعلق ہے دراصل ملک بھر میں کھولے جانے والے پرائیویٹ سکولوں کی عکاسی کرتی ہے:

رپورٹ کے مطابق: حافظ آباد کے بعض پرائیویٹ سکول فحاشی کے اڈے بن کر رہ گئے ہیں۔ چند سو روپوں کی تنخواہ پر بھرتی ہونے والی ٹیچرز لڑکیوں سے مکروہ دھندہ کرایا جا رہا ہے۔ تفصیلات کے مطابق' پولیس تھانہ سٹی حافظ آباد کے انچارج نے گزشتہ روز ایک پرائیویٹ کی ہیڈ مسٹریس (ف) اور ایف ایس سی (F.S.C) کی طالبہ (آ) کا سراغ لگا کر راولپنڈی کے ایک خفیہ مقام سے برآمد کر لیا اور دونوں خواتین کو جوڈیشل مجسٹریٹ حافظ آباد کی عدالت میں پیش کیا۔ دونوں نے "جنگ" کو بتایا کہ (ف) حافظ آباد کے ایک پرائیویٹ سکول میں ہیڈ مسٹریس تھی۔ سکول کے مالک نے پہلے خود تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی بعدازاں حافظ آباد کے ایک انتہائی بااثر گھر کے نوجوان کے حوالے کر دیا۔

ایک دن حافظ آباد کی بااثر شخصیت نے مجھے 20 ہزار کی پیشکش کی جس پر میں نے سکول چھوڑ کر ایک دوسرے پرائیویٹ سکول میں ملازمت کر لی۔ اس سکول کا ماحول پہلے سکول کی نسبت زیادہ خراب تھا۔

خاتون ٹیچر نے "جنگ" کو مزید بتایا کہ 90 فیصد پرائیویٹ سکولوں کے مالک خاتون اساتذہ سے جسم فروشی کراتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق: متعلقہ پولیس حافظ آباد کے ان بااثر افراد کے نام صیغہ راز میں رکھ رہی ہے جن کو سکولوں اور اور ہوٹلوں کی طرف سے بدکاری کے لیے بھاری معاوضہ کے عوض لڑکیاں سپلائی کی جاتی ہیں۔"(28)

معروف محقق مجاہد حسین ان سکولوں کے متعلق لکھتے ہیں:

ان سکولوں میں پڑھانے والی اَن ٹرینڈ لڑکیوں کو انتہائی کم تنخواہ پر ملازمت دی جاتی ہے۔ اس تنخواہ میں یہ لڑکیاں سارا دن سکول میں بچوں کو سنبھالتی اور ان کو اپنی بساط کے مطابق تعلیم دیتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر مڈل کے بعد کسی پرائیویٹ سکول میں ملازمت اختیار کرنے والی لڑکی کو 700 سے 800 روپے ماہوار پر ملازم رکھا جاتا ہے جبکہ میٹرک پاس لڑکی کو800 سے 1000 روپے تک ملازمت دی جاتی ہے۔ اس تنخواہ میں ان کا ذاتی گزارہ بھی ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ اس صورت میں ان کو سب سے زیادہ ضرورت جس چیز کی پڑتی ہے وہ روزانہ گھر سے نکلنے اور سکول تک پہنچنے کے لیے اچھا لباس' سکول میں دیگر ساتھی لڑکیوں کے سامنے

بچوں کو پڑھانے کے لیے اچھی تیاری' لیکن ان کی تنخواہ ان کو اس طرح کے چوچلوں کی اجازت نہیں دیتی۔ ظاہر ہے یہ لڑکیاں گھر سے ملازمت کرنے کے لیے نکلی ہوتی ہیں اور اگر یہ گھر میں اپنی تنخواہ وغیرہ نہیں دیں گی تو پھر ان کو کہیں کام کرنے کے لیے جانے کی بھی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہاں پر ان کو اخراجات پورا کرنے کے لیے یا تو سکول کے مالک کا مرہون منت ہونا پڑتا ہے یا پھر اپنے تعلقات کو وسعت دے کر ایسے لوگ تلاش کرنا پڑتے ہیں جو ان کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ یہ وہ موڑ ہے جہاں پر ایک کم پڑھی لکھی لڑکی بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے اور تیزی کے ساتھ باقاعدہ جسم فروشی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دستیاب وسائل اور سہولیات کے ساتھ جو تعلیمی ادارے شروع کیے جاتے ہیں ان کا کامیاب ہونا بھی تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ اس صورت میں سکولوں کے مالکان ایسے حربوں کی طرف سفر کرتے ہیں جن کے اختیار کرنے سے ان کو نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں ہوتا۔ زیادہ تر ان کے پاس یہ راستہ ضرور ہوتا ہے کہ اگر وہ اچھی تعلیم دے کر اچھا معاوضہ نہیں کما سکتے تو اچھے طریقے سے مجبور عورتوں کو منظم کر کے سکول کی آڑ میں ایک اچھا جسم فروشی کا اڈہ ضرور چلایا جا سکتا ہے۔ سو ایسا ہی ہوتا ہے اور سکول کے سائے تلے جسم فروشی کا کاروبار شروع کر دیا جاتا ہے۔ شروع میں پرنسپل یا مالک سکول یا مالکن کو اپنے لیے گاہک تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ مشکل بھی دور ہو جاتی ہے اور ان کو گاہکوں کی کمی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

گاہک تو راستہ چلتے مل جاتے ہیں۔ بس ان کو اچھی طرح سے اکاموڈیٹ کرنا باقی ہوتا ہے جو مالک یا مالکن کے پاس اچھی عمارت ہونے سے حل ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک سکول کی آڑ لے کر ان عمارتوں کے اندر داخل ہوتے ہیں لیکن اپنا کام کر کے اور معاوضہ ادا کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ اپنے گاہکوں کو پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی دیتے ہیں جس سے سکول کے بارے میں مقامی لوگوں میں ابہام پیدا ہونے کی گنجائش ختم کی جاتی ہے اور یوں پرائیویٹ تعلیمی ادارے جسم فروشی کے بہترین مراکز بن جاتے ہیں۔

ایک پرائیویٹ سکول کے پرنسپل نے بتایا کہ ہر وہ لڑکی جس کی تعلیم مکمل ہو چکی ہو یا ادھوری ہو اور اس کی وقت مقررہ پر شادی نہ ہو سکی ہو وہ پڑھانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس کا تعلق غریب گھرانے سے ہو۔ اس لیے کسی تربیت یا تجربے کی ضرورت نہیں۔ والدین تعلیمی اداروں کو خصوصاً محفوظ اور باعزت تصور کرتے ہیں اور اپنی لڑکیوں کو پڑھانے کی

اجازت دے دیتے ہیں۔ اول تو نوکری حاصل کرنے کا انحصار ہی اس خاموش معاہدے پر ہوتا ہے کہ ملازمت اختیار کرنے والی پرنسپل یا مالک سکول کی ہر خواہش کا احترام کرے گی کہ وہ سمجھ رہی ہوتی ہے کہ اس کے پاس نہ تو سکول کا مطلوبہ تعلیمی معیار ہے اور نہ ہی تجربہ ہے۔ اس لیے اس کو ملازمت دینے والے کی اس عمل میں خصوصی مہربانی بھی شامل ہے۔ جب اس طرح ملازمت دی جاتی ہے تو پھر اس لڑکی کا ہمیشہ کے لیے پرنسپل یا مالک کا مرہون منت رہنا لازمی ہوتا ہے۔ شروع میں ان کو کہا جاتا ہے کہ وہ پرنسپل یا مالک کی جنسی ضرورت کو پورا کرے۔ ایک خاص اطمینان کے بعد وہ اس کی جنسی خواہش اور ضرورت کا احترام کرتی ہے اور اپنے آپ کو ملازمت پر مستقل تصور کرتی ہے۔ اس کو یقین ہے کہ اگر اس نے اس عمل سے انکار کیا تو دراصل یہ ملازمت چھوڑ دینے کا ایک طرح سے اعلان ہوگا لہٰذا ملازمت چھوڑ دینے سے اس کو دوبارہ اسی گھر میں بیٹھنا ہوگا جہاں وہ زندگی کے مشکل ترین دن گزار رہی تھی اور پھر اس کی ذاتی آمدن بھی ختم ہو جائے گی لہٰذا یہ تصور اس کو ملازمت چھوڑنے نہیں دیتا اور وہ بہت زیادہ نفسیاتی و ذہنی کشمکش میں ملازمت ترک نہیں کرتی۔

اکثر اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ سکول کی انتظامیہ نے ملازمت کرنے والی خواتین کو مجبور کر کے ان سے جسم فروشی کا دھندہ کرایا۔ بعض اوقات انتظامیہ ان عورتوں کو محکمہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ افسران کو "خوش" کرنے کے بھیج دیتی ہے۔ ان اڈوں سے زیادہ تر حاصل ہونے والی آمدنی کا فائدہ بھی سکول کے مالکان کو ہی ہوتا ہے جبکہ مجبور عورتیں اس سے کچھ فائدہ بھی حاصل نہیں کر پاتیں۔ ان کو ان کی معمولی تنخواہ پر ہی گزارہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جبکہ ان کو استعمال کرنے والے لاکھوں روپے کما لیتے ہیں۔

## ویمن ہوسٹلز

پاکستان میں خواتین کے قیام کے لیے تین قسم کے ہوسٹل عصمت فروشی کے حوالے سے زیادہ بدنام ہیں۔ ان میں ایک قسم ورکنگ ویمن ہوسٹلز کی ہے۔ دوسری قسم میں کالج اور یونیورسٹیوں کے ہوسٹل آتے ہیں جبکہ تیسری قسم نرسنگ ہوسٹلز کی ہے۔ ان تینوں اقسام کے زنانہ ہوسٹلوں میں عصمت فروشی کے کاروبار کا الگ الگ تذکرہ کیا جانا ناگزیر ہے۔

ورکنگ ویمن ہوسٹلز: اس وقت پنجاب میں کئی ورکنگ ویمن ہوسٹلز مختلف شہروں میں

قائم ہیں۔ یہاں ملازمت کی آڑ میں جسم فروشی کا دھندہ چل رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے آپ نے ملتان میں ملازم پیشہ خواتین کے ہاسٹل کے متعلق اخبارات میں پڑھا ہوگا۔ یہ ہوسٹل ایم ڈی اے روڈ پر واقع ہے۔ شام ڈھلتے ہی حرام خور افسر اور پیشہ ور دلال ہوسٹل کا رخ کر لیتے ہیں اور پجارو گاڑیوں پر لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اس بات کا انکشاف ہوسٹل کے چوکیدار محمد نواز نے ایک عرصہ تک ہوسٹل کا جائزہ لینے کے بعد کیا۔

محمد نواز نے 9 ستمبر 1997ء کو ڈپٹی کمشنر، ڈی جی سوشل ویلفیئر اور سٹی مجسٹریٹ کو ایک درخواست کے ذریعے آگاہ کیا کہ وہ ہوسٹل میں چوکیدار ہے اس کے پاس ایک رجسٹر ہے جس میں ہوسٹل میں رہنے والی عورتوں کی آمدورفت کا اندراج کیا جاتا ہے۔ اپنے مہمانوں کے ساتھ باہر جانے والی لڑکیاں درست کوائف نہیں لکھواتیں۔ اس نے مزید لکھا کہ ان خواتین کا بڑی بڑی گاڑیوں میں غیر مردوں کے ساتھ جانا اور آدھی رات کے بعد واپس آنا ایک مشکوک فعل ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ ہوسٹل بدکاری کا اڈا بنا ہوا ہے۔

ایک ایئر ہوسٹس ''ب'' جس نے اپنے کمرے میں ٹیلی فون اور ڈش انٹینا لگا رکھا ہے۔ ایک سکول کی استانی ''خ ش'' کو بھی یہ سہولتیں میسر ہیں، سکول ٹیچر ''آم'' نرس ''ث'' اور موبائل فون کی ایک کمپنی میں کام کرنے والی ''ن'' اور ''ن ا'' کے علاوہ پرائیویٹ کلینک چلانے والی ''ز ن'' کی آمدورفت کی مکمل تفصیل بھی بطور ثبوت درخواست ہذا کے ساتھ منسلک کی جا رہی ہے۔

یہ عورتیں روزانہ شام 6 سے 7 بجے کے دوران مختلف گاڑیوں میں نکل جاتی ہیں اور رات کو گیارہ، بارہ کے بعد واپس آجاتی ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی واپسی دوسرے دن ہوتی ہے۔ (29)

چوکیدار کی درخواست کے بعد جب اس معاملہ کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ ایک مقامی بنک کا ڈپٹی مینیجر ''ع م'' موٹی اسامیاں گھیرنے کے لیے عورتوں کو لانے اور لے جانے کے لیے سوزوکی کار کو استعمال کرتا ہے اور اکثر شہر کے بڑے بڑے آدمیوں کے ساتھ ان عورتوں کے ہمراہ دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک دلال فاروق شہر کے بڑے افسروں کے لیے کام کرتا ہے۔ حاجن نامی خاتون شہر کی ایک بدنام نائیکہ ہے جس نے گل گشت کالونی میں فحاشی کا اڈا بنا رکھا ہے جہاں پر وہ ان لڑکیوں کی بکنگ کرتی ہے پھر ہوسٹل میں فون کر کے گاہک کی

گاڑی کا نمبر بتا دیتی ہے۔ وقت مقررہ پر یہ لڑکیاں گیٹ پر پہنچ جاتی ہیں۔

چونکہ ورکنگ ویمن ہوسٹلوں کا انتظام چلانا محکمہ سوشل ویلفیئر کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ ہوسٹل میں بدکاری کے حوالے سے جب یہ سوال محکمہ سوشل ویلفیئر کے ڈپٹی ڈائریکٹر سید جاوید حیدر جعفری سے کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ شکایت بہت پرانی ہے۔ لاہور میں بھی ایسی شکایات عام ہیں۔ معلوم ہوا کہ ملک میں جہاں کہیں بھی ایسے ہوسٹل موجود ہیں وہ سب کے سب عصمت فروشی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔

لاہور کے ایک ورکنگ ویمن ہوسٹل میں چند ماہ گزار کر واپس گھر بھاگ جانے والی صائمہ کوثر نے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ''اس شہر کے مختلف علاقوں میں قائم ملازمت پیشہ خواتین کے ہوسٹلوں میں قیام پذیر کچھ خواتین دن کو نوکریاں کرتی ہیں اور راتیں ملے گلے اور ڈیٹنگ (Dating) میں گزارتی ہیں۔ ان شریف زادیوں کو گھمانے پھرانے والے اگرچہ غیر مرد ہوتے ہیں مگر تاثر یہی دیا جاتا ہے کہ ان کے اپنے ہیں۔ یعنی کزن ہیں' بھائی ہیں یا انکل ہیں۔ ہوسٹل کے مکینوں کا ایک طبقہ وہ ہے جن کی اونچے حلقوں تک رسائی ہے۔ وہ صرف دکھاوے کی ملازمتیں کرتی ہیں۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جو لڑکی کل ماموں کے ساتھ گئی تھی آج چاچا کے ہمراہ جاتے ہوئے دکھائی دیتی ہے جبکہ کل والے ماموں کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ رات اس کی کسی رازدار سہیلی کے ساتھ گزارے۔ یہ نظارہ سب دیکھتے ہیں یہ ناٹک کھلے بندوں ہوتا ہے مگر کوئی کچھ نہیں کہتا' سب نظریں چرا لیتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ ویسے بھی میرا تجربہ ہے کہ اگر ان شرفا کے چہروں سے نقاب اتارنے کی کوشش کی جائے تو ہر بڑھنے والے ہاتھ کو جسم سمیت کچل دیا جاتا ہے یا اس قدر ذہنی اذیت دی جاتی ہے کہ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اندھا' گونگا اور بہرہ بن جانے پر مجبور ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ہونے ہی والا تھا کہ میں وہاں سے بھاگ آئی ہوں۔''(30)

صادق آباد کی محترمہ شہناز پروین نے بھی زنانہ ہوسٹلوں کے اندورن خانہ حالات کو موضوع بناتے ہوئے بعض ایسے تلخ حقائق سے پردہ اٹھایا ہے جو بظاہر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں اور شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس چاردیواری کے اندر پردے کو کس قدر بے دردی سے چاک کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جب سے پرائیویٹ ورکنگ ویمن ہوسٹلز کی تعداد میں

اضافہ ہوا ہے تب سے کسی قسم کی احتیاط روا نہیں رکھی جاتی۔ ہر ایرا غیرا شخص رشتے دار بن کر ہوسٹل کے دروازے پر آن کھڑا ہوتا ہے اور دو چار رسمی اور غیر رسمی ملاقاتوں کے بعد اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ میں نے اشاروں کنائیوں میں جو کچھ کہا ہے اس کا پس منظر بہت گھناؤنا ہے۔ کھل کر بات کروں گی تو زلزلہ آ جائے گا۔ لہٰذا اختصاراً صرف اتنا ہی کہوں گی کہ یہ ہوسٹلز عورتوں کی پاکدامنی کے رکھوالے نہیں رہے بلکہ ان کی عصمت کی نیلامی کے مراکز بن چکے ہیں۔(31)

گرلز کالج اور یونیورسٹیوں کے ہوسٹلوں میں بھی عفت و عصمت کی حالت بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ تعلیمی مدارس میں چونکہ طالبات پڑھی لکھی ہونے کے ساتھ ساتھ خوبرو اور نوجوان بھی ہوتی ہیں اور شوبزنس سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کی نسبت قدرے سستی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ڈیمانڈ بہت زیادہ ہے۔ ایسی شدید ڈیمانڈ کے باعث طالبات کے ہوسٹل فحاشی کے اڈوں کا روپ دھار چکے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور کی ایک طالبہ نے روزنامہ خبریں کے ایڈیٹر کو ایک خط لکھا تھا۔ جس سے کالج کے ہوسٹل میں ہونے والی غیر اخلاقی سرگرمیوں کے متعلق اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ خط کا متن کچھ اس طرح تھا:

''میں اس امید کے ساتھ آپ کو یہ خط لکھ رہی ہوں کہ شاید میری آواز سن کر کچھ کر سکیں اور مجھ سمیت بہت سی لڑکیوں کا بھلا ہو جائے۔

جناب عالی! والدین اپنی بچیوں کو ہوسٹل میں اس لیے بھیجتے ہیں کہ ہوسٹل کی چاردیواری میں ان کی لڑکیوں کی عزت و آبرو محفوظ رہے گی، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی بیٹیاں یہاں کس قدر غیر محفوظ ہیں یا وہ کس حال میں رہ رہی ہیں۔ جب یہ لڑکیاں اپنے ماں باپ کو ملتی ہیں تو مجبوراً انہیں ہرگز نہیں بتا سکتیں کہ وہ کس کے ہاتھوں کھلونا بن چکی ہیں اور ان کی عزت خاک میں مل چکی ہے۔ میں خود گزشتہ کچھ عرصے سے کسی کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر اپنی عزت کی نیلامی کرتی رہی ہوں۔''(32)

خط موصول ہونے کے بعد خبریں کی ایک ٹیم نے کالج کا سروے کیا اور سروے کے دوران خط میں لکھی ہوئی تمام باتوں کی تصدیق ہو گی۔ بعض لڑکیوں نے اپنا نام بتانے سے گریز کرتے ہوئے بتایا کہ یہاں بہت سی لڑکیاں بعض خواتین اور کرپٹ لڑکوں کے جھانسے

میں آ کر اپنی عزت نیلام کر چکی ہیں۔ بعض اوقات انہیں پھنسا کر قابل اعتراض تصاویر بنالی جاتی ہیں اور انہیں بلیک میل کیا جاتا ہے جبکہ کچھ لڑکیاں رضامندی سے عصمت فروشی کا کاروبار کرتی ہیں۔ اس قسم کی لڑکیاں چوکیدار کی ملی بھگت سے چھوٹے دروازوں کے ذریعے رات گئے تک باہر رہتی ہیں۔ بعض اوقات رات کو واپس بھی نہیں آتیں۔

اسی طرح رحیم یار خان کے کسی پسماندہ گاؤں سے تعلق رکھنے والی بشریٰ نامی ایک طالبہ نے نہ صرف گرلز کالجوں کے ہوسٹلز میں ہونے والے بے راہ روی کے واقعات سے پردہ اٹھایا ہے بلکہ اپنی آپ بیتی بھی بیان کی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی داستان غم کہاں سے شروع کروں۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ میرے شوق کے پیش نظر والد بزرگوار نے مجھے ایک میڈیکل کالج میں داخلہ دلوا کر ہوسٹل بھجوا دیا۔ گھر سے دوری کے باعث پہلے تو اجنبی ماحول میں میرا دل نہ لگا' مگر جلد ہی من موہنی صورتوں نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا شروع کر دیا۔ ان کے نرم و نازک ہاتھ تھامتے ہوئے میں نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ یہی ہاتھ میری بربادی کا سبب بنیں گے۔

میں ٹھہری ایک پسماندہ گاؤں کی سیدھی سادھی لڑکی' شہری آلائشوں سے بے خبر اور فیشن ایبل گھرانوں کی لڑکیوں کے داؤ پیچ سے ناواقف۔ میں شہری لڑکیوں کے چنگل میں ایسی پھنسی کہ اپنا آپ بھی گنوا بیٹھی۔ میں ان لڑکیوں کی ترغیب میں آ گئی جو سیر و تفریح اور آزادانہ میل ملاپ کو زمانہ طالب علمی کا حصہ خیال کرتی ہیں۔ مجھے انہوں نے اپنے رنگ سے اس قدر رنگین بنا دیا کہ ہر رات عزت کی نیلامی ہونے لگی۔ میں ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کے نام پر ارباب اقتدار سے فریاد کرتی ہوں کہ وہ تعلیمی اداروں اور زنانہ اقامت گاہوں کے تقدس کو پامال ہونے سے بچا لیں۔ (33)

## نرسنگ ہوسٹلز

نرسنگ ہوسٹلز میں نرسوں نے عصمت فروشی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اخبارات میں آئے دن نرسوں کے سکینڈلز منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ نرسوں میں عصمت فروشی کے رجحان کے حوالے سے ایک دفعہ راولپنڈی کے ایک ہسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر نواز نے بتایا کہ ایک مرتبہ پولیس نے ایک گیسٹ ہاؤس پر چھاپہ مارا تو وہاں عیش و نشاط کی گھڑیاں

گزارنے کے جرم میں ان کے ہسپتال کی 13 نرسیں پکڑی گئیں۔ جب میں نے ان کے خلاف محکمانہ کارروائی کرنے کی کوشش کی تو مجھے ایسے ایسے لوگوں کے ٹیلی فون موصول ہوئے کہ میں ششدر رہ گیا۔[34]

لاہور کے ایک بہت بڑے ہسپتال میں نرسوں کے بارے میں اکثر سکینڈلز شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ہسپتال شہر کے وسط میں واقع ہے اس کی میٹرن نے نرسوں کو کھلم کھلا جسم فروشی کی اجازت دے رکھی ہے اور ہر نرس سے باقاعدہ اپنا حصہ وصول کرتی ہے۔

''ملتان کے ایک بہت بڑے ہسپتال کی نرس نے بتایا کہ اس ہسپتال کی نرسیں بن بیاہی مائیں بننے کے خوف سے مانع حمل ادویات استعمال کرتی ہیں کیونکہ ہسپتال کی 70 فیصد نرسیں ناجائز دھندہ کر رہی ہیں۔[35]

اسی طرح ایک دفعہ لیاقت میڈیکل کالج ہسپتال جام شورو کی نرسوں کے متعلق میڈیکل سپرٹنڈنٹ ڈاکٹر ہادی بخش جتوئی نے بتایا کہ بعض نرسوں نے ہسپتال میں فحاشی کا اڈا قائم کر رکھا تھا' جب میں نے انہیں منع کیا اور ہوسٹل سے غیر ضروری طور پر غائب رہنے پر پابندی لگا دی تو انہوں نے میرے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا اور میرے خلاف سنگین الزامات لگانے شروع کر دیے۔[36]

تقریباً سبھی ہسپتالوں میں نرسوں کا یہی عالم ہے۔ یہ لڑکیاں بالعموم نرسنگ ہوسٹلز میں نہیں رہتی ہیں بلکہ ان کی رہائش گاہ بھی اپنے چاہنے والوں کی طرف سے فراہم کی گئی کوٹھیوں میں ہوتی ہے۔ بعض نرسوں نے مل کر جدید آبادیوں میں کرائے پر کوٹھیاں لے رکھی ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی ان اڈوں سے واقف ہیں لیکن وہ اس لیے ہاتھ نہیں ڈالتے کہ یہاں آنے جانے والوں کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔

## پرائیویٹ کلینک

بعض لوگوں نے پرائیویٹ کلینکوں کی آڑ میں عصمت فروشی کے اڈے کھول رکھے ہیں۔ اخبارات وقتاً فوقتاً ایسے کلینکوں کی نشاندہی کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً روزنامہ خبریں ایک ایسے ہی کلینک کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''حکیم عبدالحمید جگرانوی کا پولیس چوکی دھرم پورہ (لاہور) کے پاس کلینک تھا۔ اس نے کلینک کی آڑ میں عصمت فروشی کا اڈا قائم کر رکھا

تھا۔ ملزم اپنے اڈے پر سادہ لوح لوگوں کو بلاتا' حسین چہرے دکھا کر کاروبار میں سرمایہ کاری سے معقول منافع کا جھانسہ دے کر لوٹتا رہا۔ ان لوگوں نے اس سے سرمائے کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ملزم اپنا ٹھکانہ چھوڑ کر کچھ عرصہ کے لیے غائب ہو گیا اور پھر 165 ' لاہور روڈ صدر کینٹ میں دوبارہ وہی دھندہ شروع کر دیا۔

عرصہ 2 سال تک یہ حکیم کلینک میں بیٹھ کر کھلے عام فراڈ اور عصمت فروشی کا اڈا چلاتا رہا۔ ایک روز تھانہ گڑھی شاہو کی پولیس نے رات کے وقت حکیم صاحب کو اس کے کلینک سے گرفتار کر لیا۔ پولیس نے کلینک سے مختلف لڑکیوں کو بلیک میل کرنے والی آڈیو کیسٹ خطوط' فحش انگریزی رسالے اور ٹیلی فون ڈائری جس میں سینکڑوں لڑکیوں کے ٹیلی فون نمبرز تھے اپنے قبضہ میں لے لیے۔ ذرائع کے مطابق کلینک کے اندر خفیہ کمرے بنائے گئے تھے جو بدکاری کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔[37]

محترمہ شبنم سلطانہ نے ایسے پرائیویٹ کلینکوں کے متعلق قدرے تفصیل سے لکھا ہے وہ لکھتی ہیں: ''پاکستان کا کوئی ایسا شہر' قصبہ یا گاؤں ایسا نہیں جہاں کوالیفائیڈ ڈاکٹروں' حکیموں' نیم حکیموں اور عطائی ڈاکٹروں کے کلینک نہیں ہیں۔ بڑے شہروں میں ان کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے ان کلینکس پر عموماً دو سے لے کر 30 تک ایسی عورتوں کو ملازمت فراہم کی جاتی ہے جن میں سے کچھ کوالیفائیڈ نرسیں' دایہ اور دیگر تکنیکی کام کی ماہرین شامل ہوتی ہیں جبکہ ان کے ساتھ ساتھ ایسی عورتوں کو بھی ملازمت دی جاتی ہے جن کے پاس سوائے اچھی جنسی کشش کے کوئی دوسری تکنیکی مہارت نہیں ہوتی۔ اس قبیل کی عورتیں کلینکس کے مالک ڈاکٹروں' دیگر ملازمین اور اکثر اوقات دولت مند مریضوں اور ان کے لواحقین کو اپنا جسم قیمتاً پیش کرتی ہیں' یوں وہ اس مقدس پیشے کی آڑ میں مجبوراً اور عادتاً جسم فروشی کے دھندے سے منسلک رہتی ہیں۔

پاکستان میں سب سے زیادہ کلینک کراچی اور لاہور جیسے بڑے شہروں میں موجود ہیں جبکہ ان کی ایک بہت بڑی تعداد راولپنڈی' پشاور' کوئٹہ' فیصل آباد' ملتان' ڈیرہ غازی خان' حیدر آباد' سکھر' لاڑکانہ' سانگھڑ' میانوالی' سرگودھا' شیخوپورہ' سیالکوٹ' گوجرانوالہ' گجرات غرض دیگر شہروں اور قصبات میں موجود ہے۔ ان اداروں کا اولین مقصد سرکاری ہسپتالوں میں جگہ حاصل نہ کر سکنے والے اور اچانک بیمار ہو جانے یا حادثات کا شکار ہو جانے والے لوگوں کو طبی

سہولیات فراہم کر کے ان سے معاوضہ وصول کرنا ہوتا ہے۔ یہ الگ بحث ہے بلکہ الگ موضوع ہے کہ ان اداروں کی وساطت سے کتنے لوگوں کو کیسی طبی سہولیات کن نرخوں پر دستیاب ہوتی ہیں اور اس میں حکومت کی نااہلی کیا ہے اور سرکاری ہسپتالوں اور ان کے ڈاکٹروں کا کیا کردار ہے؟ ہمارے سامنے صرف ان نجی ہیلتھ کلینکس کا وہ کردار ہے جو اس تحقیق کا موضوع ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق 70 ہزار سے زائد پرائیویٹ کلینک اور مطب کراچی میں لوگوں کو صحت کی سہولیات فراہم کر رہے ہیں۔ ان کلینکس میں سے 80 فیصد ایسے ہیں جن میں ملازم عورتوں سے جنسی کام لیا جاتا ہے اور ان عورتوں کی اکثریت محض اس لیے ملازم رکھی جاتی ہے کہ وہ برائے نام اصل کام کے بجائے (جس کام کے لیے ان کو ملازم رکھا گیا تھا) ڈاکٹروں، مریضوں اور ان کے لواحقین کو جنسی عیاشی فراہم کریں۔ کراچی صدر، گلشن اقبال، کلفٹن، ناظم آباد، ملیر، لانڈی اور دیگر علاقوں میں ایسے مطب بھی ہیں جن میں لوگوں کی بڑی تعداد محض اس لیے بھرتی کی جاتی ہے کہ ان کو بیماری کی آڑ میں ہسپتال کے آرام دہ اور محفوظ کمروں میں جنس کا سامان مہیا کیا جائے۔ ایک سابق وزیراعظم کے خاوند پر الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے جیل سے علاج کی غرض سے کراچی کے ایک پوش علاقے میں واقع اپنے ذاتی دوست ڈاکٹر کے ہاں اپنی منتقلی کروائی۔ اس ہسپتال کے ایک کمرے میں فلم انڈسٹری کی ایک مشہور اداکارہ کے ساتھ دادِ عیش دیتے رہے اور ان کی اس ''عیش'' کا سلسلہ چار روز تک چلتا رہا۔ جب حفاظت پر مامور سرکاری عملے کو معلوم ہوا کہ ان کا ''مریض'' اداکارہ کے ساتھ راتیں گزار رہا ہے تو اداکارہ صاحب کو ''خوش'' کر کے لاہور واپس آ چکی تھی۔

کراچی کے علاقے کلفٹن میں واقع ایک اور پرائیویٹ ہسپتال میں ایک سابق گورنر اور ان کے فرزند ایک طویل عرصے تک عیاشی کرتے رہے۔ ذرائع کے مطابق یہ ہسپتال خصوصی طور پر ایسے مریضوں کو ڈیل کرتا ہے جن کا تعلق وی آئی پی طبقہ سے ہوتا ہے۔ اس ہسپتال کا مالک ایک کروڑ پتی شخص ہے جس نے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد آج تک پریکٹس نہیں کی لیکن اس نے کراچی کی بہترین ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر کے ایک شاندار کاروباری ادارہ بنا لیا ہے۔ ذرائع کے مطابق سابق وزیراعلیٰ نے اپنے اقتدار کا زیادہ تر وقت اس کے ہسپتال میں گزارا ہے۔ ہر تیسرے دن ان کی صحت خراب ہو جاتی اور وہ صوبے کی اعلیٰ

ترین انتظامیہ کو ہدایات اس ہسپتال سے جاری کرتے۔ اس دوران اس ہسپتال میں ان کی عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ انہی عیادت کرنے والوں میں مذکورہ ہسپتال کا مالک ڈاکٹر شاہ صاحب کی پسندیدہ عورت کو شامل کر دیتا جو کئی راتوں تک شاہ صاحب کی ''عیادت'' کرتی رہتی۔ جب شاہ صاحب عیادت کروا لیتے تو اچانک ہسپتال سے ان کو ''مکمل فٹ'' کا پروانہ جاری کیا جاتا اور ساتھ ہی ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا کہ جب وہ اگلی مرتبہ ''بیماری'' کی حالت میں تشریف لائیں گے تو ان کو پہلے سے بہتر ''عیادت کنندہ'' دی جائے گی۔

اس ہسپتال میں دیگر اہم ترین شخصیات بھی ''عیادت'' کروانے کے لیے گاہے بگاہے تشریف لاتی رہتی ہیں۔ ذرائع کے مطابق ہسپتال کی انتظامیہ ان اعلیٰ عہدے داروں کی ''عیادت'' کے لیے ٹیلی ویژن کی اداکاراؤں' یونیورسٹی اور کالجوں کی حسین طالبات کی خدمات حاصل کرتی ہے۔ بعض اوقات مہمان شخصیات خود خواتین ڈاکٹرز میں سے کسی ایک کو ''عیادت'' کے لیے منتخب کر لیتی ہیں جبکہ اکثر ان کو باہر سے مال فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ تو محض اس ہسپتال کی روداد تھی جو کراچی شہر کی اشرافیہ کو ''صحت'' کی اعلیٰ سہولیات فراہم کرتا ہے اور بدلے میں بھاری معاوضہ اور مراعات حاصل کرتا ہے۔

کراچی کے دیگر پرائیویٹ ہسپتالوں اور کلینکس پر کام کرنے والی عورتوں کے ساتھ جس طرح سلوک کیا جاتا ہے اور ان کو جس طرح جسم فروشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یہی طریقہ لاہور اور دیگر بڑے شہروں کے ہسپتال اور کلینکس بھی اختیار کرتے ہیں۔ ہسپتالوں میں ملازمت کرنے والی خواتین کو عموماً رات کی شفٹ کے لیے زیادہ بہتر خیال کیا جاتا ہے اور ان کو ان کی ظاہری شکل صورت کے پیش نظر رات یا شام کی شفٹ میں لگایا جاتا ہے۔ ایسی عورتوں کے ساتھ عموماً ان کے انچارج ڈاکٹر جنسی تعلقات استوار کرنے کی اولین کوشش کرتے ہیں جس میں 90 فیصد سے زیادہ کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اگر ڈیوٹی پر موجود کسی خاتون ملازم کی ''نااہلی'' کی سفارش کوئی ڈیوٹی انچارج ڈاکٹر کرے گا تو اس شکایت کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ خاتون نے شکایت کنندہ کو گھاس نہیں ڈالی اور اگر ایسی صورتحال نہ پیش آئے تو پھر باہمی ''تعاون'' کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پرائیویٹ ہسپتالوں اور کلینکس میں خواتین کو ملازمت دیتے وقت اس بات کا یقین کر لیا جاتا ہے کہ پاس کی جانے والی خواتین میں ''مطلوبہ معیار'' پر پورا اترنے کی کتنی صلاحیت

ہے۔ اگر یہ خواتین پاس ہو جائیں لیکن ''مطلوبہ معیار'' پر پورا نہ اتر سکیں تو انہیں جلد ہی کسی دوسرے ہسپتال یا کلینک پر رجوع کرنے کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ نرس کی زندگی انتہائی حسرت ناک بلکہ عبرتناک زندگی ہے۔ اس کی ڈیوٹی میں بھی اس سے ہونے والی کوتاہی کو برداشت نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ڈیوٹی کے علاوہ باقی معاملات میں اس کے عدم تعاون کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ اصل میں نرس کی زندگی کا خوفناک المیہ یہ ہے کہ اس کو ایک ہمدرد طبی معاون کے بجائے ایک شدید ترین جنسی خواہش کی حامل نوجوان لڑکی سمجھا جاتا ہے جو جلد ہی جنسی عمل کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ مڈل کلاس میں نرس کا شعبہ اختیار کرنے والی لڑکی کو بدکردار، بولڈ اور جدیدیت کی طرف مائل بے حیا لڑکی تصور کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نرس جیسا مقدس پیشہ اختیار کرنے والی خواتین میں زیادہ تر پسماندہ طبقات کی عورتیں شامل ہوتی ہیں۔ اگر دوسرے لفظوں میں نرس کے پیشے کی پاکستان میں رائج تعریف کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شریف عورت اس پیشے کو اختیار نہیں کر سکتی۔ لوگوں کی بڑی تعداد محض ہسپتالوں کا چکر اس لیے لگاتی ہے کہ جنسی عمل کی بھوکی نرسیں ان کی طرف رجوع کریں گی اگر محض نرسوں کی معاشرے میں جگہ اور ان کی خاندانی زندگی اور شادیوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جائیں تو حیران کن انکشافات سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی بھی مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والا نوجوان اپنی خوشی کے ساتھ نرس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ اس کو اپنے خاندان اور رشتہ داروں سمیت اہل محلّہ کے طعنوں اور نفرت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لوگ اس کے بارے میں خیال کریں گے کہ اس کو کسی شریف خاندان میں رشتہ نہیں ملا اس لیے اس نے ایک نرس کے ساتھ شادی کی ہے۔

سماجی سطح پر نرس کے بارے میں اس طرح کا خیال ہونے کی بڑی وجہ اس کی نامحرم لوگوں کی خدمت اور دیکھ بھال جیسے امور پر مبنی ڈیوٹی ہے۔ عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان لڑکی غیر مردوں کی دیکھ بھال اور ان کی مرہم پٹی وغیرہ نہیں کر سکتی۔ عورت غیر محرم مردوں کے ساتھ اس قدر آزادی کے ساتھ نہیں مل سکتی جس طرح ایک نرس روزانہ سینکڑوں لوگوں سے ملتی ہے۔ نرس کو پوری پوری رات غیر محرم ڈاکٹروں کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے اس لیے اس کام کو بھی ایک عام خاندان برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ ایک نرس غیر محرم مردوں کو بعض اوقات برہنہ دیکھتی ہے اور ان کے جسموں کو ہاتھ لگاتی ہے جبکہ عام زندگی میں

اس طرح نہیں ہو سکتا۔

یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ کسی پرائیویٹ ہسپتال میں ملازم نرسوں کو کسی قسم کے جنسی تشدد کا سامنا نہ ہو۔ نرسوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے والوں کی چونکہ ایک بڑی اکثریت ہر وقت دستیاب ہوتی ہے اور دوسرے عموماً ان کی تنخواہ بہت کم ہوتی ہے اور ان کو بعض اوقات ایسی شفٹ میں لگایا جاتا ہے جہاں ان کو غیر محفوظ ہونے کا بہت زیادہ احساس ہوتا ہے۔ چونکہ ان کا تعلق عموماً غریب گھرانوں سے ہوتا ہے اس لیے ان کو پیسے وغیرہ اور بہتر ملازمت کا جھانسہ دے کر جنسی تعلقات کی طرف راغب کیا جا سکتا ہے۔

نرسوں کے حوالے سے ایک بہت اہم بات جو بہت زیادہ قابل افسوس اور قابل مذمت بھی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان میں نرسوں کی ایک بڑی تعداد مسیحی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کا تعلق ایسے مسیحی خاندانوں سے ہوتا ہے جو عموماً غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزارتے ہیں۔ یہ لڑکیاں پوری محنت کے ساتھ اپنی ملازمت کرتی ہیں لیکن اکثر ان کو سرکاری ہسپتالوں میں نوکری نہیں دی جاتی۔ سوائے مشن کے ہسپتالوں کے کرسچین نرسوں کو بہت کم ملازمت دی جاتی ہے۔ ایک ایسی عورت کا نرس ہونا اور دوسرا اس کا غیر مسلم ہونا اس کو مزید غیر محفوظ بنا دیتا ہے۔ اس کو جگہ جگہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تقریباً اسی طرح کی صورتحال لاہور کے ہسپتالوں میں بھی ہے۔ پرائیویٹ ہسپتالوں میں نرسوں کو عموماً جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان میں سے اکثر اپنے بارے میں قائم شدہ عمومی تاثر کو نفسیاتی طور پر قبول کر کے جسم فروشی کی طرف عملی طور پر آ جاتی ہیں۔ بہت ہی کم تنخواہوں اور سہولیات کی عدم موجودگی میں ان کو بے تحاشا مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کم تنخواہوں اور عمومی رویے کی وجہ سے وہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ جنسی تعلقات کو ترجیح دیتی ہیں جو ان کے مالی مسائل کو کم کر سکے اور ان کو تحفظ دے سکے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کیونکہ کوئی بھی ان کے ساتھ شادی کر کے زندگی گزارنے کو تیار نہیں ہوتا اور محض ان کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کر کے وقت گزارنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

لاہور کے تقریباً چالیس سے زیادہ پرائیویٹ ہسپتالوں اور کلینکس میں نرسیں جسم فروشی کا باقاعدہ دھندہ کرتی ہیں۔ ان کو پہلے بااثر لوگ اور ہسپتالوں کے مالکان اس طرف لاتے ہیں اور پھر جب ان کے تعلقات کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے تو عموماً ان کو ہسپتالوں سے

فارغ کر دیا جاتا ہے۔

کئی ایسے ہسپتال بھی ہیں جن میں خاص طور پر تیار کرائے گئے کمروں میں نرسیں جسم فروشی کرتی ہیں اور ان کے گاہک مریضوں کے طور پر ان ہسپتالوں میں داخل ہوتے ہیں اور ان کو جو کمرے دیئے جاتے ہیں وہاں نرسیں ان کی جنسی خواہش کی تسکین کرتی ہیں۔ ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ نرسوں کے ساتھ جو ناروا سلوک روا رکھا جاتا ہے اس کی بڑی وجہ نرسوں کا غریب خاندانوں سے تعلق ہوتا ہے۔ لوگ ان کے ساتھ جھوٹ بول کر ان کو اپنے دام میں پھنسا لیتے ہیں اور پھر وہ ان کی تمام جائز ناجائز خواہشات پوری کرتی رہتی ہیں۔ اس نے مزید بتایا کہ میں نے آج تک کوئی پرائیویٹ یا سرکاری ہسپتال ایسا نہیں دیکھا جہاں ڈیوٹی ڈاکٹر ان کے ساتھ جنسی زیادتی نہ کرتے ہوں لیکن میں نے اپنے پندرہ سالہ کیریئر میں آج تک نہیں سنا کہ کسی ڈاکٹر نے کسی نرس کے ساتھ شادی کی ہو۔ جب ایک اچھی معاشی وسماجی حالت کا حامل ایک بے چاری مجبور نرس کے ساتھ اپنا ''عشق'' ظاہر کرتا ہے تو یہ نرس کی زندگی کا شاید حسین ترین لمحہ ہوتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں دراصل یہ لمحہ اس کی زندگی کا بدترین اور منحوس ترین لمحہ ہوتا ہے کیونکہ وہ آنے والے حالات کے بارے میں بے خبر ہوتی ہے۔ چند ماہ تک وہ نرس ہواؤں میں رقص کرتی پھرتی ہے لیکن جب مذکورہ ڈاکٹر کو اس سے بہتر کوئی نرس ملتی ہے تو وہ ایک دم اس کو زمین کی گہرائیوں میں دھکیل دیتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر موصوف اس کی جنسی زندگی میں ہلچل پیدا کر چکے ہوتے ہیں لہٰذا وہ اس کیفیت سے باہر نہیں آ سکتی۔ کوئی دوسرا اس کو سہارا دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو اچھا رشتہ ملنے کی امید ہوتی ہے لہٰذا وہ جلد ہی ایسے لوگوں کے جال میں پھنس جاتی ہے جو اس کے جسم کا استعمال ایک مشین کی طرح کرتے ہیں۔ مذکورہ ڈاکٹر صاحب کے بقول شاید 2 فیصد نرسیں اس کربناک صورتحال سے مکمل طور پر بچنے میں کامیاب رہی ہوں جبکہ 98 فیصد کے ساتھ ہمیشہ یہی المیہ رونما ہوتا ہے۔

جن نرسوں کے ساتھ دھوکہ ہوتا ہے وہ ردعمل کے طور پر یا نفسیاتی طور پر اس گرداب میں پھنس جاتی ہیں اور کوئی ان کو نکالنے والا نہیں ہوتا۔ وہ باقاعدگی کے ساتھ جسم فروشی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔ چونکہ ہسپتالوں کی مخصوص صورتحال کے پیش نظر ان کو گاہکوں کی کمی محسوس نہیں ہوتی اس لیے ان کی جب تک جسمانی صورتحال ٹھیک رہتی ہے انہیں ''کام'' ملتا رہتا ہے۔ ان کی زندگی کا آخری کربناک لمحہ وہ ہوتا جب ان کے بارے میں محسوس کیا

جانے لگتا ہے کہ وہ جسم فروشی کے قابل بھی نہیں رہیں اور لوگ ان سے کنارہ کش ہونے لگتے ہیں۔ اول تو جسم فروشی کا دھندہ کرنے والی نرسوں کی شادی نہیں ہو پاتی اور اگر کسی طرح ان کی شادی ہو جائے تو ڈیوٹی کے غیر متوازن اوقات اور ڈیوٹی کی نوعیت کے ساتھ ساتھ ان کا سابقہ ریکارڈ انہیں ہر وقت اس احساس میں مبتلا رکھتا ہے کہ ان کی ازدواجی زندگی کامیاب نہیں ہو سکے گی اور ایک نہ ایک دن ان کو اس لمحے کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے جب ان کی ازدواجی زندگی واقعی ختم ہو جاتی ہے۔

نرسوں کے علاوہ دوسرا شعبہ جو اپنے کام کی نوعیت سے ہی ناپسندیدہ قرار دیا جاتا ہے وہ دایہ کا ہے دایہ کے طور پر کام کرنے والی عورتوں کو عموماً ٹھیک کردار کی حامل نہیں سمجھا جاتا۔ ان کے پیشے کے پیش نظر یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ چونکہ ان کی مہارت گائنی کے حوالے سے ہے اور ان کی ذاتی معلومات اس حوالے سے بہت زیادہ ہوتی ہیں لہٰذا یہ عورتیں ان معلومات کے باعث خود بخود جنسی تعلقات کی دلدل میں دھنستی چلی جاتی ہیں۔ ایک تاثر یہ بھی ہے کہ یہ عورتیں ناجائز تعلقات کی حامل عورتوں کو اولاد پیدا نہ ہونے دینے کے بہتر طریقے بتاتی ہیں اور اگر ان کے ہاں اولاد پیدا ہو جانے کا اہتمام ہو یا وہ حاملہ ہو جائیں تو یہ ان کی ناجائز اور غیر قانونی مدد کر کے ان سے بھاری رقوم بٹورتی ہیں۔ ایک خیال یہ بھی عام لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ دایہ کے طور پر کام کرنے والی عورتیں چونکہ اسقاط حمل کے غیر قانونی عمل کے ذریعے پیسے کماتی ہیں اس لیے ان کا براہ راست تعلق جسم فروش عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہیں سے یعنی اسی تعلق کی مناسبت سے ان کا رابطہ جسم فروشی کے اداروں تک اور ان اڈوں کو چلانے والوں سے ہوتا ہے اور یہ بہت جلد جسم فروشی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔

لاہور میں صفیہ نامی کلینکس کے ایک بڑے کاروباری ادارے کو اس سلسلے میں مثال کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ صفیہ کلینکس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہاں نرسیں اور دایہ عورتیں غیر قانونی طور پر اسقاط حمل کے کاروبار سے منسلک ہوتی ہیں اور یہ عورتیں خود بھی جسم فروشی کے کاروبار کا ایک حصہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ لاہور کے بعض پرائیویٹ کلینکس اور ہسپتالوں میں کام کرنے والی دایہ عورتیں باقاعدہ جسم فروشی کا دھندہ کرتی ہیں۔ ان عورتوں کا براہ راست رابطہ گاہکوں اور جسم فروشوں کے ساتھ ہوتا ہے جس کو یہ اپنے حالات بہتر کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوئے اس کام میں شامل ہو جاتی ہیں۔ لیکن زیادہ تر اس قسم کی عورتیں

رابطے اور سپلائی کا کام کرتی ہیں اور اپنا حصہ وصول کرتی ہیں۔

ایک مقامی باشندے نے بتایا کہ صفیہ کلینکس اور دوسرے پرائیویٹ گائنی ہسپتالوں میں ملازمت کرنے والی زیادہ تر عورتیں جسم فروشی کا دھندہ کرتی ہیں۔ لوگ ان کو ہسپتالوں میں فون کر کے اپنے ٹھکانوں پر بلا لیتے ہیں یا ہسپتالوں میں خود پہنچ کر ان کے جسموں کا حصول ممکن بناتے ہیں۔ ان ہسپتالوں اور کلینکس کو عموماً پولیس کا مکمل تحفظ اور تعاون حاصل ہوتا ہے اور ان اداروں پر کبھی کوئی چھاپہ نہیں پڑتا اور نہ ہی یہاں ناجائز کام کرنے والوں کو روکا جا سکا ہے۔

پرائیویٹ ہسپتالوں اور کلینکس میں کام کرنے والی نرسیں زیادہ ہسپتالوں میں آنے والے لوگوں میں سے اپنے گاہک پسند کرتی ہیں اور پھر اپنی ڈیوٹی کے خاتمے پر ان کے ساتھ انجانی منزلوں کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔ ذرائع کے مطابق اوباش نوجوانوں اور عیاش افراد کی ایک بڑی اکثریت اس خیال کے تحت نرسوں وغیرہ کے ساتھ جنسی تعلقات کو ترجیح دیتی ہے کہ ان کو جنسی معاملات میں خصوصی مہارت حاصل ہوتی ہے۔ لوگوں کے خیال میں ان کے ساتھ جنسی تعلقات رکھنے میں بڑا تحفظ اور اطمینان یہ ہوتا ہے کہ انہیں ان تمام طبی حفاظتی تدابیر کے بارے میں معلوم ہوتا ہے جو عام پیشہ ور عورتوں کو نہیں معلوم ہوتا اور ان کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے سے نہ صرف عام آدمی زیادہ سکون اور لذت حاصل کر سکتا ہے بلکہ اس کو یہ خدشہ بھی نہیں رہتا کہ اس کی ساتھی حاملہ ہو جائے گی اور اس صورت میں اس کے لیے مسائل پیدا ہوں گے۔

ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ لاہور میں بعض ایسی دایہ اور نرسیں بھی ہیں جو گائنی کے معاملات میں خاص مہارت رکھتی ہیں اور وہ باقاعدہ معاوضہ لے کر جسم فروشی کا پیشہ کرنے والی عورتوں کا ایک خاص مدت کے دوران معائنہ کرتی ہیں اور ان کو مشورے اور ادویات فراہم کرتی ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ شازیہ نام کی ایک دایہ لاہور میں قائم جسم فروشی کے اڈوں پر کام کرنے والی عورتوں کا ہفتہ وار معائنہ کرتی ہے، ان کو ان کی صحت کے لیے اور گائنی مسائل کے بارے میں مشورے دیتی ہے اور ادویات تجویز کرتی ہے۔ شازیہ اس کام کا بھاری معاوضہ وصول کرتی ہے اور اس کی مہارت کے چرچے جسم فروش عورتوں اور طوائفوں میں عام ہیں۔

اگر "دیگر کاموں کی آڑ میں جسم فروشی" کے دھندے میں کسی شعبے کو اولیت دی

جا سکتی ہے تو وہ طب کا شعبہ ہے جہاں ملازم عورتیں عموماً جسم فروشی کے دھندے میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ ان کا اصل کام بھی چلتا رہتا ہے۔ بعض ذرائع کے مطابق کراچی، لاہور، فیصل آباد اور اسلام آباد میں کئی ایسے ہسپتال اور کلینکس موجود ہیں جہاں علاج کرانے والے لوگوں کی تعداد کم جبکہ اس کے بہانے جسم فروش عورتوں سے مستفید ہونے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اسلام آباد کے ایک سیکٹر میں ایسا پرائیویٹ ہسپتال بھی ہے جو صرف کشمیر سے تعلق رکھنے والے امیر اور عیاش لوگوں کو سہولیات فراہم کرتا ہے اور اس ہسپتال میں زیادہ تر افغان مہاجر خواتین جسم فروشی کا دھندہ کرتی ہیں۔ اس ہسپتال کا مالک ایک عام آدمی ہے جس نے چھ سات ڈاکٹر اور ایک درجن سے زائد جسم فروش عورتوں کو نرسوں کے طور پر بھرتی کر رکھا ہے۔ ذرائع کے مطابق اس ہسپتال میں ہر وقت کشمیر سے آئے ہوئے ''جنسی مریضوں'' کا ہجوم رہتا ہے اور یہاں کمرہ حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ ایڈوانس بکنگ کروانا پڑتی ہے۔ مقامی پولیس کو اس ہسپتال کے اصل دھندے کے بارے میں معلوم ہے لیکن ہسپتال کا مالک تھانے میں معقول رقم ہر ماہ بھیج کر پولیس کو ہسپتال سے دور رکھتا ہے۔

راولپنڈی میں ایک ایسا پرائیویٹ ہسپتال ہے جس کی فیس دوسرے ہسپتالوں سے تین گنا ہے لیکن یہاں عام طبی سہولیات اور ماہر عملہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس ہسپتال کی زیادہ فیس کا راز اس کے مخصوص مریض ہیں اور ان مریضوں کو بہم پہنچائی جانے والی خصوصی ''سہولیات'' ہیں۔ اس ہسپتال میں شوقین لوگ جوق در جوق آتے ہیں اور اپنا ''علاج'' کئی کئی دن تک کراتے رہتے ہیں۔ ایک گاہک کو کم از کم تین دن اور راتیں یہاں داخل ہونا پڑتا ہے اور اس کو راولپنڈی کے کالجوں کی طالبات اور دیگر نوجوان عورتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ جب مریض ''ٹھیک'' ہو کر واپس جاتا ہے تو کاؤنٹر پر اس کو 30 سے 40 ہزار روپے کا بل ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس ہسپتال کا مالک ایک غیر معروف ڈاکٹر ہے جس کی بیوی بھی ڈاکٹر ہے اور دونوں پوری محنت اور جانفشانی کے ساتھ مریضوں کا ''علاج'' کرتے ہیں۔ ان کے ہسپتال کے لیے جو عورتیں لڑکیاں تلاش کر کے لاتی ہیں ان کو بہت زیادہ کمیشن دیا جاتا ہے اور ان کی دیگر ضروریات کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

اگر صرف ہسپتالوں اور پرائیویٹ کلینکس میں ہونے والی جسم فروشی کے بارے میں ہی مکمل تحقیق کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ہسپتالوں کی بہت زیادہ

تعداد صرف اس ایک مخصوص دھندے میں ملوث ہے اور جن لوگوں کا ان ہسپتالوں میں ''علاج'' ہوتا ہے ان کا تعلق اس ملک کی اشرافیہ سے ہے۔ ان کو جو لڑکیاں فراہم کی جاتی ہیں ان کا تعلق بھی عام گھرانوں کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ان میں بھی کئی بڑے گھرانوں اور خاندانوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں ہوتی ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے بخوبی جانتے ہیں کہ ان ہسپتالوں میں کیا ہوتا ہے لیکن ان کو کس طرح روکا جاتا ہے اور کس طرح ان کا منہ بند کیا جاتا ہے یہ بھی ایک مکمل داستان ہے لیکن آج تک اس بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا اور نہ ہی ابھی تک کچھ منظر عام پر آسکا ہے۔ تحقیق کرنے والے اور دیگر لکھنے والے اس طرف اگر توجہ بھی دیں تو ان کا رویہ تنقیدی ہوتا ہے اس لیے وہ بہت سی اصل معلومات تک نہیں پہنچ سکتے اگر یہ رویہ ہمدردانہ ہو تو پھر شاید زیادہ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ (37)

## میرج بیوروز یا شادی دفاتر

شادی بلاشبہ ہمارے معاشرے میں ایک انتہائی اہم اور حساس مسئلہ ہے' صرف لڑکی والوں کے لیے نہیں بلکہ لڑکے والے بھی اچھی لڑکی کی تلاش میں بعض اوقات مارے مارے پھرتے ہیں۔ پہلے یہ کام ''وچولنیں'' سرانجام دیتی تھیں مگر اب اس مقصد کے لیے جگہ جگہ میرج بیوروز وجود میں آگئے ہیں۔ اگر یہ کام خلوص نیت سے سرانجام دیا جائے تو یہ بڑی انسانی خدمت ہے مگر افسوس ہے کہ اس مقدس پیشے میں بھی مبینہ طور پر ایسے لوگ شامل ہو چکے ہیں جو نہ صرف اخبارات میں پرکشش اشتہارات کے ذریعے لوگوں کو بیوقوف بنا کر ان سے رقم بٹورتے ہیں بلکہ نوجوان نسل کے اخلاق و کردار کو بھی خراب کر رہے ہیں۔

''یہ لوگ شادی دفاتر کی آڑ میں باقاعدہ دھندہ چلا رہے ہیں۔ عصمت فروش لڑکیاں ان کو اپنے ایڈریس اور ٹیلی فون نمبرز فراہم کر دیتی ہیں تاکہ ضرورت کے وقت انہیں طلب کیا جاسکے۔ بعض شادی دفاتر میں کام کرنے والی خوبصورت اور چاق و چوبند لڑکیوں سے بھی عصمت فروشی کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ لڑکیاں اپنے اردگرد رہنے والی کنواری لڑکیوں سے شادی کروانے کے بہانے رابطہ قائم کر کے انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔'' (38)

جناب مجاہد حسین نے لکھا ہے کہ ''ان شادی دفتر والوں نے کمیشن پر رشتے تلاش

کرنے والی عورتیں بھرتی کر رکھی ہوتی ہیں جو دراصل اس کام کی آڑ میں جسم فروشی کرتی ہیں۔ یہ عورتیں پیشہ ور جسم فروش ہوتی ہیں اور رشتہ کی تلاش میں آنے والوں کو پھنسا کر دھندہ کرتی ہیں۔ ان عورتوں کو عموماً شادی دفاتر کی مالکن عورتوں نے اپنے گھروں میں جسم فروشی کے لیے جگہ فراہم کر رکھی ہوتی ہے جہاں یہ گاہک کو لے جا کر دھندہ کرتی ہیں۔ اسی طرح شادی دفاتر کی مالکن ایک جسم فروش خوش شکل عورت کو منیجر کے طور پر بھرتی کرتی ہے جو دفتر میں آنے جانے والوں اور فون کرنے والوں کو جسم پیش کرتی ہے۔ دراصل شادی دفتر ایک نیک سماجی کام کی آڑ میں جسم فروشی کا اڈہ ہوتا ہے اور یہ امر ان کے مخصوص اور گنے بندھے گاہکوں کو معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے جاننے والے لوگ ان کے ساتھ نام نہاد شادی دفاتر کی آڑ میں جنس فروشی کے عمل سے وابستہ رہتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کراچی میں اس طرح کے شادی دفاتر کی تعداد 50 سے زائد ہے جبکہ لاہور میں ان کی تعداد 30 ہے جہاں اس کام کی آڑ میں جسم فروشی کا دھندہ کیا جاتا ہے۔

ایک پیشہ ور طوائف نے بتایا کہ دراصل کھلے عام دھندہ کرنے میں بعض اوقات بہت زیادہ رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں۔ اس لیے عموماً پرانی طوائفیں جہاں دیگر کاموں کی آڑ لے کر جسم فروشی کا دھندہ کرتی ہیں وہاں ان کو شادی دفاتر کے نام پر یہ دھندہ کرنے میں زیادہ آسانی محسوس ہوتی ہے۔ شادی دفاتر کے نام پر ان کا رابطہ عموماً آسانی کے ساتھ لڑکیوں، خصوصاً ایسی لڑکیوں سے ہوتا ہے جو یا تو غربت کی وجہ سے شادی کرانے میں ناکام رہتی ہے یا پھر ان میں سے بعض اپنے کردار یا ماضی کے کسی اس طرح کے واقعے کے باعث شادی کی عمر گزار دیتی ہیں۔ ان عورتوں کے لواحقین کا آخری سہارا شادی دفاتر ہوتے ہیں۔ یہاں ان دفاتر کی وساطت سے ان کی شادی تو شاید نہیں ہوتی لیکن جرائم پیشہ عورتیں ان کو اپنے مذموم مقاصد میں استعمال کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

شادی دفاتر کا تمام کاروبار محض جھوٹ اور نمود و نمائش کے سہارے چلتا ہے۔ جھوٹ کی آمیزش کے باعث ان کو بعض اوقات ایسے مواقع مل جاتے ہیں، جن کی وجہ سے یہ ایسی لڑکیوں کو بھی اپنے فائدے کے لیے استعمال کر لیتی ہیں جو دراصل اس قبیل کی نہیں ہوتیں۔ زائد عمر کی لڑکیوں کو اکثر اوقات اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ شادی کے خواہش مند شخص کو کسی نہ کسی طرح اپنی طرف مائل کریں تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتی

ہیں۔لڑکیاں بے چاری لالچ کے تحت اس طرح کی کوشش کرتی ہیں تو ان کو مجبوراً اپنا جسم پیش کرنا پڑتا ہے۔ایک بار کی اس طرح کی جرأت کے بعد جب ان کو ان کا مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا تو مایوسی کے عالم میں وہ ایک ردعمل کے طور بھی اس دھندے کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور اکثر اوقات ایسا ہی ہوتا ہے اور اس طرح لڑکیاں ان کی مستقل گاہک بن جاتی ہیں۔

## دارالامان

ملک بھر میں قائم دارالامان وہ مقامات ہیں جہاں بے سہارا اور لاوارث عورتوں کو پناہ دی جاتی ہے۔انہیں نہ صرف چادر اور چاردیواری کا تحفظ فراہم کیا جاتا ہے بلکہ آئندہ زندگی کو باعزت طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر گزارنے کے لیے مختلف کاموں کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔مگر ان دارالامان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بالکل اس کے برعکس ہے اور اسے ضبط تحریر میں لانا بھی ایک ناخوشگوار فریضے سے کم نہیں۔

ہفت روزہ ''تکبیر'' کے مطابق: ڈیرہ غازی خان کا دارالامان مکمل عیاشی کا اڈا ہے۔ لاکھوں روپے کے سرکاری خرچ سے تعمیر ہونے والی اس عمارت میں روزانہ ناؤ نوش کی محفلیں برپا ہوتی ہیں اور سرکاری افسران و زمیندار دادِ عیش دینے آتے ہیں۔ادارے کا عملہ ان کی ہر قسم کی خدمت بجالانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔شراب و کباب کا اہتمام کرتا ہے۔ دارالامان کے ملازمین اس خدمت کا بھاری رقوم کی صورت میں معاوضہ وصول کرتے ہیں۔

دارالامان کی ایک عورت وزیر بی بی نے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ جو کچھ اس دارالامان میں ہوتا ہے وہ اس بازار میں بھی نہیں ہوتا۔یہاں اکثر بڑے بڑے افسر اور زمیندار آتے ہیں اور شراب و شباب کی محفلیں سجتی ہیں جن میں خوبصورت لڑکیوں کو زبردستی نچایا جاتا ہے اور انکار پر ادارے کا عملہ ان پر ظلم کرتا ہے۔

ایک اور خاتون مہناز نے بتایا: بات صرف اتنی نہیں کہ باہر کے لوگ یہاں آکر دادِ عیش دیتے ہیں بلکہ دارالامان کے عملے میں شامل بعض مرد بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے ہیں۔تکبیر کے بقول دارالامان کی ایک اور لڑکی نے بتایا ''ادارے کی بعض عورتوں کا باہر کے مردوں سے عشق چل رہا ہے اور اس ادارے میں کام کرنے والی خاکروب ان کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنی ہوئی ہے جو ایک خط کے بیس روپے وصول کرتی ہے۔''(39)

اسی دارالامان کے متعلق نوائے وقت لکھتا ہے: ''تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہاں مقیم خواتین سے کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں۔ یہاں ہر شب شراب نوشی کی محفل لگتی ہے اور نوٹوں کی بارش ہوتی ہے۔ یہ دارالامان نہیں بلکہ قحبہ خانہ ہے۔''(40)

لاہور کے دارالامان کے متعلق امریکہ میں ایک ویڈیو فلم چلائی جارہی ہے جس میں اس الزام کی تشہیر ہورہی ہے کہ یہاں مقیم لڑکیوں کو جنسی عیاشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بیرون ملک مقیم بے شمار پاکستانیوں نے بھی اس فلم کو دیکھا ہے۔ جب فلم مذکور کی وضاحت کے متعلق دارالامان کی منتظم زاہدہ سلطانہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ دارالامان والی لڑکیاں پہلے سے ہی بے راہ روی کا شکار ہوتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں کا تحفظ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ معلوم ہوا کہ امریکہ میں دارالامان کے حوالے سے بنائی جانے والی ویڈیو فلم جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ یہاں پر مقیم ہر لڑکی کو جنسی عیاشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے بالکل درست ہے۔(41)

لاہور کے بعد بوریوالہ کی فرخ یاسمین کی زبانی بہاولپور کے دارالامان کا حال سنیں بقول فرخ یاسمین کہ وہ نویں جماعت میں بوریوالہ کے ایک سکول میں پڑھتی تھی کہ سنگدل باپ نے میرا سودا پٹھانوں سے کرلیا جو مجھے چھانگا مانگا کے قریب لے گئے اور وہاں مجھ سے جسم فروشی کراتے رہے۔ بعدازاں انہوں نے مجھے دوسری جگہ فروخت کردیا جہاں سے میں چار پانچ لڑکیوں کے ہمراہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ بہاولنگر سٹی پولیس نے مجھے پکڑ کر سول جج کے روبرو پیش کیا جنہوں نے مجھے دارالامان بہاولپور بھجوادیا۔

مگر دارالامان میں بھی مجھے تحفظ نہ مل سکا۔ کیونکہ وہاں کی سپرنٹنڈنٹ اور چوکیدار مل کر دارالامان میں موجود خواتین سے پیشہ کراتے تھے جبکہ بھاری رقم لے کر لڑکیوں کو باہر بھی بھیجا جاتا رہا۔ فرخ یاسمین نے مزید بتایا کہ سپرنٹنڈنٹ دارالامان میں پناہ لینے والی خواتین کے ساتھ انتہائی بازاری زبان استعمال کرتی ہے اور انہیں بکنگ پر جانے کے لیے مجبور کرتی ہے اس نے مجھے لاوارث قرار دے کر ایک شخص سے بھاری رقم کے عوض میری شادی رچانے کا پروگرام بھی طے کرلیا جس پر میں موقع پاکر دارالامان سے فرار ہوگئی۔''(42)

## پرائیویٹ دفاتر

محترمہ شبنم سلطانہ نے پرائیویٹ دفاتر میں عصمت فروشی کا حال ان الفاظ میں بیان

کیا ہے:

''یہ ایک وسیع موضوع ہے اور اس میں ہر نوعیت کے ایسے آفس شامل ہیں جہاں عورتوں کو ملازم رکھ کر ان سے آفس کی ضرورت کے مطابق وہ کام نہیں لیا جاتا جس کی ان کے ساتھ تنخواہ ان کو بھرتی کرتے وقت طے کی جاتی ہے بلکہ ان کو کسی نہ کسی طرح جسم فروشی کی طرف لے جا کر ان سے دھندہ کرایا جاتا ہے۔ ان دفاتر میں جن کی نوعیت کچھ بھی ہو سکتی ہے عموماً لڑکیوں کو استقبالیہ کلرک یا ذاتی سیکرٹری وغیرہ کے کام کے لیے رکھا جاتا ہے۔ اخبارات میں اس طرح کی نوکری کے لیے اشتہار دیا جاتا ہے اور ساتھ ہی نرم شرائط کے ساتھ ایک بے روزگار اور غریب لڑکی کے لیے ذرا بھر بھی تکلیف نہیں کرنا پڑتی کیونکہ اجتماعی بے روزگاری اور غربت کے باعث لاتعداد لڑکیاں یہ نوکری حاصل کرنے کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ ان لڑکیوں کا ابتدائی انٹرویو ہی اس نیت کے ساتھ لیا جاتا ہے تاکہ ان میں سے مطلوبہ لڑکی کو تلاش کیا جا سکے چونکہ لڑکی ہر صورت میں ملازمت حاصل کرنا چاہتی ہے' اس لیے وہ شروع کی مشکلات کو عبور کرنے کے عزم کے ساتھ انٹرویو دیتی ہے۔

حتمی کامیابی عموماً ان عورتوں کو حاصل ہوتی ہے جو دفتر کے مالک کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے۔ ان کامیاب عورتوں کو بتا دیا جاتا ہے کہ اگر وہ ''محنت'' کریں گی تو دفتر کی کامیابی کے ساتھ ساتھ ان کو بھی کامیابی حاصل ہوگی اور یوں یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

مثال کے طور پر اس موضوع کے تحت آنے والے دفاتر میں اگر کسی دفتر کو اس کی شاخوں کی تعداد اور ملازمہ رکھنے کی تعداد کے حوالے سے اولیت دی جا سکتی ہے تو یہ وکلاء کے ایسے دفاتر ہیں جہاں وہ اپنے لیے ذاتی سیکرٹری کو بھرتی کرتے ہیں۔ ذاتی سیکرٹری کے لیے پرکشش ہونا ایک ناگزیر معیار ہے۔ اس کی خوبصورتی اور ملازمت برقرار رکھنے کی مجبوری اس کو اپنا جسم پیش کر دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ایسی عورتیں تنخواہ تو بظاہر اپنے ''کام'' کی لیتی ہیں لیکن ان کو معاوضہ دراصل ان کے جسم کے استعمال کا دیا جاتا ہے۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مالک دفتر کے دوست اور ملنے والے بھی اس سے مستفید ہونا چاہتے ہیں تو ان کو بھی ایک مخصوص مقدار میں پیسے ادا کر کے اس کام میں شریک کر لیا جاتا ہے۔ ان دفاتر میں مجبور عورتوں کا اصل کام کے بجائے جسم پیش کر کے تنخواہ وغیرہ حاصل کرنا جسم فروشی کے زمرے میں آتا ہے۔ یہاں پر ان کو جو عادت پڑتی ہے وہ آگے چل کر ان کے مستقبل کا تعین کرتی

ہے۔ اکثر عورتیں اس وقت جسم فروشی کے دھندے میں ملوث ہیں جو بظاہر وکلاء کے دفاتر میں ذاتی سیکرٹری کی پارٹ ٹائم ملازمت کرتی ہیں اور ان کے مالک بھی ان کے ساتھ اس دھندے میں شامل ہو جاتے ہیں اور اکثر اوقات ان عورتوں کو سپلائی کر کے اعلیٰ افسران سے اپنے کام بھی نکلواتے ہیں۔

اسی طرح لاہور' کراچی' فیصل آباد اور سیالکوٹ وغیرہ جیسے کاروباری اداروں میں کارگو دفاتر اور کسٹم کلیرنس کرانے والوں کے دفاتر میں خصوصی طور پر عورتوں کو ملازمت دی جاتی ہے۔ یہاں بھی لڑکیوں کو سیکرٹری یا استقبالیہ کلرک کے طور پر ملازمت دی جاتی ہے لیکن ان سے اصل کام دفتر کے ملازمین اور مالکان کی جنسی تسکین کا لیا جاتا ہے۔ ان دفاتر میں کاروباری افراد کو استقبالیہ دینے کے لیے خوبصورت لڑکیوں کو استعمال کیا جاتا ہے تاکہ مستقل گاہک بنایا جا سکے۔ ''مستقل گاہکوں'' کی تعداد کا تعلق ان دفاتر کی خوبرو لڑکیوں کے حسن سلوک سے ہوتا ہے۔ یہ لڑکیاں خصوصی طور پر اپنے ''معزز گاہکوں'' کو اچھے ہوٹلوں میں ٹھہرا کر وہاں پیش کی جاتی ہیں اور جیسی اچھی یہ لڑکیاں ''سروس'' فراہم کریں گی ویسا ہی پختہ گاہک ان کے ادارے کو ملے گا۔

ان اداروں میں عموماً شروع میں خود ادارے کے مالکان ان لڑکیوں کو اس پیشے کی طرف لاتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر ان کی کارکردگی اچھی رہی تو پھر سب کا کاروبار اچھی طرح چل نکلے گا اور اگر ان لڑکیوں نے ناتجربہ کاری کا مظاہرہ کیا اور گاہکوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کیا تو پھر نہ صرف ان کے ادارے کا کاروبار تباہ ہو جائے گا بلکہ اس صورت میں لڑکیوں کو بھی بے روزگار ہونا پڑے گا۔ ایسی لڑکیاں' جو اس سے پہلے بے روزگاری کے مسائل دیکھ چکی ہوتی ہیں اور ملازمت کے بعد ان کو جہاں گھر سے آزادانہ دفتر آنے کی سہولت حاصل ہوتی ہے وہاں اپنے لباس اور میک اپ کے لیے بھی ان کو دفتروں سے خصوصی سہولت ملتی ہے' ان مواقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتیں اس لیے وہ حتیٰ المقدور یہ کوشش کرتی ہیں کہ ان کا کاروبار چلتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو حاصل سہولیات بھی برقرار رہیں۔ اسی طرح امپورٹ ایکسپورٹ کے ادارے بھی اپنے ہاں خصوصی طور پر خوبصورت لڑکیوں کو ملازمت دیتے ہیں اور ان کی مدد سے اپنے کاروبار کو ترقی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس طرح مذکورہ بالا ادارے کو اپنے کاروبار کی ترقی کے لیے تجربہ کار عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے

اسی طرح موخر الذکر قسم کے اداروں کو بھی اپنا کاروبار بہتر بنانے کے لیے ''اچھی'' عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

بڑے بڑے سٹورز اور بوتیکوں پر بھی سیلز وومن کے طور پر کام کرنے کے لیے ایسی عورتوں کا انتخاب کیا جاتا ہے جو کاروبار میں معاونت کرتی ہیں۔ ان لڑکیوں کو ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر ہمیشہ جسم فروشی کی طرف آنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ عام دفاتر کی طرح مالکان کی طرف سے جنسی تعلقات کے بعد ان کے دفاتر اور دکانوں سے باہر بھی اس طرح سے تعلقات استوار ہو جاتے ہیں اور یہ دفتر آنے سے پہلے اور جانے کے بعد اپنے بیرونی دوستوں کے ساتھ وقت گزارتی ہیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق مختلف نوعیت کے عام دفاتر میں ملازمت کرنے والی لڑکیوں میں سے 80 فیصد مالکوں کی رضامندی اور تاکید کے تحت جسم فروشی کی طرف آ جاتی ہیں۔ جسم فروشی جہاں ان کے کام میں ان کے لیے ضروری ہوتی ہے وہاں یہ اپنے دیگر اخراجات اور گھر والوں کے لیے زیادہ پیسے کمانے کی غرض سے اس پیشے کی طرف آ جاتی ہیں۔

## ٹریول ایجنسیاں

ٹریول ایجنسیوں اور عام طور پر ویزوں وغیرہ کا کاروبار کرنے والے اداروں میں بھی خوبصورت لڑکیوں کو ملازمت محض اس خیال کے تحت دی جاتی ہے کہ ان کی موجودگی اور خصوصاً ان کی جنسی کشش کے باعث ان کا کاروبار زیادہ چمکے گا اور ان کے مستقل گاہکوں میں اضافہ ہوگا۔ ان عورتوں کو بھرتی کرتے وقت سیکرٹری' استقبالیہ کلرک یا کمیشن ایجنٹ کے طور پر رکھا جاتا ہے اور ان کا انتخاب ان کے ظاہری حسن و جمال اور کشش کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ملازمت حاصل کرنے والی عورتوں کی کامیابی کی اصل وجہ ان کے کام اور ظاہری حسن وخوبصورتی کے متعلق مالک کا اطمینان ہوتا ہے جو یہ اطمینان کرنا چاہتا ہے کہ ان کی دفاتر میں موجودگی اس کے کاروبار کے لیے سودمند ثابت ہوگی یا نہیں۔ گاہکوں کو اچھے طریقے سے ہینڈل کر لینے والی اور ان کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنے والی خواتین کو اہمیت دی جاتی ہے۔

## اشتہاری کمپنیاں اور ادارے

روزمرہ استعمال اور عام زندگی کی ضروریات کی اشیاء کے لیے تشہیر اور انہیں گھر گھر

پہنچانے کی مہم کی آڑ میں بعض ایسے ادارے بھی میدان میں آ گئے ہیں جو صرف غریب اور پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والی عورتوں کو ملازمت فراہم کرتے ہیں۔ ان عورتوں کو معمولی تنخواہ اور حسب کارکردگی کمیشن پر ملازمت دی جاتی ہے۔ یہ عورتیں مختلف کمپنیوں کی اشیاء لے کر گھر گھر جاتی ہیں اور ان کو بیچنے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہ اشیاء جو عموماً نہایت کم قیمت اور اچھی کوالٹی کی نہیں ہوتیں ان کو فروخت کرنے کے لیے ان عورتوں کو اپنی نسوانیت اور جنسی کشش کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اگر گاہک صرف مرد ہوں تو ان کو نہ صرف زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے بلکہ اکثر اوقات انہیں ان چیزوں کے ساتھ اپنا جسم بھی پیش کرنا پڑتا ہے اور چیزوں کی قیمت کے علاوہ اپنے جسم کی بھی معمولی قیمت وصول کرنا پڑتی ہے۔

اس طرح کی کمپنیوں میں بھرتی کے اشتہارات اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ جرائم پیشہ لوگ چھوٹے دفاتر لے کر ان عورتوں کو بھرتی کرتے ہیں اور عام استعمال کی اشیاء تیار کرنے والے اداروں کے ساتھ ٹھیکے پر کام کرتے ہیں۔ گھریلو استعمال کی ان اشیاء کی چونکہ کوالٹی بالکل اچھی نہیں ہوتی اس لیے ان کو فروخت کرنے کے لیے عورتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ سیلز وومن کے طور پر کام کرنے والی ان عورتوں کو پہلے تربیت دی جاتی ہے جو کہ اصل میں کاروبار کے گر سکھانے اور اشیاء فروخت کرنے کے بارے میں دی جانے والی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ ان کو اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ کس طرح انہوں نے گاہک کے مطابق ڈیلنگ کرنا ہے۔

ان اداروں کی عورتیں پرکشش اور جنسی ترغیب دینے والا لباس زیب تن کر کے عام دفاتر اور گلی محلوں میں یہ اشیاء فروخت کرتی ہیں۔ ان عورتوں کی صورتحال دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ اشیاء فروخت ہوں نہ ہوں ان کے جسم اور خواہش ضرور فروخت ہو جاتی ہیں۔ ان کے گاہکوں میں دفاتر میں کام کرنے والے معمولی درجے کے ملازمین، کوٹھیوں اور گھروں کے مرد ملازمین وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ذرائع کے مطابق اس وقت صرف لاہور میں اس طرح کے اداروں کی تعداد 35 سے زائد ہے جو مختلف کمپنیوں سے روزمرہ کی اشیاء حاصل کر کے اپنی ملازم عورتوں کے ذریعے لوگوں میں فروخت کرتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ان اداروں کے پاس کمیشن پر کام کرنے والی عورتوں کی تعداد 500 سے زائد ہے۔ اس بات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ ان کے ہاں کام کرنے والی عورتوں کے مستقل اور غیر

مستقل گاہکوں کی تعداد کیا ہے لیکن اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ان عورتوں کو ان کے جسم کے گاہک نہ ملیں تو یہ انتہائی کم کمیشن والی اشیاء فروخت کر کے بالکل گزارہ نہیں کر سکتیں۔ اصل میں یہ اشیاء فروخت کرنا ان کے اصل پیشے کے لیے ایک پردہ ہے ایک آڑ ہے جس کو وہ بخوبی استعمال کرتی ہے۔ جہاں وہ ملازمت کرتی ہیں ان کی اشیاء بھی فروخت ہو جائیں تو ان کو بھی اس کمیشن میں سے ایک اچھا حصہ مل جاتا ہے۔

## جعلی نکاح

پاکستان میں عصمت فروشی کے جدید طریقوں میں ایک اور طریقے کا اضافہ ہوا ہے اور وہ ہے جعلی نکاح۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ''لاہور میں جعلی نکاح پڑھانے کی کئی وارداتیں منظر عام پر آنے کے بعد اب ایک ایسے گروہ کا انکشاف ہوا ہے جو ایک رات کا نکاح نامہ تیار کر کے جرائم پیشہ افراد کے حوالے کر دیتا ہے۔ جعلی مہریں لگا کر تیار ہونے والے اس ایک رات کے نکاح نامے کے ہزاروں روپے وصول کیے جاتے ہیں۔ ان فارموں پر صرف لڑکے کا نام اور ولدیت دی جاتی ہے اور دلہن کا نام چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ٹاؤٹوں کے یہ ارکان کچہریوں کے علاوہ دیگر فیشن ایبل علاقوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ ان کا مختلف جرائم پیشہ افراد سے مسلسل رابطہ ہے اور وہ لڑکیوں کو ''پری'' کے کوڈ نام سے پکارتے ہیں۔

سروے کے دوران ضلع کچہری میں ایک ٹاؤٹ سے نکاح نامہ خریدنے کے لیے آنے والے ایک شخص نے بتایا کہ دلال ''پری'' غیر مرد کے حوالے کرتے ہوئے یہ نکاح فارم اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس نکاح فارم پر چند خانے خالی ہوتے ہیں۔ سودا طے ہونے کے بعد ان خانوں میں گاہک کا نام اور ساتھ بھجوانے والی لڑکی کا نام تحریر کر دیا جاتا ہے۔ یہ تمام کارروائی اس لیے کی جاتی ہے کہ نکاح نامہ لینے والا جب کسی ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرتا ہے تو ساتھ جانے والی کو اپنی بیوی ظاہر کر سکے۔ شک پر اگر کوئی ثبوت مانگے تو یہ نکاح نامہ پیش کر دیا جاتا ہے۔ نوجوان نے بتایا کہ اس طرح ہم ہوٹل یا ریسٹ ہاؤس کے عملے کو اعتماد میں لے لیتے ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ ٹاؤٹوں کا دلالوں سے ڈائریکٹ رابطہ ہوتا ہے۔ ٹاؤٹ نکاح نامہ بنا کر ان کو آٹھ سو سے ایک ہزار روپے تک دے دیتے ہیں' بعد میں دلال اپنے گاہک سے

سودا کرتے ہوئے نکاح نامے کا پندرہ سو روپے الگ وصول کرتا ہے' جو ایک دن کے بعد ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ناوٹ کچہریوں کے علاوہ ہر جگہ موجود ہیں۔ انہوں نے اب نکاح نامے اپنے طور پر بھی شائع کرا رکھے ہیں' حالانکہ نکاح نامہ شائع کرنا جرم ہے۔ انہوں نے جعلی مہریں بھی بنوا رکھی ہیں۔ (50)

شوبز

نسوانی حسن مرد کی ایک فطری کمزوری ہے اور وہ بہت جلد عورت کے حسن سے متاثر ہو کر اپنا سب کچھ پر لٹانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ مرد کی اس فطری کمزوری کی بنیاد پر کچھ ایسے تجارتی ادارے وجود میں آ گئے جن کا مقصد ہی نسوانی حسن کے لشکاروں سے مردوں کو مبہوت کر کے ان سے دولت کمانا ہے۔ بازار حسن' اس سلسلہ میں سب سے پرانا ادارہ ہے۔ جس کو امراء اور رئیس زادوں نے ہمیشہ بارونق اور شاد رکھا ہے۔

جدید سائنسی دور میں جہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں انقلاب برپا ہوا وہاں عصمت فروشی کے فرسودہ نظام میں بھی سائنسی تجربات کے ذریعے نئی نئی راہیں تلاش کر لی گئیں۔ ان نئے راستوں کی ابتداء سٹیج ڈراموں اور فلموں سے ہوئی۔ فلموں نے خاص طور پر حسین وجمیل لڑکیوں کے لیے دولت اور شہرت کے دروازے کھل دیے۔ چنانچہ لڑکیاں جوق در جوق فلموں کا رخ کرنے لگیں لیکن ان میں اکثریت گھروں سے بھاگی ہوئی یا معاشرہ کی ستائی اور دھتکاری ہوئی لڑکیوں کی تھی۔ جو فلمی پیشہ کے ساتھ ساتھ عصمت فروشی کا دھندہ بھی چلاتی رہیں۔

اب بھی پاکستان میں عصمت فروشی کا سب سے بڑا مرکز فلم انڈسٹری ہے۔ یہاں ہر فلمی ہیروئین فلم کے ساتھ ساتھ عصمت فروشی کا دھندہ بھی کرتی ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے سیکس سکینڈل منظر عام پر آیا تھا۔ اس سیکس سکینڈل میں ایک دو تین نہیں بلکہ فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والی 13 ہیروئین شامل تھیں۔ جن میں ریما' نیلی' میرا' صائمہ' مدیحہ شاہ' عندلیب' لیلیٰ' ماروی' نتاشا' زما' لاشانہ اور ریشم شامل ہیں۔ ڈاکٹر اعظم بیگ کے مطابق: یہ فلمی پریاں مسز شمیم' مسز سیما' اقبال یوسف' عدنان کاشف' راجہ گلوریا اور میڈم بشراں کے ذریعے پہنچائی جاتی تھیں۔ (51)

سیکس سکینڈل سے پہلے نیلی اور سرفراز مرچنٹ کا سیکس سکینڈل اخبارات کا موضوع بنا رہا۔ نیلی عزیز میمن کی بھی محبوبہ رہی ہے۔ یہ دونوں اقبال ٹاؤن میں اختر شاد ایکسائز انسپکٹر کے گھر ملاقاتیں کرتے رہے ہیں۔

اختر شاد کے اس مکان میں نیلی کے علاوہ جن دیگر فلمی پریوں نے عزیز میمن سے ملاقاتیں کیں ان میں اداکارہ شگفتہ، مہر النسا اور شاہ تاج شامل ہیں۔ (52)

ان فلمی عورتوں کے متعلق ایک شاعر لکھتا ہے:

فلمی عورتیں تو بہر صورت کاروباری ہیں
تعلق تو نہیں کچھ کا، باقی سب بازاری ہیں
ان کے پاس دولت حسن کی وافر بھی ہے لیکن
مگر دنیاوی دولت کے لیے پھر بھی بھکاری ہیں
یہ اپنے جسم تک کو بیچتی ہیں نوٹوں کے بدلے
اسی دھندے میں مبتلا ساری کی ساری ہیں
کئی خوشحال گھر اجڑے ہیں انہی کی بدولت
مگر یہ ڈائنیں تو ایسے صدموں سے عاری ہیں

فلموں کے بعد ٹیلی ویژن کا دور آیا تو لڑکیوں کے لیے روزگار کا ایک نیا باب کھل گیا لیکن معاملہ کی نوعیت وہی رہی کہ فنکاری کے ساتھ ساتھ دھندہ بھی کسی نہ کسی رنگ میں چلتا رہا۔ وجہ یہ ہے کہ فلم، ٹیلی ویژن اور سٹیج پر قابض لڑکیوں کی اکثریت کا تعلق بازار حسن سے ہے یا وہ کال گرلز ہیں۔ لہٰذا فلم انڈسٹری پر چھا جانے کے بعد طوائفوں نے خیال کیا کہ ٹی وی ایک ایسا میڈیا ہے جو ہر گھر میں موجود ہے۔ چنانچہ اس پر بھی کام کرنا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض طوائفوں نے ٹیلی ویژن کا رخ کیا اور کامیاب ہو گئیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے ٹیلی ویژن پر ان لڑکیوں کی لائن لگ گئی۔ جن میں چند نے بہت شہرت حاصل کی مثلاً ثمینہ خالد، روزینہ خالد، مہوش، مہر النساء اور ارم طاہرہ وغیرہ۔ جب ٹیلی ویژن پر طوائفوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو ٹی وی انتظامیہ نے ایک قانون بنایا کہ وہ طوائفیں جو ابھی تک بازار حسن میں مقیم ہیں انہیں ڈراموں میں کاسٹ نہ کیا جائے۔

جب یہ قانون بنا تو بہت سی لڑکیوں نے بازار حسن سے اپنا ڈیرہ اٹھایا اور لاہور کی

اچھی آبادیوں جن میں علامہ اقبال ٹاؤن' گلبرگ' جوہر ٹاؤن' سبزہ زار سکیم میں اپنے ڈیرے لگا لیے اور دھڑا دھڑ ٹیلی ویژن ڈراموں اور فلموں میں کاسٹ ہونا شروع ہو گئیں۔ کچھ طوائفوں نے دیکھا کہ سٹیج ایسا میڈیا ہے جہاں پر فلم اور ٹی وی کے مقابلے میں زیادہ پیسے ملتے ہیں تو انہوں نے سٹیج ڈراموں میں بھی کام شروع کر دیا۔ اس طرح فلم' ٹی وی اور اسٹیج مکمل طور پر طوائفوں کے گھیرے میں آ گئے۔

طوائف جب تک کوٹھے میں رہتی ہے ہر خاص و عام اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر جب وہ کوٹھے سے کوٹھی میں منتقل ہو کر اداکارہ کا روپ دھار لیتی ہیں تو صرف خاص ہی ان کے گاہک رہ جاتے ہیں۔ گویا جب کوئی طوائف یا کال گرل اپنے خوبصورت جسم کی بنا پر شو بزنس کی دنیا میں کامیابی حاصل کر لیتی ہے تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں کیونکہ اب اس کا نائٹ ریٹ پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شوبزنس سے وابستہ اکثریت ایسی لڑکیوں کی ہے جو فن کی آڑ میں عصمت فروشی کا دھندہ کر کے بے پناہ دولت جمع کر رہی ہیں۔ ان میں فلمی سپر سٹارز بھی شامل ہیں۔

جب اشتہاری فرموں اور صنعتی اداروں کو اپنی مصنوعات کی تشہیر کے لیے خوبصورت چہروں کی تلاش ہوئی اور ساتھ ہی ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو اخباری اشتہاروں کے لیے ایسے چہروں کی ضرورت پڑی تو ماڈلنگ وجود میں آ گئی۔ اب تو یہ عالم ہے کہ ماڈلنگ صرف اشتہاروں کے لیے نہیں ہوتی۔ فیشن شوز' بوتیک' ملبوسات اور بہت سی دوسری مصنوعات کے لیے منعقد ہونے والی نمائشوں میں بھی ماڈل گرلز کی ضرورت پڑتی ہے۔ ماڈل لڑکیاں کیٹ واک (Cat Walk) اور فیشن شوز کے دلربا مظاہرے کر کے دیکھنے والوں کے دلوں کو چھیڑتی ہیں۔

ابتدا میں اس پیشہ میں ایسی لڑکیاں آئیں جو معاشرتی بندھنوں سے خاصی آزاد تھیں مثلاً فلموں کی ایکسٹرا گرلز اور کال گرلز وغیرہ مگر اب اس میں مغربی تہذیب کی دلدادہ لڑکیاں جن کے گھروں کا ماحول نہایت آزاد ہے اور جو فری سکیس کو ایک فیشن سمجھتی ہیں۔ خاصی تعداد اس پیشے سے وابستہ ہو رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں ماڈلنگ کے ساتھ ساتھ عصمت فروشی کا دھندہ بھی کرتی ہیں بڑے بڑے سیاستدان' تاجر' صنعت کار اور جرائم کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ان کے حسن کے غلام ہیں۔

ماڈل گرلز کس قدر جسم فروشی کے دھندے میں مشغول ہیں اس امر کا اندازہ معروف

مصنفہ پروین عاطف کے خیالات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ بقول پروین عاطف: میں ایک ٹیلی فلم تیار کر رہی ہوں جس کے لیے مجھے پورے لاہور سے کوئی لڑکی نہیں ملی۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں ماڈلنگ کی آڑ میں دوسری سرگرمیوں نے لڑکیوں کو موبائل، بڑی گاڑیاں اور عالی شان بنگلے دے دیے ہیں۔ ان ماڈل گرلز کو آسانی سے حصول دولت کا چسکا پڑ گیا ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک آرٹ کی کوئی قیمت نہیں۔"(53)

سٹیج ڈراموں میں بھی کام کرنے والی لڑکیوں کی یہ حالت ہے۔ ان کے متعلق ایک ماہنامہ لکھتا ہے کہ "ڈرامہ کے اختتام پر سٹیج کی یہ بلبلیں اپنے چاہنے والے دولت مندوں سے منہ مانگی قیمت وصول کر کے ان کی زندگی میں کیف و مستی کا رنگ بھرتی ہیں۔ الحمراء کئی سالوں سے عیاش تماش بین دولت مندوں کی جنت بن چکا ہے۔ ڈرامہ کے بعد دولت مند لوگ اپنی اپنی پسند کی لڑکی کا انتخاب کر کے لے جاتے ہیں۔ پھر ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز میں شراب و شباب کی یہ محفل ساری رات جاری رہتی ہے اس طرح الحمراء فن کدہ کی بجائے گناہ کدہ بن کر رہ گیا ہے۔"

## نیو ایئر نائٹ

اونچی سوسائٹی ہر سال کی پہلی رات شراب و شباب کا ایک عظیم جشن مناتی ہے۔ اس جشن میں رئیس زادے، رئیس زادیاں، فلمی پریاں، ٹی وی اور سٹیج کی اداکارائیں، کال گرلز، ماڈل گرلز، فری سکیس کی شوقین لڑکیاں اور بازارِ حسن کی خوبصورت تتلیاں بڑے ذوق سے شریک ہوتی ہیں۔ انگریزی میں اس جشن کو نیو ایئر نائٹ (New Year Night) کہتے ہیں۔ اس رات بے تحاشا شراب پی جاتی ہے اور ان گنت عصمتوں کے تار چکنا چور ہوتے ہیں۔

مون ڈائجسٹ نے "سال نو" کے ایک جشن کی روداد اس طرح شائع کی ہے:

"اونچے طبقے کے نوجوان اور شہریوں نے اس بار بھی نیو ایئر نائٹ کا جشن پورے اہتمام کے ساتھ منایا۔ وہ نصف رات کے اندھیروں میں رقص و سرود، شراب و کباب اور ابھرتی جوانیوں سے ہم آہنگ ہو گئے۔ ملک بھر کے بڑے شہروں کے پوش علاقوں میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ہنگامے اور خوش فعلیاں ایک ایسا انوکھا منظر سامنے لاتے رہے جو ہمارے لیے عجوبہ ہے۔ بڑے بڑے افسر، صنعتکار اور تاجر جن کے پاس بوجوہ مال و دولت کے ڈھیر لگے

ہیں اپنے بیٹے بیٹیوں سمیت ایسی سرگرمیوں میں مگن ہو گئے جو عام لوگوں کے حلقوں میں شجر ممنوعہ ہیں۔

یہ سلسلہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ پابندیوں کے پیش نظر ایسے تمام انتظامات کر لیے گئے تھے کہ کسی بھی قسم کے ناپسندیدہ عناصر رنگ میں بھنگ نہ ڈال سکیں۔

لہٰذا یہ ساری تقریبات ہوٹلوں، کلبوں اور حسن کے بازاروں کی بجائے بنگلوں اور کوٹھیوں میں سجائی گئیں۔ ان میں شرکت کے لیے مخصوص رنگوں کے دعوت نامے جاری کیے گئے۔ غرضیکہ ہر ممکن احتیاط کی گئی کہ مسرتوں کے لمحے جہاں گرم و رنگین ہوں وہاں محفوظ و مامون بھی ہوں۔

چنانچہ اس دن ہیرامنڈی اجاڑ و ویران تھی لیکن بنگلے اور کوٹھیاں شاد و آباد تھے۔ بہت سے مقامات پر یہ مناظر بھی دیکھے گئے کہ رقص کی لے تیز ہوئی یا مے ناب کا نشہ چڑھا تو بڑے بڑوں کے بیٹے، بیٹیاں بھی درآمدی رقاصاؤں کے ساتھ جھومنے، ڈولنے یا پھر رقص کرنے لگے۔ کراچی میں ساحل سمندر پر بعض رئیس زادیوں نے بے لباس ہونے کے مظاہرے بھی کیے۔ بعض نے نہایت باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے جن سے جسم چھپتا نہیں بلکہ اور بجتا بنتا اور نظروں میں کھب جاتا ہے۔ بعض لڑکیوں کے لباس اتنے ٹائٹ تھے کہ ان کے جسم کے سارے خطوط اور زاویے صاف صاف دکھائی دے رہے تھے۔

بلیک صرف شراب کی نہیں بلکہ رقاصاؤں کی بھی ہوئی۔ اسلام آباد میں اداکارہ ریما مدعو تھی اور اس نے جسم کے ایسے لوچ اور لچک کا مظاہرہ کیا جس سے نہ صرف اس کے اپنے وارے نیارے ہوئے بلکہ رئیس زادوں اور زادیوں کو بھی جوش آیا اور انہوں نے ریما کے قدم سے قدم ملا کر اپنے جسموں کی لوچ اور لچک دکھائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس رات اسلام آباد کے بیشتر گیسٹ ہاؤسز اور ہوٹلز قحبہ خانوں کا روپ دھار گئے تھے۔ (54)

اسی طرح ''سال نو'' کے جشن کے متعلق روزنامہ خبریں لکھتا ہے: ''لاہور میں گزشتہ برس کو الوداع کرنے اور نئے کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیاریاں زور شور سے شروع کی گئی تھیں۔ بیوروکریسی اور بااثر افراد نے پولیس کے زیر سایہ محفلیں سجانے کا بندوبست کر لیا ہے۔ بعض ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز میں کمروں کے حصول کے لیے بڑے بڑے افسروں سے سفارشیں کرائی جا رہی ہیں۔

جن علاقوں میں رنگین محفلیں سجائی جائیں گی ان میں گلبرک' فیصل ٹاؤن' ماڈل ٹاؤن' سمن آباد' گارڈن ٹاؤن' ڈیفنس اور دیگر پوش علاقے شامل ہیں۔ لاہور کے سب سے زیادہ پوش علاقے ڈیفنس میں کسٹم انٹیلی جنس کے ایک افسر نے اعلیٰ حکام کو خوش کرنے کے لیے مختلف کالجوں میں پڑھنے والی اعلیٰ تہذیب کی دلدادہ لڑکیوں کو رقص و سرود اور شراب و شباب کی محفل میں شرکت کے لیے مدعو کیا ہے۔ پتہ چلا ہے کہ ایسی محفلوں کے لیے دو کروڑ روپے کی ولایتی اور دیسی شراب چھلکتے جاموں کی نذر کر دی جائے گی۔ (55)

رنگین محفلوں پر پابندی کے باعث اکثر امیر زادوں نے سالِ نو کا جشن منانے کے لیے دوسرے ممالک کا رخ کیا۔ ذرائع کے مطابق پاکستانیوں کی سب سے بڑی تعداد 10 ہزار کے لگ بھگ بنکاک' اٹھارہ سو سنگاپور' 17 سو ہانگ کانگ اور 15 سو منیلا جا رہے ہیں۔ ان میں فلمی پریاں بھی شامل ہیں۔ مثلاً اداکارہ میرا اور سائرہ خان فلمی شوٹنگ کے بہانے سنگاپور پہنچ چکی ہیں۔ جبکہ زارا اکبر سنگاپور چلی گئی۔ ماروی کراچی سے ہانگ کانگ جائے گی جبکہ اداکارہ روپ کے متعلق پتہ چلا ہے کہ وہ نیو ایئر نائٹ لندن میں منائے گی۔ ان کے علاوہ اکثر نئی اداکارائیں بھی جشن کی رات منانے کے لیے خلیجی ریاستوں میں پہنچ چکی ہیں۔ (56)

نیو ایئر نائٹ کا جشن پہلے تو صرف بڑے بڑے شہروں میں منایا جاتا تھا مگر اب یہ وباء چھوٹے چھوٹے شہروں میں بھی پھیل چکی ہے۔ ایک خبر کے مطابق دوسرے شہروں کی طرح خان پور اور رحیم یار خان میں بگڑے ہوئے رئیس زادے' منچلے اور عیاشی کے رسیاء بدمست وڈیروں نے بھی نیو ایئر نائٹ منانے کے لیے پروگرام کو آخری شکل دے دی ہے۔

جس کے مطابق دیسی' ولایتی اور لال پری کا پہلے ہی سٹاک کر لیا گیا ہے۔ رحیم یار خان میں بازار حسن کی خوبصورت لڑکیوں کو بھاری رقم کے عوض پیشگی بک کر لیا گیا ہے۔

اس جشن کے متعلق ہفت روزہ تکبیر لکھتا ہے: نئے سال کے نفاذ پر پورے ملک میں شراب پارٹیوں کا انعقاد ہمارے نام نہاد کلچر کا حصہ بن چکا ہے۔ نیو ائیر کے نام پر منعقد ہونے والی بڑی تقریبات کراچی' لاہور' اسلام آباد اور اب مری میں بھی منعقد ہوتی ہیں' اس قسم کی تقریبات میں بیورو کریسی کے بدعنوان' راشی اور عیاش افسران سب سے پیش پیش ہوتے ہیں۔

کراچی میں حسب سابق اس سال بھی مختلف ہوٹلوں اور بنگلوں میں نیو ایئر نائٹ کا اہتمام بڑی دھوم دھام سے کیا گیا۔ ڈیفنس سوسائٹی خیابان شجاعت پر واقع ایک بنگلہ میں

ہونے والی پارٹی میں کئی لڑکے لڑکیاں شراب پی کر سڑک پر نکل آئے اور ڈانس شروع کر دیا۔ ڈانس کرنے والوں میں ایک اعلیٰ سرکاری افسر کی بیٹی بھی شامل تھی۔ جب وہ آپے سے باہر ہو کر اپنی قمیص اتارنے لگی تو اس کا بوائے فرینڈ اور ڈرائیور اسے بمشکل گاڑی میں ڈال کر گھر لے گئے۔

کراچی کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں ایک ایسے ہی جشن کا اہتمام کیا گیا جس میں شریک ہونے والے افراد کی آمد یوں تو رات گیارہ بجے سے شروع ہو گئی تھی مگر رات بارہ بجتے ہی مقامی ہوٹل کی آخری منزل پر واقع ریسٹورنٹ میں ہونے والی رنگا رنگ پارٹی میں روشنیاں بند کر دی گئیں۔ تیز اور بے ہنگم موسیقی میں لڑکے لڑکیوں نے دیوانہ وار ناچنا اور ایک دوسرے سے شیر وشکر ہونا شروع کر دیا۔ اس دوران پارٹی میں شریک جوڑوں کو بیرے شراب پیش کر رہے تھے۔ پارٹی عروج پر تھی اور اس میں شریک بعض جوڑے شراب کے نشے میں دھت تھے۔ نیم عریاں لباس زیب تن کیے لڑکیاں ناچ ناچ کر نئے سال کی آمد پر خوشیاں منا رہی تھیں کہ اچانک پولیس نے چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر لیا اور غیر ملکی شراب کی 20 بوتلیں اپنے قبضہ میں لے لیں۔



# عصمت فروشی کے موبائل اڈے

وہ جگہیں جہاں فاحشہ عورتیں گھوم پھر کر اپنا گاہک تلاش کرتی ہیں عصمت فروشی کے موبائل اڈے کہلاتے ہیں۔ ایسی عورتیں عموماً سینما گھروں کے قریب' تفریحی پارکوں میں' ویگن اور بسوں کے اڈوں پر' ریلوے اسٹیشنوں پر' تھیٹر ہالز اور آرٹ سنٹرز کے علاوہ ہجوم والی مارکیٹوں' پر رونق بازاروں اور دیگر تمام پبلک مقامات کے اردگرد منڈلاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

ان کے علاوہ عورتوں کے ایک ایسے گروہ کا بھی انکشاف ہوا ہے جو لاہور سے شیخوپورہ اور پھر شیخوپورہ سے لاہور' پورا دن اپنے گاہکوں کی تلاش میں سفر کرتی رہتی ہیں۔ انہوں نے لاہور اور شیخوپورہ کے درمیان اپنی مخصوص جگہیں بنائی ہوئی ہیں جہاں سے وہ اپنے گاہک قابو کر کے اپنی عصمت کی قیمت وصول کرتی ہیں۔

ان عورتوں میں لفٹ لینے کا رجحان بھی عام ہو گیا ہے اور یہ کاروبار ہر بڑے شہر میں منظم انداز میں پھیل رہا ہے۔ خوبصورت لڑکیاں عموماً ایسی جگہوں پر کھڑی ہو جاتی ہیں جہاں دولت مند لوگوں کی آمدورفت زیادہ ہو۔ وہ جب ایسی جگہوں پر اوباش نوجوانوں کو دیکھتی ہیں تو انہیں رکنے کا اشارہ دیتی ہیں پھر قریب جا کر گفتگو کا آغاز بڑے دلنشین پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہیں کہیں انگریزی الفاظ کو برجستہ انداز میں استعمال کر کے صنف مخالف کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آخر میں لفٹ لینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اگر لفٹ مل جائے تو

گاڑی میں بیٹھنے کے ساتھ ہی اپنی عصمت کے دام بتا دیئے جاتے ہیں۔

بعض اوقات سادہ لوح لوگ بھی ان کے فریب میں آ جاتے ہیں۔ وہ جب ان کو ان کی عزت کی قیمت دینے سے معذوری ظاہر کرتے ہیں تو وہ لڑکی لفٹ دینے والے کو صاف صاف کہہ دیتی ہے کہ اگر اسے اتنے پیسے نہ دیئے گئے تو وہ شور مچا سکتی ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔ چنانچہ شریف لوگ اپنی بدنامی کے خوف سے اپنی جیب کا کچھ حصہ لفٹ لینے والی شکارن کے حوالے کر دیتے ہیں۔(43)

عصمت فروشی کے موبائل اڈوں کے متعلق روزنامہ جنگ کی خبر کے مطابق گوجرانوالہ شہر میں فحاشی کے موبائل اڈوں اور ہیجڑوں کی رقص گاہوں کی بہتات ہو گئی ہے۔ لاری اڈا' اڈا جی ٹی ایس اور گلشن اقبال پارک کے اردگرد شام کے وقت تتلیوں اور شکاریوں کی آمدورفت شروع ہو جاتی ہے۔ اور رات گئے تک جاری رہتی ہے۔ عصمت فروشی کا کاروبار ان اڈوں پر پولیس کی زیر نگرانی ہوتا ہے۔ اس دھندہ کے علاوہ شہر کے متعدد محلوں اور گلیوں میں ہیجڑوں کے رقص کی محفلیں بھی برپا ہو رہی ہیں۔ ہیجڑوں کے بعض اڈوں پر ساری رات رونقیں رہتی ہیں۔(44)

گوجرانوالہ کے علاوہ ملک کے دیگر بڑے شہروں میں فحاشی کے موبائل اڈے زیادہ متحرک اور فعال ہیں۔ بڑے شہروں میں چند معروف فحاشی کے موبائل اڈے یہ ہیں۔

## (1) تفریحی پارک

ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں تفریحی پارک بنائے گئے ہیں۔ تاکہ لوگ فرصت کے اوقات میں یہاں آ کر ذہنی آسودگی اور فرحت حاصل کر سکیں۔ مگر اب تفریحی کی جگہوں کو بھی نفسانی مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ کراچی میں کلفٹن' ہاکس بے' کہسار ہل پارک' سفاری پارک اور نشتر پارک۔ لاہور میں جلو پارک' باغ جناح' ماڈل ٹاؤن پارک اور ریس کورس پارک۔ فیصل آباد میں گٹ والا' راولپنڈی میں چھتر باغ' مری میں لورز لین' پشاور میں باغ جناح' کوئٹہ میں عسکری پارک ایسی جگہیں ہیں جہاں رومان پسند جوڑوں کے علاوہ عصمت فروش عورتیں چکر لگاتی رہتی ہیں اور سیر و تفریح کی آڑ میں اپنے گاہک تلاش کرتی ہیں۔

ان پارکوں میں عموماً تین قسم کے لوگ آتے ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو

صرف سیر وتفریح کی غرض سے یہاں آتے ہیں' مگر ان لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ دوسری قسم رومان پسند جوڑوں کی ہے جن کو یہ پارک سستی ترین تنہائی فراہم کرتے ہیں۔ پارکوں میں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ جلو پارک لاہور میں ایسے جوڑوں کی سرگرمیوں کے متعلق روزنامہ خبریں نے ایک رپورٹ شائع کی ہے۔

رپورٹ کے مطابق: عشق کے مارے ہوئے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو سستی ترین تنہائی فراہم کرنے کے حوالے سے لاہور کے مضافات میں واقع ''جلو تفریحی پارک'' غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ پارک میں عہد و پیماں' ایک دوسرے کو یقین دہانیاں کروانے اور جیون بھر کا ساتھ نبھانے کی قسمیں کھانے کے لیے درجنوں کی تعداد میں نوجوان جوڑے سکولوں' کالجوں' دکانوں اور دفاتر سے راہ فرار اختیار کر کے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی دو تین درخت اکٹھے ہوں اور تخلیہ کا معمولی سا بھی ماحول بنتا ہو یہ نوجوان جوڑے اس جگہ کو اپنا مسکن بنا کر چھٹی کے اوقات ختم ہونے سے نصف گھنٹہ پہلے تک بیٹھے رہتے ہیں۔ جوڑے جلو پارک کے سرسبز میدانوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو سبز باغ دکھاتے ہیں۔

چوری چھپے ہونے والی ملاقاتوں میں جذباتی انداز میں مستقبل کی منصوبہ بندی اور کورٹ میرج جیسے موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔ یہاں ہر کلاس اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے جوڑے آتے ہیں۔ ان جوڑوں میں اکثر سکولوں اور کالجوں کی یونیفارم میں ملبوس ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض بڑی بڑی گاڑیوں میں زرق برق لباس پہن کر خوشبوؤں سے لپٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں آ کر ایک جوڑا اپنا پڑاؤ ڈالتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا جوڑا تو اردگرد موجود نہیں۔ اگر کوئی جوڑا کسی درخت کے سائے میں بیٹھا ہو تو وہ حفظ ماتقدم کے طور پر وہ جگہ چھوڑ کر اتنے فاصلے پر جا کر بیٹھ جاتا ہے کہ اس کی حرکات وسکنات کا کسی دوسرے کو اندازہ نہ ہو سکے۔ (45)

تیسری قسم شکاری لوگوں کی ہے جو محض ان پارکوں میں اپنے شکار کی غرض سے آتے ہیں۔ ان لوگوں میں عورتیں اور مرد دونوں شامل ہیں۔ عصمت فروش عورتیں اپنے گاہک تلاش کرتی ہیں جبکہ شکاری مرد ایسی فاحشہ عورتوں کی تلاش میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ مثلاً چھتر باغ راولپنڈی کے متعلق ماہنامہ مون ڈائجسٹ لکھتا ہے کہ یہاں بہت سے نوجوان

ٹولیوں کی صورت میں گھومتے پھرتے اور شکار تاڑتے ہیں۔ ان میں اکثر کو کامیابی نصیب ہو جاتی ہے اور یوں موقعہ پر ہی انہیں دل کے ارمان پورے کرنے کا سامان مل جاتا ہے۔[46]

باغ جناح پشاور میں افغانی عورتوں کا قبضہ ہے جو ٹولیوں کی صورت میں یہاں آتی ہیں اور لوگوں کو گناہ کی طرف مائل کرتی ہیں۔ یہ عورتیں سرعام اپنی عصمت کی بولی لگاتی ہیں تقریباً یہی حال باقی تفریحی پارکوں کا ہے۔

## بھکاری عورتیں

سڑکوں، بسوں اور دیگر پبلک مقامات پر مانگنے والی تقریباً سبھی عورتیں عصمت فروشی کا دھندہ کرتی ہیں۔ روزنامہ جنگ ان بھکاری لڑکیوں کے متعلق لکھتا ہے: گوجرانوالہ اور گردونواح میں بھکارن لڑکیاں اور خواتین جو پہلے بھیک مانگا کرتی تھیں اب کچھ عرصہ سے صاف ستھرے لباس میں مسجد کی تعمیر کے نام پر گاڑیوں میں اور سڑکوں پر چندہ اکٹھا کرتی ہیں۔ سریلی آواز میں گانے والی یہ لڑکیاں چندہ نہ دینے والے نوجوانوں کو اتنا زچ کرتی ہیں کہ انہیں چندہ دینا پڑتا ہے۔ یہ لڑکیاں مکروہ دھندے میں بھی ملوث پائی جاتی ہیں۔

ان کے بہروپیے ہونے کا انکشاف اس وقت ہوا جب کچھ نوجوانوں نے ان لڑکیوں میں سے دو کو پہچان لیا کہ مذکورہ لڑکیاں چند روز قبل تک گوجرانوالہ اڈا کے قریب بھکاری بن کر خیرات مانگا کرتی تھیں۔ لہٰذا انہوں نے جب تعمیر ہونے والی مسجد کے متعلق دریافت کیا تو لڑکیاں ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئیں کہ ہماری روزی کا معاملہ ہے۔ نوجوانوں نے انکشاف کیا کہ یہ سب لڑکیاں جسم فروشی کا مکروہ کاروبار بھی کرتی ہیں۔[48]

آج کل اڈوں پر ملنے والی ان پیشہ ور عورتوں میں سے بڑی تعداد خانہ بدوش عورتوں کی ہے۔ کبھی یہ عورتیں بھیک مانگتی پھرتی تھیں یا معمولی قسم کی اشیاء بیچ کر گزارہ کرتی تھیں لیکن گرتی ہوئی مجموعی معاشی صورتحال نے انہیں تقریباً محفوظ پیشے کی طرف پھیر دیا ہے۔ خانہ بدوش عورتیں عموماً بہت کم معاوضہ طلب کرتی ہیں اور کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یہ سہولت پہنچا کر زیادہ سے زیادہ پیسے کما سکیں۔ خانہ بدوش عورتوں کی بڑی تعداد کے اس طرف مائل ہو جانے کی وجہ سے عام پیشہ ور عورتوں کو مشکلات کا سامنا ہے۔

## اتوار بازار

اس وقت ملک کے بڑے بڑے شہروں میں ہفتے کے مختلف ایام میں مختلف جگہوں

پر ایسے بازار کثرت سے لگائے جا رہے ہیں جہاں عوام کو مارکیٹ کی نسبت قدرے سستے داموں اشیاء مہیا کی جاتی ہیں۔ چونکہ اتوار کو ملک بھر میں چھٹی ہوتی ہے۔ بازار اور مارکیٹیں بند ہوتی ہیں اس لیے اتوار کے دن ایسے بازاروں کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کی کثیر تعداد ان سے استفادہ کر سکے۔ پہلے اس قسم کے بازاروں کو جمعہ بازار کہتے تھے کیونکہ جمعہ کو چھٹی ہونے کی بنا پر یہ بازار جمعہ کے دن لگائے جاتے تھے۔

ان بازاروں میں عورتوں، مردوں، نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بازار میں چلنا پھرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ منچلے اس ہجوم سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ اپنے مخصوص طریقوں سے نوجوان لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے اپنا شکار تلاش کرتے ہیں۔

بعض عورتیں بھی صرف اسی مقصد کے لیے ایسے بازاروں میں گھومتی ہیں۔ چنانچہ شکاری لوگ بڑی آسانی سے ایسی عورتوں کو اس بازار سے قابو کر کے کسی ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں وہ کچھ دیر کے لیے دنیا و مافیا سے بے خبر ہو جائیں۔ دن بھر عصمت فروش عورتوں کا یہ شغل جاری رہتا ہے۔

## تھیٹر اور سرکس

چلتی پھرتی گناہ کی منڈیوں میں تھیٹر اور سرکس سرفہرست ہیں۔ ان میں جوئے کے علاوہ فحاشی اور بے حیائی کے کھلے مظاہرے کیے جاتے ہیں۔ جوئے کے اڈوں پر ہیجڑے اور مختلف ورائٹی شوز میں طوائفیں فحش گانوں کی دھنوں پر رقص کے ساتھ ساتھ اس قدر بے ہودہ اور شرمناک حرکات کرتی ہیں کہ قلم انہیں بیان نہیں کر سکتا۔

یہ تھیٹر اور سرکس سال بھر ملک کے مختلف شہروں میں حرکت کرتے رہتے ہیں۔ شہروں کے علاوہ عوامی میلے ٹھیلوں میں بھی سرکس اور تھیٹر وغیرہ لازمی جزو تصور کیے جاتے ہیں۔ ان میلوں میں تفریح کی آڑ میں فحاشی اور عصمت فروشی عام ہوتی ہے۔

ذیل میں ایک ایسے ہی عوامی میلے کی روداد "روزنامہ خبریں" نے اس طرح بیان کی ہے: ہر سال کی طرح اس سال بھی سکھر ہائی کورٹ کے سامنے ریلوے گراؤنڈ میں عوامی میلے کے نام پر عوام کی تفریح کی خاطر شروع کیے گئے میلے میں مبینہ طور پر مقامی انتظامیہ کے اہم

اہلکاروں کی سرپرستی میں جوئے کے اڈوں کے علاوہ ورائٹی شو کے نام پر شہر کے نوجوانوں کو بازارِ حسن کی تمام تر سہولیات مہیا کرنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔

اس عوامی میلے میں ایک محتاط اندازے کے مطابق روزانہ 10 لاکھ کا جوا کھیلا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ورائٹی شو میں حسن کے جلوے دکھا کر لاکھوں روپے روزانہ بٹورے جا رہے ہیں۔ ورائٹی شو میں خوبرو لڑکیاں فحش انڈین اور انگلش گانوں کی دھنوں پر رقص پیش کرتی ہیں۔ ان لڑکیوں کو خاص طور پر ایسے لباس پہنائے جاتے ہیں جو عریانیت کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہاں ہر آنے والے خاص مہمانوں کے لیے شراب و شباب کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ شامیانوں کے عقب میں انہیں یہی لڑکیاں شراب کے پیگ بنا بنا کر پیش کرتی ہیں۔ اس طرح بعض نوجوان نشے میں مست ہو کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ جنھیں رات گئے ورائٹی شو کے کرتا دھرتا اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں (یعنی شراب و شباب میں مدہوش کر کے خوب مال بٹورتے ہیں) قابل ذکر امر یہ ہے کہ عوام کی تفریح کی خاطر لگائے گئے اس عوامی میلے میں ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے کہ یہاں شریف آدمیوں کا داخلہ تقریباً بند ہو چکا ہے۔ اور میلے کے اندر داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مغرب کے کسی انتہائی ایڈوانس شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔[49]

اسی طرح جنگ لاہور نے جام پور میں ایک عوامی میلے کے متعلق لکھا ہے: جام پور میں روحانی بزرگ سید محسن شاہ کے میلے پر میجک اینڈ ورائٹی شو کے نام پر اس قدر فحاشی اور بے حیائی کے مظاہرے کیے جا رہے تھے کہ مجبوراً مقامی انتظامیہ کو یہ میلہ بند کرانا پڑا۔ تاہم اس کے باوجود اس شو میں رقص کرنے والی طوائفیں بدستور جام پور میں موجود ہیں۔ جب پولیس نے چھاپہ مارا تو یہ رقاصائیں شراب میں مدہوش ہو کر ایک بااثر گروپ کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھیں۔ اس گروپ میں ایک سابق ممبر ضلع کونسل بھی شامل تھا۔[50]

معلوم ہوا کہ عصمت فروشی کے موبائل اڈوں میں سرکس اور تھیٹر ایسے فحاشی کے موبائل اڈے ہیں جو ملک بھر میں چل پھر کر عصمت فروشی کے کاروبار کو فروغ دے رہے ہیں۔



# (2) ناجائز تعلقات کی استواری

ناجائز تعلقات کی استواری سے مراد ایسے تعلقات ہیں جن میں عصمت کی کوئی قیمت وصول نہیں کی جاتی بلکہ فریقین ایسے تعلقات مجبوراً یا محض جنسی تسکین اور لطف اندوزی کے لیے پیدا کر کے اپنی عصمت کا گوہر لٹاتے ہیں۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں میں بہت جلد ایسے تعلقات استوار ہو جاتے ہیں خواہ وہ گاؤں کے باسی ہوں یا شہر کے باشندے۔ مخلوط سوسائٹی میں ایسے تعلقات بہت عام دکھائی دیتے ہیں۔

ان کے علاوہ وہ عورتیں جن کے شوہر بسلسلہ روزگار ملک سے باہر چلے جاتے ہیں یا ایسی عورتیں جن کے شوہر دارفانی سے رخصت ہو جاتے ہیں یعنی بیوہ عورتیں یا وہ عورتیں جن کی جنسی ضرورت بعض وجوہ کی بنا پر ان کے شوہر پوری نہیں کر سکتے بڑی آسانی سے ناجائز تعلقات استوار کر لیتی ہیں۔

پاکستان میں عصمت فروشی کی نسبت عام بدکاری جو محض جنسی آسودگی کے لیے کی جاتی ہے کہیں زیادہ ہے۔ خصوصاً مخلوط اداروں میں جہاں عورت اور مرد آزادانہ طور پر ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں بہت جلد ایک دوسرے سے ناجائز تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے کئی ادارے موجود ہیں جہاں مرد اور عورتیں اکٹھے کام کرتے ہیں۔ ان میں سرکاری اور پرائیویٹ دونوں قسم کے ادارے شامل ہیں۔ ان کے علاوہ مخلوط تعلیمی ادارے ہیں جہاں Co-Education ہوتی ہے۔

ان تعلیمی اداروں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بڑی آسانی سے ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر لیتے ہیں اور وہ ان تعلقات کو حسین لمحات اور خوشگوار زندگی کا نام دیتے ہیں۔

## مخلوط تعلیمی ادارے

ملک کی تمام یونیورسٹیوں اور بعض مخصوص کالجوں جیسے میڈیکل کالجز اور ٹیکنیکل کالج وغیرہ میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ چھوٹی عمر میں تو لڑکے اور لڑکیاں اپنے الگ الگ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں مگر جب وہ مکمل جوان ہو جاتے ہیں تو انہیں اکٹھا کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے تعلیمی اداروں میں تعلیم کی نسبت بے راہ روی زیادہ فروغ پائے گی۔ ایک جائزے کے مطابق ان اداروں میں 80 فیصد سے زائد طلباء و طالبات اپنی عصمت کا گوہر گنوا دیتے ہیں کیونکہ یہاں اشتعال بھڑکانے اور بجھانے دونوں طرح کا سامان موجود ہوتا ہے۔

مخلوط تعلیمی نظام میں اس خرابی کو اب طالبات بذات خود بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہی ہیں۔ وہ اکثر ملکی اخبارات اور رسائل و جرائد میں اس امر کا اظہار بڑے کھلے ڈلے انداز میں کر رہی ہیں۔ مثلاً ماہنامہ ''جیون'' میں ایک طالبہ اپنے مضمون ''مخلوط تعلیم'' میں لکھتی ہے: مخلوط تعلیم کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ طلباء و طالبات میں آزادانہ میل جول سے جنسی شعور بلوغت کی عمر سے پہلے ہی بیدار ہو جاتا ہے اور وہ جلد ایک دوسرے میں جنسی کشش محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ان کی ایک دوسرے کی طرف رغبت بالکل بجا معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ بارود کو آگ کے نزدیک رکھ کر کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ وہ پھٹے نہیں۔ اسی طرح اگر آپ مکھن آگ کے قریب لے جائیں گے تو وہ ضرور پگھل جائے گا۔ لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ بارود اور مکھن کو آگ سے دور رکھیں۔ (57)

عزیز طالبہ نے شاید ایسے مخلوط تعلیمی اداروں کا ذکر کیا ہے جہاں نابالغ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہوں کیونکہ وہ لکھتی ہیں کہ ان بچوں میں جنسی شعور بلوغت کی عمر سے پہلے ہی بیدار ہو جاتا ہے۔ جن مخلوط تعلیمی اداروں میں بچے بلوغت کے عروج میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کی حالت کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل مون ڈائجسٹ کی ایک ٹیم نے یونیورسٹیوں میں پروان چڑھنے والی محبت اور رومانس کے متعلق حقائق معلوم کرنے کے لیے ایک یونیورسٹی کا سروے کیا اور اخذ شدہ معلومات پر ایک جامع رپورٹ مرتب کی۔ ٹیم کے مطابق: جب لڑکیوں سے پوچھا کہ رابطے کی ابتداء آپ کی طرف سے ہوتی ہے یا لڑکوں کی طرف سے؟ تو انہوں نے سارا الزام لڑکوں کے سر تھوپ دیا۔ کہنے لگیں: سب سے پہلے لڑکے لڑکیوں کی طرف مائل ہوتے ہیں' رابطے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے اتنے بھلونڈے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں! اف توبہ!

مثلاً میل کلاس فیلو اپنی کلاس فیلو کے پاس آئے گا اور کہے گا ''جی آپ ماشاءاللہ کلاس کی سب سے ذہین لڑکی ہیں۔ میں پڑھائی کے سلسلے میں آپ کی مدد چاہتا ہوں۔ اگر آپ برا نہ منائیں تو اپنے نوٹس ایک دن کے لیے مجھے دیں میں دیکھ کر فوراً واپس کر دوں گا۔ اگر لڑکی نوٹس دے دیتی ہے تو بات بن گئی' لیکن اگر وہ انکار کر دیتی ہے یا پوری سچائی سے کہہ دیتی ہے کہ وہ نوٹس تیار نہیں کرتی تو لڑکوں کی اگلی چال یہ ہوتی ہے کہ میں نوٹس بنا رہا ہوں اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کو دکھا دیا کروں۔ آپ اسے پڑھ کر مجھے مشورہ دے دیا کریں اس سے میرے نوٹس بہتر ہو جائیں گے اور آپ کو بھی فائدہ ہوگا۔ اگر لڑکی نوٹس لے لیتی ہے تو اس طرح ان کے درمیان رابطے کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

بعض لڑکیوں نے لڑکوں کی ایک اور واردات کے متعلق بتایا: کچھ لڑکے مل کر اپنے شہر یا ضلع کے نام سے تنظیم بنا لیتے ہیں' پیڈ چھپوا لیتے ہیں' جب نئی کلاسیں شروع ہوتی ہیں تو عملے سے مل کر اپنے علاقے سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے نام اور ڈیپارٹمنٹ معلوم کر لیتے ہیں۔ بعدازاں ان لڑکیوں سے براہ راست مل کر انہیں اپنی تنظیم کی افادیت سمجھانے لگتے ہیں اور زور دیتے ہیں کہ وہ ان کی تنظیم میں شامل ہو جائیں تاکہ مشترکہ مفادات کے حصول کے لیے کوشش کی جائے۔ لڑکی انکار کرے تو بار بار اس کے پاس آتے ہیں۔ ان طویل مکالموں سے بھی اکثر ملاقات کی راہ نکل آتی ہے۔ عام طور پر برادری کے نام سے یہ تنظیمیں قائم کی جاتی ہیں مثلاً آرائیں' فیڈریشن' راجپوت سوسائٹی' گجر ایسوسی ایشن وغیرہ۔ یہ تنظیمیں اور ان کے کارکنان اپنی برادری کی لڑکیاں تلاش کر کے انہیں تنظیم میں شامل ہونے کی دعوت دینے کی آڑ میں ملاقاتوں اور راہ و رسم کا سلسلہ بڑھاتے ہیں۔

کچھ لڑکیوں نے یہ بھی بتایا کہ اکثر لڑکے کلاس روم میں زنانہ سیٹوں کے قریب بیٹھ جاتے ہیں۔ نوٹس لکھتے لکھتے اچانک ان کی کاپی یا بال پوائنٹ ختم ہو جاتی ہے اور وہ سرگوشیوں میں اپنی ساتھی طالبہ سے کاغذ یا بال پوائنٹ طلب کرتے ہیں۔ لڑکی انکار نہیں کر سکتی۔ دوسرے دن وہ بال پوائنٹ یا کاغذ واپس کرنے کے لیے بار بار شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس طرح بھی رابطے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

لڑکیوں کا کہنا ہے کہ لڑکے انہیں متاثر کرنے کے لیے کئی حربے استعمال کرتے ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ میرا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے ہے۔ میں 50 مربع اراضی کا تنہا وارث ہوں۔ پوری برادری کی کوشش ہے کہ میں کسی رشتہ دار لڑکی سے شادی کر لوں مگر میں کسی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

لڑکیوں کا کہنا ہے کہ اس قسم کی باتوں کا ان پر براہ راست اثر پڑتا ہے اور وہ ان کے دام میں آ جاتی ہیں کیونکہ عورت کا اچھا مستقبل اس کے اچھے خاوند سے ہی وابستہ ہوتا ہے اس لیے زیادہ تر لڑکیاں اسی چکر میں برباد ہو جاتی ہیں۔

ایک لڑکی نے بتایا کہ ان معاملات کے لیے بعض اوقات لڑکے مل کر پکنک پارٹیوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور پھر ہفتے کے کسی دن پوری کلاس یا منتخب کلاس فیلوز کسی پارک، دریا یا شہر سے باہر پکنک کے لیے چلے جاتے ہیں۔ وہاں انہیں نہ صرف رفاقت کے طویل لمحات میسر آتے ہیں بلکہ جھجک کی دیواریں بھی خود بخود گر جاتی ہیں۔

ہفت روزہ فیملی میگزین لڑکی مذکورہ کے بیان کی تصدیق ان الفاظ میں کرتا ہے۔ لکھتا ہے: کالج اور یونیورسٹی کی لڑکیاں عموماً پکنک کے لیے جناح باغ یا ریس کورس پارک کا انتخاب کرتی ہیں اور کچھ دیر یہاں گزارنے کے بعد واپس کالج یا یونیورسٹی چلی جاتی ہیں۔ یہ لڑکیاں اپنے چاہنے والوں کے ہمراہ کچھ وقت ان پارکوں میں گزارتی ہیں پھر ریستورانوں میں بنے ہوئے کیبنوں (Cabins) میں چلی جاتی ہیں[58] اور وہاں اپنے سلگتے ہوئے جذبات کی تسکین پاتی ہیں۔

سروے ٹیم کے مطابق: اس سلسلے میں جب ہم نے لڑکوں سے رابطہ کیا تو انہوں نے اس شعر کا حوالہ دیتے ہوئے کہ "عشق اول در دل معشوق پیدا می شود" بتایا کہ ابتداء ہمیشہ عورت کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہ مرد کو ٹریس کرتی ہے، اسے موقع فراہم کرتی ہے تو ہی مرد

آگے بڑھتا ہے۔ اگر لڑکی نہ چاہے تو کسی بھی لڑکے میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

ایک لڑکے نے بتایا کہ آنکھیں پہلا پیامبر ہوتی ہیں۔ لڑکی جب لڑکے کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا پڑ جاتا ہے تو لڑکا سمجھ جاتا ہے کہ یہاں کوشش کی جا سکتی ہے پھر نوٹس، بال پوائنٹ، تنظیمیں اور پکنک سب بہانے ہیں۔ اصل سلسلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے۔

کچھ لڑکوں نے بتایا کہ اکثر لڑکیاں لڑکوں کو مائل کرنے کے لیے عجیب کھیل کھیلتی ہیں مثلاً جان بوجھ کر سیٹ (Seat) پر رومال، قلم، کاپی یا کوئی اور چیز بھول جائیں گی، لڑکا اٹھائے گا اور جب دوسرے دن لڑکی کو دینے آئے گا تو وہ غیر معمولی حیرت سے وصول کرے گی اور اس کا بار بار شکریہ ادا کرے گی۔

ایک لڑکے نے بتایا کہ اکثر لڑکیاں میل کلاس فیلوز کو نوٹس فوٹو کاپی کروانے کو کہتی ہیں، بے چارہ کروا لاتا ہے تو اسے پیسے دینے کی کوشش کرتی ہیں وہ صاحب لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ بحث ہوتی ہے، اصرار و انکار ہوتا ہے، آخر طے ہوتا ہے کہ چلو ان پیسوں کی چائے پی لی جائے۔ رابطہ کی استواری میں جو کسر باقی تھی وہ چائے کے کپ سے پوری ہو گئی۔

کچھ لڑکوں نے بتایا کہ لڑکیوں کا ایک اور ہتھکنڈہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ لڑکے سے کہیں گی آپ مجھے فلاں چیز لا دیں۔ یا آپ نے یہ کتاب کہاں سے خریدی ہے؟ اگر ناگوار نہ گزرے تو ایک کاپی مجھے بھی لا دیں۔ یہ پیسے لے جائیں۔ یا میں نے یہ چیز فلاں گھر پہنچانی ہے خود اتنی دور نہیں جا سکتی۔ اگر آپ مہربانی کریں تو...... اور لڑکا مہربانی کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ دونوں ایک دوسرے پر مہربان ہو جاتے ہیں۔

بعض لڑکوں نے بتایا کہ لڑکیاں رابطے کے کارڈز کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ مثلاً عید، نئے سال اور کرسمس پر اپنے میل کلاس فیلوز کو کارڈ بھیجتی ہیں۔ وہ کارڈ وصول کرتے ہیں اور دوسرے دن ہی اس کے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔ شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ذوق انتخاب کی بھی دل کھول کر داد دیتے ہیں اور افیئر چل پڑتا ہے۔

یونیورسٹی کے لڑکے اور لڑکیوں میں جب زبانی رابطے پکے ہو جاتے ہیں تو پھر جسمانی رابطوں کے لیے کوشش شروع ہو جاتی ہے۔ اس کوشش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے

منصوبہ بندی کرنا لڑکی اور لڑکے کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے عملی فائدہ کب' کیسے اور کہاں اٹھا سکتے ہیں۔(59)

آخر میں "نیوز لائن" کی ایک رپورٹ ملاحظہ ہو جو اس نے ایک مخلوط تعلیمی ادارے کراچی میں ہونے والی بے راہ روی کے متعلق شائع کی ہے۔ رپورٹ کافی طویل ہے۔ اس میں صرف ایک یا دو امثال پیش خدمت ہیں۔

نیوز لائن لکھتا ہے: ڈیفنس انگلش میڈیم سکول میں ہونے والی بے راہ روی کے متعلق جب ایک طالبہ سے سوال کیا گیا' تو اس نے کہا: اس سکول میں 80 فیصد طلباء و طالبات ایک دوسرے سے ناجائز تعلقات رکھتے ہیں۔ یہاں اکثر لڑکیاں حاملہ ہو جاتی ہیں۔ جنہیں ناجائز بچوں کو جنم دینے کے لیے چھ ماہ کی رخصت لینی پڑتی ہے۔

نیوز لائن کے مطابق: جب یہ سوال ایک اور طالبہ جس کی عمر 17 سال تھی کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ یہاں ایک دوسرے سے تعلقات استوار کر لینا عام سی بات ہے۔ لڑکیاں اس فعل کو ہرگز معیوب خیال نہیں کرتیں بلکہ بہت سی لڑکیاں اپنے ناجائز تعلقات کا کھلم کھلا پرچار کر رہی ہیں۔ ہم سب ایک دوسرے کے متعلق جانتے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے' تاہم والدین اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔"(60)

## ٹیوشن سنٹرز

آج کل ٹیوشن کا رواج اتنا عام ہو گیا ہے کہ طلباء و طالبات کی اکثریت ٹیوشن پڑھ رہی ہے۔ ٹیوشن پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن قباحت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نوجوان لڑکیاں مرد اساتذہ سے جبکہ نوجوان لڑکے خواتین اساتذہ سے ٹیوشن پڑھتے ہیں۔ اس طرح کی ٹیوشن میں کتاب پر توجہ کم اور ایک دوسرے پر توجہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ جو بالآخر جسمانی تعلقات کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اخبارات اور جرائد ایسے کئی واقعات کی نشاندہی کرتے رہتے ہیں۔

مثلاً ماہنامہ چترالی میں کالج کی ایک طالبہ لکھتی ہے: میں فرسٹ ایئر میں پڑھتی ہوں۔ ٹیوشن کے لیے بھی جاتی ہوں' میری انگلش ذرا کمزور تھی۔ میں نے ایک انگلش کے استاد سے ٹیوشن پڑھنا چاہا تو انہوں نے مجھے صبح 6 بجے کا وقت دیا۔ میں وہاں پڑھنے جاتی' میرے

علاوہ اور بھی لڑکیاں ہوتی تھیں لیکن سر تو صرف مجھ پر ہی توجہ دیتے تھے۔ کیونکہ میں باقی لڑکیوں کی نسبت زیادہ خوبصورت اور سڈول جسم کی مالک تھی۔ ٹیچر میرے ساتھ بہت ہمدردی کرتے اور میری بات توجہ سے سنتے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اس ہمدردی کے پیچھے ان کے گندے ارادے پوشیدہ ہیں۔

ایک دن جب میں وہاں پڑھنے گئی یہ منحوس دن مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ ٹیچر نے کہا آج میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ سب چھٹی کریں۔ میں بھی جانے لگی تو ٹیچر نے مجھے روکا اور کہا کہ آپ میرے کپڑے استری کر دیں۔ میں نے ان کے حکم کے مطابق ان کے کپڑے استری کر دیئے۔ جب پھر جانے لگی تو ٹیچر نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ! آپ نے بہت کام کیا ہے میں آپ کو ٹھنڈی بوتل پلاتا ہوں۔ میں نے وہ بوتل پی لی اور اپنی قسمت کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیئے۔ ٹیچر نے اس بوتل میں نشہ آور گولیاں ملائی ہوئی تھیں۔ بوتل پیتے ہی مجھے چکر آئے اور میں بے ہوش ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میرا بدن عریاں تھا اور وہ بے غیرت ابھی تک میرے بدن پر لیٹا ہوا تھا۔ میں بہت روئی اور چلائی مگر اس ظالم نے میری ایک نہ سنی بلکہ اسی حالت میں میری تصاویر بھی اتار لیں۔

اب میں اس کے اشاروں پر ناچتی ہوں اور وہ جو کہتا ہے کرتی ہوں۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر کبھی انکار کیا تو تمہاری تصویریں تمہارے گھر بھیج دوں گا۔ لہذا اس کا جب دل چاہتا ہے مجھے بلا لیتا ہے اور اب تو اس نے اپنے دوستوں کو بھی اس پروگرام میں شامل کر لیا ہے۔ اگرچہ میرے گھر والوں کو اس بات کی خبر نہیں تاہم میں کسی کے قابل نہیں رہی ہوں۔ (61)

اسی طرح روزنامہ جنگ کی ایک خبر کے مطابق علاقہ جن پور (خانپور میں واقع ہے) کا 64 سالہ گل حسن 8 سال قبل محکمہ تعلیم سے ریٹائرڈ ہوا اور ایک پرائیویٹ سکول میں ملازمت اختیار کر لی۔ ساتھ ہی گھر میں اس نے ایک ٹیوشن سنٹر بھی کھول لیا۔ گل حسن نے ٹیوشن پڑھنے والی 13 سالہ ایک طالبہ سے تعلقات قائم کر لیے۔ جب وہ حاملہ ہو گئی تو چپکے سے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ لڑکی کے والدین کو پتہ اس وقت چلا جب 13 سالہ (س) اور 64 سالہ گل حسن رشتہ ازدواج میں منسلک ہو چکے تھے۔ (62)

اسی روزنامہ کی ایک اور خبر کے مطابق: شیخوپورہ کے محسن آباد فیصل آباد روڈ سے

تین مولویوں نے ایک لڑکی (الف) کو اغوا کر کے نامعلوم مقام پر پہنچا دیا۔ پولیس نے مغویہ کی ماں کے بیان پر مولوی حبیب احمد' مولوی بنیامین اور مولوی امام بخش کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔ ایف آئی آر میں مغویہ کی ماں نے کہا کہ میں نے ایک سال پہلے مولوی حبیب احمد کو اپنے بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کی خاطر مقرر کیا مگر اس نے میری بیٹی سے ناجائز تعلقات استوار کر لیے۔ جس کا شک ہونے پر میں نے مولوی حبیب احمد کو بچوں کو پڑھانے سے روک دیا۔ مگر وہ صبح و شام ہمارے گھر کے سامنے آ کر بیٹھ جاتا جس پر محلہ داروں نے اسے وہاں آنے سے سختی سے روک دیا۔

چند روز بعد دو مقامی مساجد کے امام قاری بنیامین اور قاری امام بخش میرے گھر آئے اور کہا کہ میں بچیوں کو ان کے ساتھ بھیج دوں کیونکہ مسجد میں قرآن خوانی ہے۔ چنانچہ میں نے دونوں بچیوں کے ان کے ساتھ بھیج دیا۔ سہ پہر کو چھوٹی بچی نے واپس آ کر بتایا کہ اس کی بڑی بہن (الف) کو قاری بنیامین اپنے گھر لے گیا ہے۔ چنانچہ میں اس کے گھر گئی تو وہ تالے لگا کر گھر سے غائب تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ مولوی حبیب احمد' قاری بنیامین اور قاری امام بخش ''الف'' کو بس میں سوار کر کے فیصل آباد کی طرف لے گئے ہیں۔''(63)

طالبات تو درکنار بہت سے بالی عمر کے بچے بھی ٹیوٹرز کی جنسی ہوس کا نشانہ بنتے ہیں۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو جب ٹیوشن پڑھوائیں تو ساتھ ساتھ ان کی سخت نگہداشت بھی کریں اور ٹیوٹرز پر بھی نظر رکھیں کہ وہ کس کردار اور اخلاق کے مالک ہیں۔

اگر کسی ٹیوشن سنٹر میں مخلوط نظام تعلیم ہے تو یہاں بھی وہی حال ہے جو مخلوط تعلیمی اداروں کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ایسے تعلیمی مراکز درحقیقت نوجوان نسل کے لیے محبت گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج کل بڑے شہروں میں ٹیوشن کے مخلوط مراکز کا رواج عام ہو رہا ہے۔

## مخلوط دفاتر

مخلوط دفاتر جہاں مرد اور عورتیں اکٹھے کام کرتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ راہ رسم پیدا کر لیتے ہیں۔ ان دفاتر میں بعض اوقات کام کرنے والی عورتوں کو تعلقات پیدا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جبکہ بعض عورتیں رضامندی سے محض عیش و عشرت کے لیے مردوں سے

تعلقات استوار کر لیتی ہیں۔ مخلوط صنعتی اور کاروباری اداروں میں ایسے کئی واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً ہفت روزہ تکبیر نے پچھلے دنوں محکمہ ٹیلی کمیونی کیشن میں خواتین اپریٹروں کے متعلق لکھا:

کراچی کے مرکزی انفارمیشن سسٹم (17) یا ون سیون انکوائری میں تقریباً 98 اپریٹرز ٹیلی کام فاؤنڈیشن کے ملازم ہیں جن میں نصف تعداد خواتین اپریٹروں کی ہے۔ چونکہ ان خواتین اپریٹروں کی ملازمت مکمل طور پر ڈویژنل انجینئر (DE) کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنی ملازمتوں کی بقا کے (DE) کے ہاتھوں کھلونا بننے پر مجبور ہیں۔

ون سیون انفارمیشن ہال کے ایک جانب مرکزی کنٹرول روم ہے۔ جسے ACD روم بھی کہا جاتا ہے۔ اس کنٹرول روم کے اندر ایسے آلات نصب ہیں جن کے ذریعے ڈیوٹی پر موجود اپریٹروں کی گفتگو ریکارڈ کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر خواتین اپریٹرز بھی اپنے مرد دوستوں سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف رہتی ہیں۔ لہٰذا اس کنٹرول روم کے ذریعے افسران خواتین اپریٹروں کی نجی گفتگو ریکارڈ کر کے انہیں بلیک میل کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ ان کے ناجائز مطالبات ماننے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ون سیون انکوائری کی ملازم لڑکیوں کو مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں افسران کے شیطان ٹولے کی معاونت ایک خاتون سپروائزر زیب النساء بھی کرتی ہے۔ وہ خواتین اپریٹرز کو مجبور کرتی ہے کہ وہ متعلقہ افسران کو خوش رکھیں۔ (64)

یہی حال باقی مخلوط اداروں کا ہے۔ خواہ یہ ادارے تعلیمی ہوں یا صنعتی، معاشی ہوں یا اقتصادی جہاں کہیں مرد اور عورت اکٹھے کام کر رہے ہوں گے۔ وہاں عصمت کی سلامتی اور تحفظ ناممکن ہو جائے گا۔ کچھ ''NGOS'' نان گورنمنٹ آرگنائزیشن بھی بے سہارا خواتین کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر سرکاری افسران کی خوشنودی کے لیے ان لڑکیوں کی عصمت کا خون بہا رہی ہیں۔

## جیل خانہ جات

قیدی عورتوں پر جیل کا عملہ اکثر جنسی تشدد کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں کافی عورتیں حاملہ ہو جاتی ہیں۔ لاہور کی زنانہ جیل میں ایک خوبصورت قیدی عورت کے تین بچے جیل میں

قید کاٹنے کی مدت کے دوران پیدا ہوئے۔ مگر معلوم نہیں کہ پیدائش کے بعد یہ بچے کہاں غائب ہو گئے۔(65)

ملتان جیل میں ایک بہت بڑا ہنگامہ بھی عورتوں سے جیل کے عملہ کی بدسلوکی کے نتیجہ میں ہوا۔ جس میں کئی قیدی بھی مارے گئے۔

شیخوپورہ جیل میں منگیتر کی قاتل لڑکی فرح ناز نے بتایا کہ جیل حکام قیدی عورتوں کی آبروریزی کرتے رہتے ہیں۔ یہ لڑکی اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

## پیرانِ تسمہ پا

ملک میں کثیر تعداد ایسے جعلی پیروں کی ہے جو نہ صرف سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنا کر رقم بٹورتے ہیں بلکہ شریف خواتین کی عزتیں بھی برباد کرتے ہیں۔ رسائل و جرائد اور اخبارات میں اکثر ایسے نام نہاد پیروں کے متعلق سرخیاں لگتی رہتی ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

لاہور کے ایک جعلی پیر زاہد علی کے متعلق انکشاف ہوا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حق سائیں کہلاتا ہے اور سینکڑوں خواتین کو بے آبرو کر چکا ہے۔ اس نے اپنے پیر خانے سے ملحقہ ایک کمرے کو باقاعدہ طور پر عیاشی کا اڈا بنا رکھا ہے جسے نہ وہ صرف خود عیاشی کے لیے استعمال کرتا ہے بلکہ اپنے دوستوں اور علاقے کے بااثر افراد کو بھی اس کمرے میں تخلیہ فراہم کرتا ہے۔

ملتان سے ایک جعلی پیر محمد حفیظ پکڑا گیا جس کے متعلق یہ انکشاف ہوا کہ وہ مڈل فیل ہے اور زیادہ تر عورتوں کو اپنے چنگل میں پھنساتا ہے۔ خود کو بے اولاد عورتوں کے علاج کا ماہر کہتا ہے۔ اولاد کی خواہش مند خواتین کو تنہائی میں آنے کا مشورہ دیتا ہے اور دم کے بہانے باتوں میں لگا کر اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔(66)

بی۔ اے کی ایک طالبہ سلمیٰ نے خبریں کے چیف ایڈیٹر کو اپنے ایک خط کے ذریعے آگاہ کیا کہ لاہور کے ماڈرن ترین علاقے گارڈن ٹاؤن میں واقع ''جیون ہانہ'' کا ایک جعلی پیر یوسف گدا' معاشرتی ازدواجی اور خاندانی مسائل میں گھری ہوئی عورتوں کی عصمت دانغدار کر رہا ہے۔ اس نے دو دلوں کو ملانے کے بہانے درجنوں خواتین کی زندگیاں رول دیں۔

اس کے اردگرد خواتین کا جمگھٹا رہتا ہے۔ کمرے میں اللہ ہو کے ورد کے ساتھ ویڈیو پر بھارتی اور انگریزی فلمیں بھی چلتی ہیں۔ جنسی ادویات بھی فراہم کرتا ہے۔ تعویذ دینے کے بہانے تین چار حاضریوں کے بعد خواتین کو بے ہوش کر کے بے آبرو کر دیتا ہے۔ کمرے میں درجنوں آئینے اس طرح لگائے گئے ہیں کہ ہر حرکت کا فوری پتہ چل سکے۔ (67)

روزنامہ خبریں نے دو اور ایسے پیروں کا انکشاف کیا ہے جن میں ایک کا نام حق نواز اور دوسرے کا نام مخدوم سید صفدر علی بخاری المعروف ''پیر کاکی تاڑ'' ہے۔ اخبار کے مطابق: ملتان میں 70 سالہ حق نواز بے روزگاری سے تنگ آ کر پیر بن گیا۔ تعویذ گنڈے کے علاوہ ادویات کے ذریعے بانجھ عورتوں کو علاج کا جھانسہ دے کر نہ صرف ان سے رقم بٹورتا ہے بلکہ ان کی عزت سے بھی کھیلتا ہے۔

پیر کاکی تاڑ ٹکسالی گیٹ بازار حسن میں طوائفوں کے دلفریب رقص اور آواز کے ذریعے خطرناک سے خطرناک مرض، ایڈز، کینسر، دل کے امراض سمیت دیگر بیماریوں کے علاوہ ہر پریشانی کے حل کا دعویٰ دار ہے۔ ایک طوائف ببلی سلطان کا عاشق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس نے مرادیں پانی ہیں وہ میری محبوبہ ببلی سلطان کو نذر و نیاز دے۔ کیونکہ میں نے اپنی تمام کرامات اس کاکی کو منتقل کر دی ہیں۔ اس طرح یہ پیر اپنے ملنے والوں سے ہزاروں روپے نکلوا کر بازار حسن کی رونق دوبالا کر رہا ہے۔ (68)

## سندھی پیر اور اونٹنی کی رسم

سندھ کے بعض علاقوں میں ایک عجیب رسم کا پتہ چلا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پیر صاحب کو اگر کسی مرید کی لڑکی پسند آ جائے تو وہ اس کے باپ کو مطلع کرتا ہے۔ لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کو دلہن کی طرح سجا کر پیر صاحب کی حویلی میں پہنچا دیتا ہے۔ وہ جب تک چاہے اسے اپنے پاس رکھے۔ جب پیر صاحب کا دل لڑکی سے بھر جاتا ہے تو وہ اسے چند تحفے دے کر واپس کر دیتا ہے۔ سندھ میں اس رواج کو ''اونٹنی کی رسم'' کہتے ہیں اور یہ لڑکی پیر جی کی اونٹنی کہلاتی ہے۔ وہ اونٹنی جس پر پیر صاحب نے کچھ عرصہ سواری کی ہو اس عرصہ میں اگر اولاد ہو جائے تو پیر صاحب کی وراثت سے اسے کچھ نہ مل سکے گا (60)۔ ایسے پیروں کو نت نئی جوان اور خوبصورت اونٹنیوں پر چونکہ سواری کا چسکا پڑ جاتا ہے۔ اس لیے وہ چند دنوں کے بعد اپنی اونٹنی بدلتے

رہتے ہیں۔ ایسی اونٹنی کو سندھی معاشرہ میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

## وادی کافرستان میں عصمت کی خستہ حالی

کافرستان پاکستان کا ایک ایسا علاقہ ہے جو خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں کے رہنے والے لوگ اس قدر حسین ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وادی میں حسن و عشق کی کارفرمائی ہے۔ یہ لوگ رقص کے دلدادہ ہیں۔ ان کی تہذیب و ثقافت ہزاروں سال پرانی ہے۔ ان کے رسم و رواج، نظریات اور اعتقادات آج بھی وہی ہیں جو ہزاروں سال پہلے تھے۔ یہ لوگ شراب کے بڑے رسیاء ہیں ان کے ہاں بکارت اور دوشیزگی کا تصور بالکل معدوم ہے۔ ان کے بعض رسم و رواج بڑے ہی دلچسپ ہیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ بہت کم لوگ اس علاقے کو جانتے ہیں اور بہت سے پاکستانی اس حسین و جمیل وادی کے نام سے واقف نہیں۔

یہ علاقہ کوہ کیلاش میں واقع ہے اور پہاڑوں کے درمیان تین وادیاں ہیں۔ بریر، بمبوریٹ اور رام بر۔ چترال سے وادی کیلاش کا فاصلہ تقریباً 32 کلومیٹر ہے۔ کیلاش کا علاقہ بارہ میل میں پھیلا ہوا ہے۔ کیلاش کے لغوی معنی کالی رسیوں یا کالے بندھن کے ہیں۔

یہ لوگ سال میں بہت سے جشن مناتے ہیں مگر ہر سال 25 دسمبر کو سب سے زیادہ اہم جشن "چیترمس" منایا جاتا ہے۔ اس جشن میں لوگ دیوانہ وار رقص کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ اس جشن میں بچے، بوڑھے، جوان، مرد اور عورتیں سب مل کر رقص کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔ نوجوان عورتیں اس موقع پر اپنے دل کی خوب بھڑاس نکالتی ہیں اور مستی کے عالم میں نوجوان مردوں سے رنگ رلیاں مناتی ہیں۔

عورت کے ساتھ ان کا کوئی خاص بندھن نہیں وہ جس عورت کو چاہیں اپنا سکتے ہیں اور جہاں چاہیں لے جا سکتے ہیں۔ ان کی خرید و فروخت بھیڑ بکریوں کی طرح ہوتی ہے۔ دوسری عورتوں سے تعلقات استوار کرنا ان کے نزدیک کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ ایک ایرانی سیاح کا بیان ہے کہ "میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ہاں عورت اور کنواری لڑکی میں کوئی فرق ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "جو شادی شدہ ہو وہ عورت ہے اور جو شادی شدہ نہ ہو وہ کنواری ہے۔ میں نے کنوار پن کے متعلق مفصل بحث کی لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں

نہیں آسکتی تھی۔ دورانِ بحث ایک لڑکی نے کہا: ہمیں اس بات کا علم نہیں ہو سکتا کہ ہم باکرہ ہیں یا نہیں۔ بعض اوقات لڑکیاں نوجوانوں سے ملاپ کرتی ہیں تو اس وقت جو خون خارج ہوتا ہے وہ اسی کو حیض تصور کر لیتی ہیں۔ ہمارے ہاں بکارت زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور نہ ہی مرد اس کے متعلق زیادہ کھوج لگاتے ہیں۔ (70)

## بودلک

کافروں میں عصمتوں کے پردے چاک کرنے کی ایک اور عجیب و غریب رسم کا انکشاف بھی ہوا ہے۔ جسے وہ نسل کشی کی رسم کا نام دیتے ہیں۔ یہ رسم بہت مدت سے چلی آرہی ہے۔ کہتے ہیں قدیم یونان میں بھی یہ رسم موجود تھی وہاں ایک بہت مضبوط انسان کے ذریعے نسل کشی کی جاتی تھی تاکہ ان کی اولاد بھی مضبوط، تندرست اور توانا ہو۔ قدیم آریوں کی کتاب میں بھی دیکھا گیا ہے کہ ان کے ہاں اس قسم کی ایک مذہبی رسم موجود تھی جس میں اس امر کی اجازت ہے کہ عورت، صحت مند اور اعلیٰ نسل کے لیے غیر مرد سے مضبوط بچے حاصل کرے۔

کافروں کے ہاں حیوانوں اور انسانوں میں اعلیٰ نسل کے لیے بڑی احتیاط کی جاتی ہے۔ جہاں وہ حیوانوں کے لیے اعلیٰ نسل کا سانڈ پالتے ہیں وہاں انسانوں کے لیے بھی ایک مضبوط انسان کی پرورش کی جاتی ہے۔ جسے وہ بودلک کہتے ہیں۔

## بودلک کا انتخاب

بودلک کے انتخاب کے لیے گاؤں کے آٹھ دس نوجوانوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ اس روز گاؤں کی تمام کنواری لڑکیاں اور وہ عورتیں جنہیں اولاد کی ضرورت ہوتی ہے اکٹھی ہوتی ہیں۔ 30 عورتوں کے لیے ایک بودلک منتخب کیا جاتا ہے۔ اگر عورتوں کی تعداد میں سے زیادہ ہو تو پھر زیادہ بودلک منتخب کیے جاتے ہیں۔ عام طور پر عورتوں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ صرف ایک یا دو بودلک ان کے لیے منتخب ہو سکیں۔ عام رواج کے مطابق بودلک تین سال کی مدت کے لیے بھی منتخب ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں بودلک کو تین سال تک شادی کی اجازت نہیں۔ عورتیں حاملہ ہونے کے لیے بودلک کے پاس اسی طرح آتی ہیں جس طرح بھینس سانڈ کے پاس یا گھوڑیاں اعلیٰ نسل کے گھوڑے کے پاس جفتی کے لیے لائی جاتی ہیں۔

## رہائش

انتخاب کے بعد بودلک کو گاؤں سے چھ سات میل دور بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں ایک معمولی سا مکان پہلے ہی تیار ہوتا ہے۔ وہ بودلک کی اقامت گاہ ہوتی ہے۔ اس میں بودلک عرصہ ۶ ماہ کے لیے رہتا ہے۔ اس دوران وہ گاؤں میں نہیں آسکتا۔ اور نہ ہی کوئی عورت اس مقام کی طرف جا سکتی ہے۔ اس عرصہ کے دوران اگر بودلک گاؤں میں آجائے تو اسے فوراً بودلک کے عہدہ سے برخاست کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا بودلک منتخب کر لیا جاتا ہے۔ گاؤں کے ایک دو جاسوس بھی بودلک کی نگرانی کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ کہیں چھپ چھپا کر رات کو گاؤں نہ آجائے گویا چھ ماہ تک بودلک کو گاؤں سے دور الگ تھلگ ضرور رہنا پڑتا ہے۔

## خوراک

گاؤں کے لوگ بودلک کی خاطر تواضع اس طرح کرتے ہیں گویا وہ ان کا دیوتا ہے۔ ہر روز اس کے لیے اعلیٰ کھانے بھجوائے جاتے ہیں۔ گھی، مکھن، انڈے، گوشت اور دیگر مقوی چیزیں اس کے لیے بھجوائی جاتی ہیں تاکہ وہ خوب مضبوط اور طاقتور ہو سکے۔

## بودلک کی واپسی

بودلک کی واپسی کے لیے اگست کے مہینے میں سے ایک دن مقرر کیا جاتا ہے۔ اس دن گاؤں میں بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ اس دن گاؤں کے سب لوگ جمع ہوتے ہیں۔ لڑکیاں بھی بن سنور کر وہاں موجود ہوتی ہیں۔ ہر چہرے پر مسرت کھیل رہی ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا بہت بڑا قومی تہوار ہے۔ نوجوان عورتوں میں اس دن ایک خاص قسم کا ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ ادھر شام ہوئی اُدھر ایک جلوس گاؤں سے پہاڑی کی طرف روانہ ہوا جہاں بودلک نے اپنا نشیمن بنا رکھا ہے۔ بودلک کا باپ اس جلوس کے آگے ہوتا ہے۔ لوگوں نے مشعلیں اٹھا رکھی ہوتی ہیں۔ طبل کی آواز پہاڑوں میں گونج رہی ہوتی ہے کچھ لوگ گیت گا رہے ہوتے ہیں۔

دوسری طرف بودلک کو بھی اطلاع دے دی جاتی ہے کہ آج اس کی ریاضت کا

آخری دن ہے۔ وہ بھی شام کے وقت اپنے مکان سے باہر نکل آتا ہے اور جلوس کا استقبال کرتا ہے۔ وہ چھ ماہ تک رنگا رنگ خوراک کھاتا رہا ہے۔ پہاڑوں کی آب و ہوا' ورزش اور خوراک سے وہ ریچھ کی طرح پھنکارے مارتا ہے۔ اس کی حالت بڑی عجیب نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی اژدھا اچانک غار سے باہر آیا ہے۔ وہ بھاگا ہوا آتا ہے اور اس جلوس سے ملتا ہے۔ سب سے پہلے وہ اپنے باپ کو بوسہ دیتا ہے۔ اس کے بعد گاؤں کے دوسرے بزرگ اس کا منہ چومتے ہیں۔ بودلک کے چہرے پر بڑی بے تابی ہوتی ہے کیونکہ وہ جلد اپنے باغ میں پہنچ کر پھولوں کو چننا چاہتا ہے۔

## چارسُو میں جشن

جلوس گاؤں میں آنے سے پہلے ہی چہل پہل شروع ہو جاتی ہے اور عورتیں "چارسُو" (رقص گاہ) میں جمع ہونے لگتی ہیں۔ وہاں روشنی کا خوب انتظام کر دیا جاتا ہے۔ بہت سی لکڑیاں وہیں موجود ہوتی ہیں۔ لڑکیاں مشعلیں ہاتھوں میں لے کر چارسو میں جمع ہو رہی ہوتی ہیں۔ طبل کی آواز کانوں میں گونجتی ہے اور گاؤں میں ایک دلچسپ سنسنی سی پھیل جاتی ہے کہ بودلک آ رہا ہے۔ سب سے پہلے بودلک کی ماں گاؤں سے نکلتی ہے اور اپنے بیٹے کو بوسہ دیتی ہے۔ اس کے بعد یہ جلوس "چارسو" کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ وہاں پہلے ہی گاؤں کی ملکہ موجود ہوتی ہے جس کے سر پر تاج ہوتا ہے۔ یہ ملکہ بادشاہ کی بیگم نہیں ہوتی بلکہ کافروں کی رسم کے مطابق اگر بودلک عورتوں سے باری باری ملاپ کرتے ہوئے تیس کی تعداد تک پہنچ جائے تو یہ تیسویں عورت گاؤں کی ملکہ ہوگی۔

بودلک چارسو میں آتا ہے تو اس وقت خوب نعرے لگائے جاتے ہیں۔ بودلک سب پہلے ملکہ کے سامنے آ کر جھکتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ ملکہ اس وقت اس کی طرف نشیلی نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بودلک ملکہ کے سر سے تاج بڑی احتیاط سے اٹھاتا ہے اور ایک تخت پر رکھ دیتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس اولمپک میں کوئی اور عورت ملکہ بن جائے۔ اگر کوئی اور ملکہ بن گئی تو تاج اس کے سر پر رکھ دیا جائے گا۔

اس وقت جوان لڑکیوں کی حالت عجیب ہوتی ہے۔ کبھی وہ رقص کرتی ہیں اور کبھی بودلک کی طرف دیکھتی ہیں ہر جوان عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ گل چینی کے لیے سب سے

پہلے بودلک اس کا انتخاب کرے۔ اس طرح عجیب قسم کے جذبات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ چار سو میں دوران رقص ان کے جوش وخروش کا جو عالم ہوتا ہے وہ تحریر وتقریر میں نہیں آسکتا۔ چند آدمی چارسو کے باہر گھیرا ڈال لیتے ہیں تاکہ کوئی اجنبی اس جگہ نہ آنے پائے۔ جب رقص کی محفل عروج پر پہنچ جاتی ہے تو اس وقت اچانک ایک گیت شروع ہو جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی 30 لڑکیاں پنڈال سے باہر نکل کر خلوت خانے میں جمع ہو جاتی ہیں۔ پھر مذہبی پیشوا بودلک کو پکڑ کر اس طرف لے جاتا ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوتی ہیں۔ اس سے پہلے بودلک گوشت کی بھنی ہوئی ایک پوری ران کھاتا ہے۔

جب پہلا پھول بودلک توڑتا ہے تو اس وقت مذہبی پیشوا مجمع کو اطلاع دیتا ہے۔ اس وقت بڑے طمطراق سے ڈھول بجایا جاتا ہے۔ اس کے بعد باری باری کر کے عصمت کے تار ٹوٹنے لگتے ہیں اور یہ سلسلہ شب بھر جاری رہتا ہے اور صبح کی سپیدی کے ساتھ یہ ڈرامہ ختم ہو جاتا ہے۔ خستہ و درماندہ بودلک کو اس کا باپ گھر لے جاتا ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ بودلک ایک ماہ تک بستر پر لیٹا رہتا ہے اور اس کا باقاعدہ علاج بھی کیا جاتا ہے۔(71)

بودلک سے اختلاط کے بعد جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ لڑکیوں کے والدین اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔ بودلک کے یہ بچے واقعی ہی بڑے خوبصورت اور تنومند ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد بھی لڑکیاں کھلے بندوں اعتراف کرتی ہیں کہ یہ بچے بودلک کے ہیں۔ ان کے شوہران کی اس بات پر ہرگز اعتراض نہیں کرتے۔

کافرستان کے علاوہ سندھ باب الاسلام میں بھی بعض معیوب رسموں سے عورتوں کی عصمت پامال ہورہی ہے۔ مثلاً نیایٹی میشر کی رسم کے مطابق مزارعین کی عورتیں وڈیرے کے قدموں میں پڑی رہتی ہیں اور وڈیرہ انہیں اپنی ملکیت تصور کرتے ہوئے اپنی بیویوں کی طرح استعمال کرتا ہے(72)۔ جبکہ ''سنگ چٹی'' ایسی روایت ہے جس میں خون بہا کے عوض قاتل کے گھرانے کی عورتوں کو مقتول کے ورثاء کی غلامی میں دے دیا جاتا ہے۔ جو نہ صرف ان پر ظلم کرتے ہیں بلکہ انہیں اپنی ہوس کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔(73)



# (3) عصمت دری

پاکستان میں خواتین کے اغواء اور ان کے ساتھ زیادتی کی وارداتوں میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ ''دی نیو بک آف ورلڈ رینکنگ'' کے 1996ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن میں خواتین کے ساتھ زیادتی کے باب میں جہاں پاکستان کا ذکر آیا۔ وہاں لکھا تھا کہ ایسی وارداتوں کی شرح بہت کم ہے۔ مگر جب اس کتاب کا 1998ء میں ایڈیشن شائع ہوا تو اس میں پاکستان کو ان ممالک کے انڈیکس میں شامل کر لیا گیا جن میں خواتین کے استحصال کی شرح میں تشویشناک اضافہ ہو رہا ہے۔ ان دو سالوں میں خواتین کے اغواء اور زیادتی کی وارداتوں میں تقریباً 25 فیصد اضافہ ہوا۔(74)

پاکستان میں زنا بالجبر کے اعداد و شمار کے مطابق 1995ء کے دوران ملک بھر میں 12 ہزار سے زائدہ عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ 5 ہزار سے زیادہ کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ تاہم 75 فیصد جنسی جرائم کے مقدمے درج نہ ہو سکے۔ اس طرح پنجاب میں زیادتی کا اوسطاً روزانہ ایک واقعہ ہوا جبکہ ملک بھر میں یہ اوسط ہر چھ گھنٹے بعد ایک واقعہ بنتی ہے۔

1996ء میں صرف جنوبی پنجاب میں ہر روز 5 عورتیں درندوں کا شکار ہوئیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جنوبی پنجاب کے تین ڈویژنوں ملتان، بہاولپور اور ڈیرہ غازی خان میں 1898 عورتوں سے زیادتی ہوئی۔ جبکہ سینکڑوں واقعات کی رپورٹنگ نہ ہو سکی کیونکہ لوگ اپنی عزت کا جنازہ نکلنے اور بیٹیوں کی شادی نہ ہونے کے خوف سے خاموش رہے۔(75)

1997ء کا سال خواتین کے خلاف ہونے والے جرائم کے لحاظ سے بدترین رہا۔ اس سال صرف صوبہ پنجاب میں زنا بالجبر کے 265 واقعات درج ہوئے جن میں 60 خواتین کو گینگ ریپ کا نشانہ بنایا گیا۔

1998ء میں خواتین کو زبردستی زیادتی کا نشانہ بنانے کے واقعات میں 1997ء کی نسبت کچھ کمی ہوئی۔ مگر 1999ء میں ان واقعات میں پھر اضافہ ہوگیا اور چھ ماہ میں پنجاب میں 125 عورتوں کو زبردستی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ 1999ء سے تا حال ان واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ دی نیو بک آف ورلڈ رینکنگ میں ان واقعات کے اضافے کی وجہ بلیو پرنٹ فلموں کی بھرمار اور معاشرتی گھٹن بتائی گئی ہے۔

## قریبی رشتوں کی بے حرمتی

دنیا میں کوئی مذہب یا معاشرہ محرمات سے جنسی تعلقات کی اجازت نہیں دیتا۔ جبکہ اسلام میں یہ ایک انتہائی ممنوعہ فعل ہے۔ لیکن جب کوئی قوم یا ملک اخلاقی پستی اور ذلالت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اس میں اس قسم کے واقعات رونما ہونے لگتے ہیں۔

پاکستان میں قریبی رشتے داروں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات کے متعلق جان کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ یہ ایک نہایت گھناؤنا عمل ہے اور ایک اسلامی ملک میں ایسے واقعات کا رونما ہونا اس کی ہلاکت اور بربادی کی علامت ہے۔ پاکستان میں محرم سے جنسی زیادتی کے واقعات کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے ایک سہ ماہی جریدے ''ساحل'' نے پورے ملک سے اخبارات میں شائع ہونے والے چار سال (1997ء تا 2000ء) کے واقعات کا تجزیہ کیا ہے۔

''ساحل'' نے 4 سال کے عرصے میں جو کہ 1997ء سے 2000ء پر محیط ہے۔ ملک بھر سے 15 اخبارات کی چھان بین کی ہے۔ ان اخبارات کا تعلق ملک کے چاروں صوبوں سے ہے۔ جن اخبارات کی چھان بین کی گئی ہے ان میں سات اردو کے، چار انگریزی کے اور چار سندھی اخبارات شامل ہیں۔ ان اخبارات کے مطابق چار سالوں میں محرمات کی آبروریزی کے کل 113 واقعات رپورٹ ہوئے۔

لیکن ہمیں یہ یقین ہے کہ حقیقت میں ہونے والے واقعات کے مقابلے میں ان

113 شائع کردہ واقعات کی تعداد بہت کم ہے۔ کیونکہ زیادہ تر وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو رپورٹ ہی نہیں کیا جاتا۔ اگر اس طرح کے واقعات کسی سطح پر منظر عام پر آ بھی جائیں تو ایک خاندانی مسئلہ سمجھ کر خاندان کے اندر ہی سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقت میں کل ہونے والے واقعات کے متعلق درست اعداد و شمار جمع نہیں کیے جا سکتے۔

"رپورٹ ہونے والے کل 113 واقعات سے 79 واقعات ایسے تھے جس میں باپ نے بیٹی کے ساتھ جنسی زیادتی کی۔ 27 واقعات میں بچیوں سے زیادتی کرنے والے ان کے ماموں یا چچا تھے۔ بھائی کی بہن سے زیادتی کے 5 واقعات تھے جبکہ دو واقعات میں زیادتی کرنے والے دادا یا نانا تھے۔"(76)

اخبارات نے قریبی رشتہ داروں اور محرمات سے زیادتی کے جن دلخراش واقعات کی رپورٹنگ کی ہے ان میں سے صرف ایک واقعہ کی سرخیاں اور ان کی تفصیلات بیان کی جا رہی ہے۔

## پندرہ سالہ لڑکی اپنے باپ کے بچے کی ماں بن گئی

اپنے ہی باپ کے بچے کی ماں بننے والی پندرہ سالہ مظلوم لڑکی کنیز نے کہا ہے کہ کیا کروں اور اسے کس کا نام دوں۔ اس کا باپ بھی وہی ہے جو میرا باپ ہے۔ تفصیلات کے مطابق تھانہ صدر کے علاقے بنکورائی میں محمد رمضان نے اپنی پندرہ سالہ لڑکی سے مسلسل زیادتی کی جس کے نتیجہ میں گزشتہ روز زنانہ ہسپتال ڈیرہ میں لڑکی اپنے باپ کے بچے کی ماں بن گئی۔ مسمات کنیز نے صحافیوں کو بتایا کہ میرا باپ کراچی میں رہتا تھا اور گزشتہ سردیوں میں وہ واپس ڈیرہ آیا۔ ایک رات مجھے اس نے کہا ان جانوروں کو ساتھ والے کمرے میں باندھ دو۔ میں کمرے میں گئی میرا باپ پیچھے سے آیا اور میرے ساتھ زبردستی شروع کر دی اور پھر یہ سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ اس دوران نہ تو وہ مجھے کسی سے ملنے دیتا اور نہ ہی اکیلا کہیں چھوڑتا۔ اکثر مجھے کھیتوں میں بھی اپنے ساتھ لے جاتا اور وہاں بھی میرے ساتھ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر زیادتی کرتا رہا۔ پھر ایک دن میرا والد غائب ہو گیا تو میں نے اپنے دادا غلام رسول کو بات بتائی۔ میرے دادا نے سترہ جولائی کو تھانہ صدر میں رپورٹ درج کرائی۔ اس وقت مجھے پانچ ماہ کا حمل تھا۔ پولیس ذرائع نے بتایا کہ رپورٹ کے بعد لڑکی کے ورثاء کو

ہدایت کی گئی کہ بچے کو ضائع نہ کرایا جائے۔ پولیس نے لڑکی کے والد محمد رمضان کے خلاف زنا آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔ پولیس نے بتایا کہ محمد رمضان کا تا حال کوئی پتہ معلوم نہیں ہو سکا اور اسے اشتہاری قرار دیا جا چکا ہے۔(77)

## ملتان کی پروین سے باپ اور بھائی کی زیادتی

تفصیلات کے مطابق پروین نے عدالت عالیہ کو ایک خط کے ذریعے آگاہ کیا کہ اس کی ماں اس کی دوسری بہنوں سے عصمت فروشی کا دھندہ کرواتی ہے۔ لیکن وہ گناہ کی اس دلدل سے نکلنا چاہتی ہے۔ لیکن اسے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ خط میں مزید لکھا گیا اس بغاوت کی سزا دینے کے لیے اس کے بھائی نوید اور باپ رئیس الدین نے زبردستی اس کی عصمت دری کی۔''(78)

## شیطان صفت دادا کی پوتی سے زیادتی

اوکاڑہ شہر میں رات کے اندھیرے میں دادا نے شیطان کا روپ دھار کر اپنی نابالغ پوتی کو زبردستی ہوس کا نشانہ بنایا اور پھر اسے بیٹی بیٹی کہہ کر پکارتا بھی رہا۔ تفصیلات کے مطابق محلہ فیض آباد اوکاڑہ میں 60 سالہ محمد بوٹا کے اہل خانہ پاک پتن دربار پر گئے ہوئے تھے کہ رات کے وقت اس نے اپنی 13 سالہ پوتی (م) کو ڈرا دھمکا کر اس کی عزت لوٹ لی۔ بعد میں وہ اسے بیٹی بیٹی کہہ کر پکارتا رہا۔(79)

## بھانجا حقیقی خالہ کو زیورات اور نقدی سمیت لے اڑا

تحصیل رحیم یار خاں کے گاؤں ڈمنتھار کے خادم حسین نے آٹھویں جماعت کی طالبہ 15 سالہ خالہ (م) سکنہ محمد پور کے ساتھ تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ ملزم اپنی نانی کی غیر موجودگی میں دو افراد کے ہمراہ آیا اور خالہ کو اغواء کر کے لے گیا۔(80)

## داماد اور ساس میں ناجائز تعلقات

گاؤں 69 ر ب میں افضل نے اپنی ساس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ جس کے نتیجہ میں ساس حاملہ ہو گئی۔ ملزم اور محبوبہ کے درمیان تلخ کلامی ہوئی جس سے ملزم نے مشتعل ہو کر خاتون پر چھریوں سے وار کر دیئے جس سے آٹھ ماہ کا بچہ پیٹ میں ہی

ہلاک ہو گیا۔(81)

## سسر کی بہو کے ساتھ رنگ رلیاں

اخبار کے مطابق عبدالحمید کو اپنی بیوی اور باپ کے تعلقات میں شبہ تھا۔ وہ ان تعلقات کی تصدیق چاہتا تھا۔ لہٰذا ایک دن اس نے بیوی سے کہا کہ میں کام پر جا رہا ہوں اور خود کمرے میں کھڑی چار پائیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اسی اثنا میں عبدالحمید کے باپ نیامت علی نے اپنی بہو فرزانہ کو کمرے میں بلایا اور رنگ رلیوں میں مشغول ہو گئے۔

عبدالحمید دونوں کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر چار پائیوں سے باہر نکل آیا اور ڈنڈا پکڑ کر دونوں کو پیٹنا شروع کر دیا۔ باپ بیٹے سے مار کھاتا رہا جبکہ 26 سالہ فرزانہ بالکل برہنہ حالت میں گھر سے باہر بھاگ پڑی۔ جہاں ایک راہ گیر نے اپنی چادر اس کے حوالے کی۔ ملزم نیامت علی نے لوگوں کو بتایا کہ میرا بیٹا عبدالحمید اپنی بیوی کے قابل نہیں۔ لہٰذا میں نے اپنا گھر بچانے کے لیے اس بدی کا ارتکاب کیا ہے۔(82)

## بہنوئی کی دو ساتھیوں سے مل کر سالی سے اجتماعی زیادتی

دھکم پورہ میں تین نوجوان چودہ سالہ لڑکی کو کئی روز تک اجتماعی زیادتی کا نشانہ بناتے رہے۔ بتایا گیا ہے کہ محمد بشیر نے اپنے دو ساتھیوں شوکت علی اور محرم علی کی مدد سے اپنی 14 سالہ سالی کو اغواء کر کے کار میں ڈال کر لے گئے اور اس کے ساتھ تینوں نے کئی روز تک زیادتی کی۔(83)

## سگے ماموں کی 8 سالہ بھانجی سے زیادتی

ملزم نے 8 سالہ بھانجی کو کئی روز تک کمرے میں بند رکھا اور پستول کے زور پر منہ کالا کرتا رہا۔ آٹھ سالہ (ن) نے موقع پا کر قریبی مقام سے گھر فون کیا اور والدین کو بلوا لیا۔ پولیس نے حدود کا مقدمہ درج کر لیا۔(84)

## چچا کی بھتیجی سے زیادتی

میلسی کے نواحی گاؤں کا ایک کاشتکار عبدالرحیم کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر گیا ہوا تھا اور اس کی کم سن بیٹی گھر اکیلی تھی۔ اس کے چچا بشیر احمد نے اسے زبردستی بے آبرو کر دیا

اور بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

## جیٹھ نے بھاوج کی عزت لوٹ لی

ہنجروال کی 24 سالہ زبیدہ خانم نے کہا ہے کہ اس کا شوہر غلام عباس اور اس کے گھر والے اب ہیروئن فروش ہیں اور اسے بھی دھندے میں لگانے پر مجبور کرتے ہیں۔ انکار کرنے پر اکثر تشدد کرتے ہیں۔ زبیدہ خانم کے مطابق اس کے سسرالی نہایت بے غیرت ہیں۔ دو دفعہ اس کے سسر نے اس کی عزت لوٹی اور ایک دفعہ جیٹھ نے منہ کالا کیا۔(85)

## بیٹے کی ماں سے زیادتی

راقم نے یہ واقعہ روزنامہ جنگ میں پڑھا تھا مگر اس کا سن اور تاریخ یاد نہیں رہی۔ تاہم واقعہ کی یاداشت من وعن میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ اخبار کے مطابق سرائے عالمگیر کے ایک نواحی گاؤں میں بیٹے نے اپنی ماں کو بے آبرو کر دیا۔ تفصیلات کے مطابق سرائے عالمگیر کے ایک نواحی گاؤں کی خاتون (س) کا خاوند بسلسلہ روزگار بیرون ملک ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے ہمراہ گاؤں میں رہ رہی ہے۔ اخبار کے مطابق: یہ عورت بڑی خوبصورت ہے۔ گاؤں کے کئی مرد اس کے دیوانے ہیں۔ چنانچہ ایک مرد سے اس نے ناجائز تعلقات قائم کر لیے۔ اس کے بیٹے نے ماں کو کئی بار منع کیا۔ تاہم وہ باز نہ آئی۔ ایک رات بیٹے نے اپنی ماں پر حملہ کر دیا اور زدوکوب کرنے کے بعد رات بھر ماں سے زیادتی کرتا رہا۔ صبح پو پھوٹنے سے پہلے ہی فرار ہو گیا۔ ماں کے بیان پر تھانہ سرائے عالمگیر پولیس نے اس کے بیٹے کے خلاف زنا آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔

## مقدس مقامات کی بے حرمتی

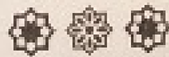
پاکستان میں صرف مقدس رشتوں کی ہی بے حرمتی نہیں ہو رہی بلکہ مقدس مقامات کو بھی بے حرمت کیا جا رہا ہے۔ بہت سے مزارات اور مقدس زیارت گاہیں ایسی ہیں جہاں بدچلن لوگ بڑی ڈھٹائی سے پھرتے رہتے ہیں۔ وہ ان مزارات سے اپنا شکار قابو کرتے ہیں اور ان زیارت گاہوں کے مضافات میں ہی مخصوص جگہوں پر اپنی ہوس کی آگ ٹھنڈی کرتے ہیں۔

مزارات میں ایسے کئی واقعات پہلے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ تاہم مسجد میں بدکاری کا

واقعہ راقم نے غالباً پہلی دفعہ سنا ہے۔ ایک اخباری خبر کے مطابق:

سمبڑیال کے موضع ڈھلم ملکن کے تین نوجوان نوید' ذکا اللہ اور گوگا گزشتہ رات گاؤں کی زیر تعمیر مسجد میں نماز عشاء کے بعد ایک عورت کے ساتھ رات بھر بدکاری کرتے رہے۔ نماز فجر کے وقت جب مسجد کا امام رفیق اذان دینے مسجد میں داخل ہوا تو چاروں انہیں دیکھتے ہی بھاگ اٹھے۔ امام مسجد نے ایک نوجوان کو شناخت کر لیا۔ جس پر گاؤں کے معززین کی پنچایت میں ملزموں نے اپنے گھناؤنے جرم کی معافی چاہی مگر پنچایت نے خانہ خدا کی بے حرمتی اور تقدس کو پامال کرنے والوں کو معاف کرنا خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کے مترادف قرار دیا۔

ملزموں کی تعداد پانچ تھی جن میں دو عورتیں تھیں۔ انہوں نے خانہ خدا میں وی سی آر (VCR) پر فحش فلم بھی دیکھی۔ مسجد کے ناظم نے دروازہ کھولا تو نشے میں وھت ایک ملزم اور عورت موجود تھے۔ باقی ملزم بھاگ گئے۔ تاہم تین کی شناخت ہو گئی۔ بتایا گیا ہے کہ ملزموں کو گاؤں کے ایک شخص امین نے دیکھا کہ چند افراد اور ایک خاتون مسجد کی دیوار پھلانگ کر باہر نکل رہے ہیں۔ اس نے فوری طور پر اس کی اطلاع مسجد کے ناظم کو دی۔ انہوں نے مسجد کا دروازہ کھولا تو اندر مزید ایک ملزم اور عورت پائی۔ وہ انہیں جوتے اور تھپڑ مارتے ہوئے مسجد سے باہر لے آئے۔ یہ واقعہ سنتے ہی علاقہ کے لوگوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ بعض نمازیوں کی تجویز ہے کہ اب اس مسجد کو شہید کر دیا جائے۔ مقامی پولیس نے امین کی رپورٹ پر تین ملزم نوجوانوں کے خلاف 295 ت پ کا مقدمہ درج کر لیا ہے۔ (86)



# حواشی

(1) ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 18 اپریل 2001ء

(2) ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 18 اپریل 2001ء

(3) مشرق ''ایوننگ اسپیشل'' کراچی مورخہ 30 اپریل 2002ء

(4) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 4 جون 1996ء

(5) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 8 مارچ 1997ء

(6) ان ڈیروں کی مکمل تفصیل روزنامہ خبریں لاہور' مورخہ 16 دسمبر 1996ء میں پڑھی جا سکتی ہے۔

(7) مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' روزنامہ خبریں لاہور' مورخہ 21 اپریل 1996ء

(7A) روزنامہ خبریں لاہور' مورخہ 18 فروری 1997ء

(8) ایضاً مورخہ 27 اپریل 1996ء

(9) مکمل تفصیل روزنامہ خبریں لاہور مورخہ 27 دسمبر اور 29 دسمبر 2002ء میں پڑھی جائے۔

(10) ''پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال'' 1995ء' ص 249۔

(11) مسعود احمد ''بازارِ حسن'' مون پبلی کیشنز' لاہور' 1994ء

(12) روزنامہ جنگ' لاہور' مورخہ 5 ستمبر 1997ء

(13) منیر احمد ''پاکستان میں انٹیلی جینس ایجنسیوں کا کردار'' ص 42

(14) ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 18 اپریل 2001ء

(15) روزنامہ خبریں' لاہور' مورخہ 27 ستمبر 1995ء

(16) روزنامہ جنگ' لاہور' مورخہ 9 جولائی 1997ء

(17) روزنامہ خبریں' لاہور' مورخہ 11 ستمبر 1996ء

(18) مون ڈائجسٹ' اپریل 1995ء

(19) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 14 اکتوبر 1996ء

(20) تفصیل ''جنگ'' لاہور' مورخہ 29 مارچ 1998ء

(21) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' مورخہ 24 اگست 1999ء

(22) تفصیل ''خواتین میگزین'' لاہور' نومبر 1995ء

(23) تفصیل ''ماہنامہ چترالی'' فروری 1998ء
تفصیل ماہنامہ ''حالات زمانہ'' دسمبر 1998ء سیالکوٹ
(24) ''پارلیمنٹ سے بازار حسن تک'' ص 84
''ایضاً'' ص 244
(25) ماہنامہ مون ڈائجسٹ جنوری 1993ء فروری 1995ء
(26) ''اسلام اور افکار نو'' ص
(27) روزنامہ مشرق ایوننگ اسپیشل مورخہ 30 اپریل 2002ء
(28) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 19 نومبر 1999ء
(29) روزنامہ ''خبریں'' لاہور مورخہ 19 فروری 1998ء
(30) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 26 ستمبر 1997ء
(31) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 26 ستمبر 1997ء
(32) روزنامہ ''خبریں'' لاہور مورخہ 19 جون 1997ء
(33) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 26 ستمبر 1997ء
(34) ماہنامہ ''مون ڈائجسٹ'' لاہور جنوری 1993ء
(35) ''ایضاً''
(36) ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی مورخہ 19 جنوری 1997ء
(37) روزنامہ ''خبریں'' لاہور مورخہ 6 جون 1997ء
(38) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 16 مئی 1997ء
(39) ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 12 جولائی 1997ء
(40) ''نوائے وقت'' ملتان مورخہ 17 جون 1997ء
(41) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 3 ستمبر 1997ء
(42) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 13 اکتوبر 1996ء
(43) جنگ لاہور ''سنڈے میگزین'' 8 اگست تا 19 اگست 1999ء
(44) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 3 دسمبر 1999ء
(45) روزنامہ ''خبریں'' مورخہ 21 مارچ 1996ء
(46) ''مون ڈائجسٹ'' نومبر 1993ء
(47) روزنامہ ''خبریں'' لاہور مورخہ 16 مئی 1995ء
(48) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 9 جون 1999ء

(49) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 11 ستمبر 1996ء
(50) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' مورخہ 21 جولائی 1997ء
(51) ماہنامہ ''خبریں ٹائمز'' لاہور' شمارہ نمبر 6' جون 1997ء
(52) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 17 جون 1996ء
(53) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' مورخہ 28 مئی 1998ء
(54) ''سون ڈائجسٹ'' لاہور' فروری 1995ء
(55) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 28 دسمبر 1996ء
(56) ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 10 جنوری 2000ء
(57) ماہنامہ ''جیون'' جلد 4' شمارہ 12' نومبر 1993ء گجرات
(58) ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' مورخہ 8 تا 14 فروری 1998ء
(59) سون ڈائجسٹ' جون 1992ء

(60) "News Line" Karachi, Dec 1998, P.26

(61) ماہنامہ چترالی' دسمبر 1997ء
(62) روزنامہ جنگ لاہور' حوالہ 24 جنوری 1998ء
(63) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' مورخہ 28 مارچ 1997ء
(64) ہفت روزہ ''تکبیر'' 6 فروری 1997ء
(65) سون ڈائجسٹ' اپریل 1994ء
(66) ندائے ملت' مورخہ 15 اپریل 1996ء
(67) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 25 دسمبر 1995ء
(68) ایضاً۔ 20 اکتوبر 1996ء
(69) ''اپنی نگاہ'' از جویریہ خالد اثر پبلی کیشنز' ص 52' 1995ء
(70) ''کافرستان'' محمود دانشور ایرانی' آتش فشاں پبلی کیشنز' لاہور' ص 8' 1999ء

☆ کہا جاتا ہے کہ 20 سال قبل ایک بو دلک 30 کی تعداد تک پہنچ گیا تھا۔ تیسویں عورت کا نام بونا بائی تھا۔ وہ اب بوڑھی ہو چکی ہے لیکن ابھی تک گاؤں کی ملکہ وہی ہے کیونکہ اس کے بعد آج تک کوئی ملکہ نہیں بن سکی اور آئندہ بھی کسی کا ملکہ بننا ممکن نظر نہیں آتا۔ کیونکہ بارہ گھنٹے کی رات میں 30 عورتوں سے باری باری ملاپ کرنا نہایت مشکل امر دکھائی دیتا ہے۔

(71) تفصیل مطالعہ محمود دانشور کی کتاب ''کافرستان'' کا کیا جا سکتا ہے۔
(72) تکبیر' کراچی مورخہ 11 ستمبر 1997ء

(73) ایضاً۔ مورخہ 4 دسمبر 1997ء

(74) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 29 اکتوبر 1998ء

(75) ایضاً۔ 18 جنوری 1997ء

(76) ''ساحل'' اسلام' شمارہ نمبر 19 'جنوری تا مارچ' 2001ء

(77) روزنامہ جنگ لاہور' 3 اکتوبر 1997ء

(78) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 20 جنوری 1997ء

(79) ''ایضاً'' مورخہ 6 اکتوبر 1996ء

(80) ایضاً۔ 26 ستمبر 1995ء

(81) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' مورخہ 9 نومبر 1996ء

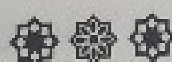
(82) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 28 جنوری 1996ء

(83) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 15 جون 1996ء

(84) ''جنگ'' لاہور' 6 مئی 1997ء

(85) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 21 ستمبر 1996ء

(86) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' مورخہ 20 اگست 1997ء



# اسباب

# جنسی بے راہ روی کے اسباب

ٹیلی ویژن

پاکستانی معاشرہ ذرائع ابلاغ کے جس بصری عہد سے گزر رہا ہے اس میں ٹیلی ویژن ڈش انٹرنیٹ اور فلم کے علاوہ اخبارات رسائل و جرائد اور کتب نہایت اہم ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں سب سے زیادہ اور تیز رفتاری سے عوام کو پراگندہ کرنے والا ٹیلی ویژن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس پر بے دین اور ملحد قسم کے لوگوں کا قبضہ ہے۔ جن کے نزدیک مذہب دقیانوسیت اور فرسودگی کے مترادف ہے۔ اس لیے اس شعبہ پر قابض بے تاج بادشاہوں نے اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق فلمیں ڈرامے اور پروگرام بنانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ ان کی بھرپور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح بھی قوم میں مذہب کا رجحان یا دین کی طرف جھکاؤ پیدا نہ ہو۔ یہ لوگ کافی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں نے ٹیلی ویژن اور فلم سٹوڈیوز کو عشق و محبت کی تربیت کے ادارے بنا کر رکھ دیا ہے جنہیں "Love Training Centers" کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

ٹیلی ویژن سنٹرز کا اندرونی ماحول

ٹیلی ویژن پر پروگرام پیش کرنے والے اکثر افراد اسی قماش و قبیل کے ہیں کہ ان کی زندگیاں شراب و شباب اور قمار بازی کے محور پر گھومتی ہیں۔ مثلاً لاہور ٹی وی سٹیشن کو ہی لے لیں اس کے عام پروڈیوسرز عموماً اور ڈراموں کے پروڈیوسرز خصوصاً اسی خصلت کے ہیں

تاہم چار پروڈیوسروں کے ایک ٹولے کو ان معاملات میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ چار کا ٹولہ پرلے درجے کا تماش بین ہے اور لاہور سٹیشن کے ماحول کو ذلیل و غلیظ کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ اسی ٹولے کا ہے۔ حد یہ ہے کہ قدسیہ نامی ایک 60 سالہ بوڑھی آرٹسٹ نے اس وقت کے جنرل مینجر نثار حسین کو یہ درخواست دی کہ ایک پروڈیوسر مجھ سے زیادتی بھی کرتا ہے اور پھر کام بھی نہیں دیتا۔ بے حسی ملاحظہ ہو کہ اس لرزہ خیز الزام پر مبنی درخواست پر کوئی کارروائی نہیں ہوتی اور وہ پروڈیوسر بدستور اپنے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ ان پروڈیوسروں نے مل کر قمار بازی کا ایک سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے جس میں بعض اوقات نووارد لڑکیوں کو بھی داؤ پر لگا دیا جاتا ہے۔

یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ ٹی وی کے دو اور پروڈیوسر بھی کسی سے کم یا پیچھے نہیں ہیں۔ ان دونوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے ڈراموں میں نئی لڑکیاں متعارف کرائیں لیکن یہ سلسلہ جوہر قابل کی تلاش کے لیے نہیں بلکہ اپنے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی پروڈکشن میں وہی لڑکیاں کوئی قابل ذکر کردار حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں جو ان کی خواہشات کے جائز و ناجائز تقاضے پورے کر دیں۔

کچھ پروڈیوسر ایسے بھی ہیں کہ ان سے کسی ذہین اور باصلاحیت لڑکے کو ڈرامہ میں لینے کے لیے کہا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں: ''تسی منڈے ای لے آندے او کڑیاں وی تے لیاؤ'' (یعنی آپ لڑکے لے آتے ہیں لڑکیاں بھی تو لایا کرو)۔ ایک اور پروڈیوسر ہیں موصوف لڑکیوں سے ملاپ تو نہیں کرتے بلکہ وہ ان سے ایک انوکھی فرمائش کرتے ہیں وہ یہ کہ لڑکیاں برہنہ حالت میں انہیں دس منٹ تک چل کر دکھائیں۔

ٹی وی ڈراموں میں حصہ لینے والی نئی لڑکیوں کے فوٹو سیشن بھی کیے جاتے ہیں۔ انتخاب انہی لڑکیوں کا ہوتا جو فوٹو سیشن کرنے والے عملے کا خیال رکھتی ہیں۔ نئی لڑکیوں سے عیاشی کے لیے ہوس پرست پروڈیوسروں نے گلبرگ کے ایک ہوٹل کے مالک سے یارانہ گانٹھ رکھا ہے۔ اس ہوٹل کے نوجوان مالک کو ایک دو مرتبہ وہ ڈراموں میں متعارف بھی کروا چکے ہیں۔

کتنی ستم ظریفی ہے کہ نئی لڑکیوں کے ساتھ عشق بازی میں صرف پروڈیوسرز ہی ملوث نہیں ہوتے بلکہ کمپیئرز سے لے کر تکنیکی کام کرنے والوں تک سب اس علت کے شوقین

ہیں۔ جونہی کوئی نئی لڑکی آتی ہے تو اس کی کھینچا تانی کا عمل شروع ہو جاتا ہے سب چاہتے ہیں کہ وہ ان کے پھندے میں آئے۔

نازلی نامی ایک لڑکی کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ اپنی سہیلی کے ہمراہ لاہور ٹی وی سٹیشن گئی تھی تا کہ اگر ممکن ہو تو میں بھی فنکارہ کی حیثیت سے اپنے جوہر دکھا سکوں۔ وہاں میرا آڈیشن لیا گیا جس کے بعد یہ کہا گیا کہ چہرہ تو بہت اچھا لیکن چانس اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ آپ ہماری ٹیم میں شامل ہو جائیں۔ ٹیم میں شامل ہونا لاہور ٹی وی سٹیشن کی ایک مخصوص اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو حرکتیں ہم کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں ان میں آپ کو بھی ہمارے ساتھ شامل ہونا پڑے گا۔ نازلی نے بتایا کہ ان لوگوں کے عزائم تاڑ کر میں اپنی عزت بچا کر واپس آ گئی۔ اس کے بعد دو اور پروڈیوسروں کے پاس بھی مجھے میری سہیلی لے گئی، لیکن ان سے مل کر بھی میرا تاثر وہی تھا کہ تقریباً سبھی ایک جیسے ہیں۔ نازلی نے یہ دلچسپ انکشاف بھی کیا کہ جو پروڈیوسرز لڑکیوں کے ساتھ خود کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوتے وہ انہیں آگے یا اوپر بھیج دیتے ہیں۔[1]

معلوم ہوا کہ ٹیلی ویژن میں کامیابی کے لیے اہلیت کم اور جسمانی تعلقات زیادہ کام کرتے ہیں۔ ان تعلقات کے بغیر کوئی فنکارہ بھی کامیابی یا ترقی حاصل نہیں کر سکتی۔ ٹیلی ویژن پر جتنے کامیاب اور خوبصورت چہرے آپ کو دکھائی دے رہے ہیں کسی نہ کسی ٹیم سے ضروری منسلک ہیں۔ کسی پروڈیوسر یا سنیئر فنکار سے تعلقات کے بغیر کوئی لڑکی زیادہ عرصہ تک ٹی وی سکرین پر نمودار نہیں رہ سکتی۔ تقریباً یہی حال باقی ٹیلی ویژن سٹیشنوں کا ہے۔ عصمت کی نیلامی کے ان اڈوں سے بھلائی کی توقع خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔

## ٹی وی نشریات

ٹی وی نشریات میں سب سے زیادہ اہمیت اردو ڈراموں کی ہے جسے نوجوان نسل انتہائی شوق سے دیکھتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان ڈراموں میں وہ سب کچھ موجود ہوتا ہے جس سے نوجوان نسل کی جنسی انا کو تسکین نصیب ہوتی ہے۔

بیشتر ٹی وی ڈراموں میں عشق و محبت کے سوا کوئی دوسرا موضوع نظر نہیں نہیں آتا۔ مخالف جنسوں کے درمیان بیہودہ تعلقات کو محبت کی چادر اوڑھا کر جو ڈرامہ پاکستانی معاشرے

میں رچایا جا رہا ہے اس کے اثرات نوجوان نسل میں برق رفتاری سے پھیل رہے ہیں۔ ان ڈراموں میں جس طرح کے مکالمے اور مناظر دکھائے جاتے ہیں وہ یقیناً ایک خاندان کے تمام افراد کی غلط تربیت کا سبب بنتے ہیں۔ اب تو فلم اور ڈرامے میں کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوتا بلکہ ان ڈراموں میں فلم کی طرح باقاعدہ ناچ گانوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کو جذباتی کشمکش کو اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ یہ کیفیت گھر کے تمام افراد اکٹھے بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ڈرامے شرم وحیا کے پاکیزہ جذبے سے اب یکسر خالی ہو چکے ہیں۔

ٹی وی اشتہارات میں ماڈل گرلز کو ایسے بے ہودہ اور غیر مہذب حرکات کے ساتھ دکھایا جاتا ہے کہ بڑے تو بڑے معصوم بچوں کی بھی ذہنی پاکیزگی آلودہ ہونے لگتی ہے۔ فیملی پلاننگ کے انتہائی بیہودہ اشتہارات دیکھ کر بچوں کے نت نئے سوالات والدین کے لیے ایک اذیت ناک آزمائش بن جاتے ہیں۔ وزارت صحت کی طرف سے بھی بعض اشتہارات قابل اعتراض اور غیر مہذب ہیں۔ ایڈز سے بچاؤ کے لیے ایک ماڈل یوں کہتی ہے: ''قربت کے تعلقات میں احتیاط کریں' ایڈز سے بچاؤ کے لیے اپنے ساتھی تک محدود رہیں۔'' اگرچہ بڑوں کے لیے ان الفاظ میں ہیجان انگیزی نہیں ہے تاہم ناپختہ ذہن قربت کے تعلقات کے متعلق متجسس ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح جب نئی فلمیں اشتہارات کے ذریعے متعارف کرائی جاتی ہیں تو فلم بینوں میں نئی فلم دیکھنے کا جنون پیدا کرنے کے لیے ایسے اشتہارات کا سہارا لیا جاتا ہے جو بے حد لچر اخلاق سوز اور عریاں ہوتے ہیں۔

ٹی وی پر رقص اور موسیقی کا غلبہ حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ میوزک پروگراموں میں عجیب وغریب لباس اور ہیجان پیدا کرنے والے انداز سے نوجوان لڑکے لڑکیاں ناچتے گاتے دکھائے جاتے ہیں۔ بینظیر کے دورِ حکومت میں جب میوزک 89 اور دھنک جیسے موسیقی کے پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوئے تو عوام اور اخبارات نے سخت احتجاج کیا مگر آج ان کی نسبت نہایت فحش انداز میں میوزک کے پروگرام ٹیلی کاسٹ ہو رہے ہیں مگر احتجاج کے بجائے نوجوان نسل ان سے محظوظ ہو رہی ہے۔ خصوصاً پاپ میوزک میں جو طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے وہ بیان کے قابل نہیں۔

''میوزک 89'' میں نازیہ حسن اور اس کے بھائی زوہیب حسن نے مل کر گیت گائے

اور ساتھ رقص بھی کیا۔ پھر نہایت تیز موسیقی کا اہتمام کیا گیا۔ لاہور اور اسلام آباد سے پاپ میوزک کے باکمال گلوکار مدعو کیے گئے۔ علاوہ ازیں پروگرام میں الٹرا ماڈرن لڑکے لڑکیوں کی بڑی تعداد شامل کی گئی۔ جب بھی نازیہ حسن' زوہیب حسن یا کوئی اور سنگر گاتا یہ لڑکے لڑکیاں جھومنے لگتے سب لڑکے لڑکیاں ایک قطار میں مل کر لہراتے اور رقص کرتے تھے۔ اسٹیج پر اور ہال میں بھی لڑکے لڑکیاں تھرک رہے تھے۔ موسیقی کے شور اور جلتی بجھتی روشنیوں نے جذبات کا طوفان گرم کر دیا تھا اور ہال میں موجود لڑکے لڑکیاں بن بنے بہک رہے تھے یہ تھا ''میوزک 89''(2)

میوزک کا دوسرا قابل اعتراض پروگرام ''دھنک'' تھا جس کی پروڈیوسر سلطانہ صدیقی تھیں۔ انہوں نے پروگرام میں یہ ترکیب استعمال کی کہ عام الٹرا ماڈرن لڑکے لڑکیوں کے بجائے مشہور فنکاروں' فنکاراؤں اور میوزک سے دلچسپی رکھنے والے لڑکے لڑکیوں کو مدعو کیا۔ چنانچہ جب بھی کوئی گلوکار یا گلوکارہ گانا گاتی' تمام مدعو کیے گئے مرد وزن جھومنے لگتے۔ مدعو کیے گئے مرد وزن ایک ساتھ بیٹھتے اور یہاں ان کی تفریق ختم کر دی جاتی۔ لہٰذا ان کے جھومنے اور تالیاں بجانے کا منظر ہی اور ہوتا تھا۔ جو منچلوں کے دلوں میں قیامت برپا کرتا تھا۔ آجکل تقریباً میوزک کا ہر پروگرام دھنک اور میوزک 89 کی طرح پیش کیا جا رہا ہے۔

موسیقی کے ایک پروگرام ''Mega Music Nite'' میں جواد احمد اور علی حیدر نے گیت گائے ان کے گانوں کے ساتھ ماڈل گرلز نے جس انداز میں رقص پیش کر کے اپنے جسم کے نشیب و فراز کی نمائش کی نہ صرف قابل افسوس ہے بلکہ قابل ندامت ہے۔ نوجوان لڑکیاں اس پروگرام سے اس قدر لطف اندوز ہو رہی تھی کہ مستی کے عالم میں جھوم جھوم کر دیوانہ ہو رہی تھیں۔ کیف و سرور کی کیفیت میں وہ آپے سے باہر ہو گئی تھیں اور اپنی جسمانی حرکات پر قابو رکھنا ان کے بس میں نہ رہا تھا لہٰذا عام بے خودی میں وہ کبھی تالیاں بجاتیں' کبھی بازو لہراتیں اور کبھی سیٹیاں بجاتی تھیں اور بعض کثرت لطف سے بار بار اپنے لب کھول دیتی تھیں۔ علی حیدر نے پہلے بھی ایک قابل اعتراض پروگرام پیش کیا تھا جس پر لوگوں نے سخت احتجاج کیا تھا۔

پاپ میوزک کا ایک پروگرام تھا ''آپ کے لیے'' اس میں علی حیدر نے نہایت بیہودہ انداز میں رقص کیا۔ روزنامہ نوائے وقت کے مطابق: ''گزشتہ ہفتے انگریزی خبروں کے فوراً بعد تقریباً سوا سات بجے ٹیلی ویژن پر ایک ایسا ثقافتی شو دکھایا گیا جس میں ایک ڈسکو

ڈانسر (علی حیدر) نے نوجوان عورتوں کے سامنے جس طرح اپنے ہاتھوں اور کولہوں وغیرہ کے تھرکنے کی نمائش اور جس طرح موجود حسینانِ شہر (کراچی) نے اس کے فن کی داد دی پوری قوم کے لیے باعث ندامت ہے۔ کیا ہم نے یہ ملک اسی مقصد کے لیے حاصل کیا تھا۔''(3)

اس کے علاوہ دیگر پروگراموں کے متعلق جناب علی سفیان آفاقی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو نظام شریعت کے نفاذ کا غلغلہ بلند ہے اور دوسری جانب سرکاری ذرائع ابلاغ کو ملک میں فحاشی' بے راہ روی اور مغربی کلچر پھیلانے کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ کمپیئر خواتین' اناؤنسرز' نیوز کاسٹرز اور پروگراموں میں شریک ہونے والی فیشن ایبل اور میک اپ سے آراستہ' انگریزی بولتی اور مغربی نقل و حرکت کرتی ہوئی خواتین کو دیکھ کر یقین ہی نہیں آتا کہ یہ کسی بھارتی چینل کا پروگرام نہیں پی ٹی وی کا پروگرام ہے۔''(4)

پاکستان ٹیلی ویژن میں اخلاق سوزی کا رجحان اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب تو بچوں کے پروگرام بھی فحش چیزوں سے پاک نہیں رہے۔ اس میں بھی نوجوان گلوکار لہک لہک کر عشقیہ گیت سناتے ہیں اور معصوم بچوں کو وہ عشقیہ مصرعے ادا کرنے میں اپنے ساتھ شریک کرتے ہیں اور انہیں ناچ گانے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کمپیئر بچیاں جینز (Jeans) اور ٹی شرٹ میں آتی ہیں۔ کیا یہ انداز و اطوار بچوں کو اپنی تہذیب سے کاٹنے کے مترادف نہیں ہیں؟ ٹی وی پر ناچ گانے کی کثرت حقیقت میں پوری قوم کو میراثی بنا رہی ہے۔ محنت اور مشقت سے تعمیری کام کرنے کے بجائے بے راہ روی کا سبق پڑھا رہی ہے۔

## ٹیلی ویژن کے اثرات

ٹیلی ویژن پر نت نئے فیشن کے کپڑے' زیورات' خوبصورت اور سجے سجائے بنگلے دیکھ دیکھ کر متوسط اور عام گھرانوں کی لڑکیاں ایک خیالی دنیا آباد کر لیتی ہیں اور وہ اپنے وسائل اور ماحول سے بہت آگے نکل جاتی ہیں۔ پھر جب حقیقی دنیا میں وہ اپنی خیالاتی دنیا کو نہیں پا سکتیں تو فرار کا راستہ ڈھونڈ لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گھر سے بھاگنے والی کنواری لڑکیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔(5)

ٹیلی ویژن کے موجودہ رویے کی بنا پر ہماری نوجوان نسل بڑی تیزی سے جنسی

گمراہی کا شکار ہو رہی ہے۔ مثلاً نوجوان لڑکیاں جب فنکار لڑکیوں کو تنگ لباس، کم لباسی بعض اوقات بے لباسی میں دیکھتی ہیں تو انہیں تمام تر خاندانی شرافت اور پردہ داری کے باوجود جسم پر اوڑھا ہوا برقعہ بوجھ معلوم ہونے لگتا ہے۔ دوپٹہ اور ڈھیلا ڈھالا لباس کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اوڑھنی سرک کر کندھے پر اور بسا اوقات پرس میں چلی جاتی ہے۔ معقول شرعی لباس جسم کے نشیب و فراز کے عین مطابق ہو جاتا ہے۔ قمیضوں کے تنگ گلے آہستہ آہستہ کھلنے لگتے ہیں اور کھلتے کھلتے نسوانی ابھاروں تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے گلے آجکل ہماری بعض نیوز کاسٹروں میں کافی مقبول ہیں، آستین رفتہ رفتہ آدھی ہو کر بغل تک پہنچ کر غائب ہو جاتی ہے۔ یہ سب فلم اور ٹی وی کا کمال ہے۔

لڑکے لڑکیاں ٹی وی ڈراموں سے صرف عشق و محبت کے آداب اور طور طریقے سیکھتے ہیں یہ ناپختہ ذہین انتہائی جذباتی عمر میں جب ٹی وی میں مرد اور عورت کو آزادانہ عشق لڑاتے اور رومانس کرتے دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن بھی بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ ان معصوم ذہنوں میں اولاً عاشقانہ اور پھر سفلانہ جذبات ابھرنے لگتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اخلاقی بند ڈھیلے ہونے لگتے ہیں اور بزرگوں کی روک ٹوک دقیانوسی اور قید محسوس ہوتی ہے۔ نتیجتاً بے حیائی اور فحاشی پروان چڑھنے لگتی ہے۔(6)

الغرض پاکستانی ٹیلی ویژن کی نشریات اپنے ڈراموں، سٹیج پروگراموں اور اشتہارات کے ذریعے فحاشی کا جو سیلاب لائی ہے اس سے ہر محب وطن اور شریف شہری پریشان ہے اور ذہنی اذیت میں مبتلا ہے۔ ٹیلی ویژن پروگراموں نے عورت کو اس کے اصل مقام سے بہت نیچے گرا کر صرف محبوبہ اور ماڈل گرل بنا دیا ہے۔ عورت کی اس سے بڑی توہین و تذلیل اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس کا تقدس اور احترام چھین کر اسے محض کھلونا اور اشتہاری چیز بنا دیا جائے۔ عورت کی آزادی کا یہ تصور بالکل غلط ہے کہ اسے بے پردہ اور بے حجاب کر کے اس سے جسم کے نشیب و فراز کی نمائش کا کام لیا جائے۔ اس کی زبان سے ذو معنی اور فحش مکالمہ بازی کروائی جائے۔

ہمارا ٹیلی ویژن تو عورت کو صرف نمائشی نہیں بلکہ جنسی نمونہ بنا کر پیش کر رہا ہے جس سے معاشرے میں شرم و حیا اور عفت و عصمت کا خیال بالکل معدوم ہو رہا ہے اور نوجوان نسل بے راہروی کی علت میں شدت سے مبتلا ہو رہی ہے۔

## کیبل ٹی وی

کیبل کے ذریعے ناظرین کی دسترس میں سینکڑوں چینلز ہیں۔ ان چینلوں پر پاکستانی ناظرین تقریباً ساری دنیا کے پروگرام با آسانی دیکھ سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ بھارتی چینل پسند کیے جاتے ہیں جس کی بڑی وجہ ''زبان'' ہے۔ تارا' کیمپس' پری ورتن' بنے گی اپنی بات' فلمی چکر' اور ہم پانچ' قسم کے تمام پروگرام سستی تفریح اور خالص تجارتی نقطہ نظر سے تشکیل دیئے گئے ہیں۔

''بھارت کے اکثر چینلز پر سیکسی فلمیں چلتی ہیں۔ انڈین 9 ٹی وی پر رات 10 بجے نیوڈ (Nude) شارٹ والی فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ چینل V اور M پر ہر طرح کے فحش گانے دکھائے جاتے ہیں۔ بالغوں کے لیے ایک مخصوص پلس 21 چینل ہے جس پر غیر مہذب لطیفے فحش کالوں کے علاوہ 100 اقساط پر مشتمل ''کاما سوترا'' * پروگرام دکھانے کا اہتمام کیا جا چکا ہے۔ اس چینل پر جنسی مسائل کے متعلق طبی مشورے بھی دیئے جاتے ہیں۔ (7)

معلوم ہوا ہے کہ اب بھارت نے بین الاقوامی طور پر ایکس بلیو ویڈیو فلموں کی اعلیٰ پیمانے پر تیاری کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ 50 لاکھ ڈالر کے سرمایہ سے غیر ملکی کمپنیوں نے 90 منٹ سے 120 منٹ دورانیہ کی بلیو پرنٹ بھارتی فلموں کی قانونی تیاری کے لیے خود کو پیش کر دیا ہے۔ ان فلموں کو باقاعدہ سرٹیفیکیٹ کے ساتھ جاری کر کے ریلیز کیا جائے گا۔ سرٹیفیکیٹ میں فلموں کی کمرشل حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ درج ہوگا کہ یہ فلم صرف بالغوں کے لیے ہوم سروس مووی ہے۔

ذرائع کے مطابق اس پراجیکٹ کے لیے پہلے مراحلے پر ایسے جوڑے لیے جا رہے ہیں جو اس فن کے شوقین ہوں' تاہم ان کے لیے یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ ایسی فلموں کے لیے مدراس' بنگال' آڑیسہ اور پنجاب کے آزاد خیال علاقوں دارجلنگ' شیلانگ اور نینی تال وغیرہ سے نام نہاد فن کاروں کو کاسٹ کیا جا رہا ہے۔ پتہ چلا ہے کہ ان فلموں کی عکس بندی عام سادے سیٹوں پر ہوگی۔ کم از کم بارہ فلموں کی تکمیل کے بعد ان کی بیک وقت تشہیر کی جائے گی کہ یہ فلمیں بھارتی زبان میں بھارتی چہروں کے ساتھ مکمل کی گئی ہیں اور مکمل بارہ فلموں کا ریٹ اصل قیمت سے صرف 60 فیصد قیمت پر

فراہم کیا جائے گا۔(8) ظاہر ہے ان فلموں کی تشہیر ٹی وی کے مخصوص چینلوں پر ضرور کی جائے گی اور کیبل کی بدولت پوری دنیا ان سے آگاہ ہو سکے گی' خصوصاً پاکستان کے لیے ان کی تشہیر خاص اہتمام سے کی جائے گی۔

قارئین! آپ کو یاد ہوگا کہ اندرا گاندھی کی بہو سونیا گاندھی نے بڑے واشگاف انداز میں اعلان کیا تھا کہ ''بھارتی ثقافتی یلغار نے پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ہم نے دو قومی نظریہ ہمیشہ کے لیے پاش پاش کر دیا ہے۔ بھارتی ثقافت نے پاکستانیوں کے ذہنوں میں نہ ختم ہونے والے ہندووانہ تاثرات متعارف کروا کے ایسی جنگ جیتی ہے جو روایتی ہتھیاروں سے ممکن نہ تھی۔ اب لڑائی سرحدوں پر نہیں نظریاتی محاذوں پر لڑی جاتی ہے۔ آج پاکستان کا بچہ بچہ بھارتی فلموں کا دلدادہ ہے۔ ہم نے ایسی پرکشش اور شدید ثقافتی یلغار کی ہے جس نے نہ صرف پاکستان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے بلکہ اخلاقی طور پر بھی ناکارہ کر دیا ہے۔ پاکستان کو اسلام کے نام پر چند مذہبی جنونیوں نے حاصل کیا تھا' کچھ عرصہ بعد یہ ملک ایک دھکے سے ٹوٹ جائے گا۔''(9)

اگرچہ ہندوستان پہلے ہی اپنی ثقافتی یلغار یعنی فحش فلموں' گانوں' عریاں اور بے ہودہ ڈراموں اور دیگر حربوں سے پاکستانی قوم کو اخلاقی اعتبار سے تباہ کرنے کے لیے بھرپور کوشش کر رہا تھا' تاہم کیبل کی ایجاد سے ان کی یہ مشکل اور بھی آسان ہو گئی ہے۔

کیبل کی بدولت چونکہ ساری دنیا کے پروگرام دیکھنا ممکن ہو گئے ہیں لہٰذا دنیا کے سبھی ممالک اچھے اور تعمیری پروگرام نشر نہیں کرتے بلکہ بعض یورپی ممالک فحش پروگراموں میں ہندوستان سے کہیں زیادہ ایڈوانس ہیں وہ ہمہ وقت فحش فلمیں اور بے ہودہ ڈانس نشر کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ بعض چینلوں پر بلیو پرنٹ فلمیں بڑی باقاعدگی سے چلتی ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کی نسبتاً یہ چینلز زیادہ خطرناک ہیں۔

عام مشاہدہ یہ ہے کہ کیبل والے گھروں کے نونہال مشرقی روایات' مقامی و معاشرتی اقدار اور ستم بالائے ستم احکامات دین سے نہ صرف دور ہوتے جا رہے ہیں بلکہ ان کا تمسخر اڑانے' انہیں کمتر ثابت کرنے کے علاوہ تہذیب مغرب کی اندھی تقلید کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔(11)

ایک خاتون ڈاکٹر کے بقول: میں نے کالجوں میں زیر تعلیم بعض طالبات کو اعتماد

میں لے کر ان سے جنس کے متعلق گفتگو کی تو یہ جان کر دنگ رہ گئی کہ ہمارے ملک کی لڑکیاں تو مغربی ممالک کی لڑکیوں سے بھی دو چار ہاتھ آگے ہیں۔ وہ سب کچھ جانتی ہیں اور روک تھام کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کا سامان بھی ساتھ رکھتی ہیں۔ [12] ظاہر ہے یہ سب ٹیلی ویژن اور کیبل کا کرشمہ ہے۔ مغربی ممالک اس کے ذریعے اپنے معاشرے کی تمام برائیاں ایک منصوبے کے تحت باقی دنیا میں عموماً اور اسلامی دنیا میں خصوصاً منتقل کر رہے ہیں تاکہ ان کا اخلاقی اور سماجی ڈھانچہ تباہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اسلامی ممالک نے اس پر فوری پابندی عائد کر دی ہے۔

سعودی حکومت نے بھی کافی غور وفکر کے بعد بالآخر ڈش پر پابندی لگا دی ہے کیونکہ سعودی عرب میں چند سالوں سے ایسا محسوس کیا جا رہا تھا کہ ڈش کے ذریعے ملک کے اندر یورپ اور امریکہ جیسا ماحول بننے کا دروازہ کھل گیا ہے' کیونکہ ان چینلوں پر صرف CNN اور BBC کے پروگرام نہیں آتے تھے بلکہ ترکی سے نشر ہونے والے جنسی تلذذ کے پروگرام حتیٰ کہ اسرائیل کا نشریاتی چینل بھی سعودی شائقین کی دسترس میں آ گیا تھا۔ حکومت پاکستان کو بھی چاہیے کہ وہ ڈش پر فوری پابندی عائد کرے۔



# فلم

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ٹی وی سٹیج اور فلم سماجی' سیاسی' مذہبی اور اخلاقی کردار کو مثبت یا منفی انداز میں پیش کرنے کے موثر ذرائع ہیں۔ تاہم یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ٹی وی اور فلم کے ذریعے معاشرہ کی اصلاح اور تعمیر کے بجائے اسے اخلاق اور مذہبی اقدار سے باغی اور گمراہ کیا جا رہا ہے۔

ہمارے ہاں اردو' پنجابی' سندھی اور پشتو یعنی ملک میں بولی جانے والی سبھی زبانوں میں فلمیں بنائی جا رہی ہیں' مگر ان سب میں ایک خصوصیت مشترک ہے اور وہ ہے لچرپن۔ پشتو فلمیں تو فحاشی اور عریانی کی آخری حدوں کو چھو رہی ہیں۔ ظاہر ہے ایسی فلمیں معاشرے میں بے راہ روی پھیلانے کے علاوہ اور کیا تعمیری خدمت سرانجام دے سکتی ہیں؟ ان فلموں میں عریانی کے علاوہ فحش اور بیہودہ ڈانس' جنسی ہیجان پیدا کرنے والے مناظر' ذومعنی مکالمات اور اخلاق باختہ گیتوں نے نوجوان نسل کو اخلاقی لحاظ سے بالکل ناکارہ کر دیا ہے۔

ان فلموں میں عریانی کے متعلق اشفاق احمد ورک لکھتے ہیں: فلموں میں پہلے یہ صورت ہوئی کہ ہیرو ایک گانے میں جب تک سترہ قلابازیاں' بیس چھلانگیں اور پانچ سات میل کی دوڑ کا مظاہرہ نہ کرتا اور ہیروئن پندرہ سولہ سوٹ بھگو کر اور بچے کھچے کپڑے اتار کر ہمارے جسم کی تلاشی نہ دے دیتی' ڈائریکٹر اور پروڈیوسر گانے کو فلم میں شامل کرنے سے کتراتے تھے۔ اب سوٹ بدلنے کا زمانہ بھی لد چکا ہے۔ اب تو فلموں میں یہ دور آ گیا ہے کہ ڈائریکٹر ہیروئن کی زیب و زینت سے متاثر ہو کر نظر اتارنے کا کہتا ہے وہ کپڑے اتارنے لگتی

ہے۔ اب فلموں میں سب سے کم خرچ ہیروئن کے کپڑوں پر آتا ہے کہ 50 روپے کی ایک عدد بنیان اور 25 روپے کے انڈرویئر ہی میں سارا گانا دکھلا دیا جاتا ہے۔[13]

پھران گانوں کا معیار اتنا پست اور عامیانہ ہوتا ہے کہ سننے والے میں نہ صرف جنسی اختلال پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ جنسی بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً ملکہ ترنم نے فلم قلندرو کے لیے ایک گیت ریکارڈ کرایا:

مینوں لے چل میری جان وے جتھے تیرا جی کردا
بھاویں لاہور تے بھاویں ملتان' وے جتھے تیرا جی کردا
میں آں تیری سالی' ادھے گھر والی
اج لے جاتوں مہمان' وے جتھے تیرا جی کردا

اس گیت سے انسان کی صرف ازدواجی زندگی ہی متاثر نہیں ہوتی بلکہ پوری اسلامی ریاست کا اخلاقی ڈھانچہ متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس گیت نے سالی اور بہنوئی کے مقدس رشتے کو یکسر پامال کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ یوں کہیے کہ سالی اور بہنوئی کو ایک دوسرے کا عاشق و معشوق بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مقدس رشتوں کی بھی بے حرمتی ہو رہی ہے خصوصاً سالی اور بہنوئی کے تعلقات کی خبریں اخبارات میں عام مل رہی ہیں۔

ملکہ ترنم نور جہاں کو فلموں میں فحش گیت گانے کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے بے شمار فلموں میں ایسے فحش گیت ریکارڈ کرائے ہیں۔ بطور مثال ملکہ ترنم کے چند ایک گیت پیش کیے جاتے ہیں جو صف اول کی اداکارہ ریما پر فلمائے گئے ہیں۔ ریما نے بھی اپنے خوبصورت رقص کے کمال سے ان گیتوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔

مثلاً فلم ''رانی بیٹی راج کرے گی'' کے لیے ملکہ ترنم کا گایا ہوا ایک گیت:

اے کنڈی نئیں کھلنی اے' کمرہ بند رہوے گا
اج تینوں کرنا پیناں ہو' جو میرا پیار کھوے گا

مجھے افسوس ہے کہ اس گانے کے تمام اشعار قلم بند نہیں کیے جا سکتے۔

اسی طرح فلم ''سخی بادشاہ'' میں میڈم کا گایا ہوا ایک اور گیت:

ونگاں ٹٹیاں' جوڑا کھلیا' ساریاں ہوشاں بھلیاں

یہ گانا پورے کا پورا فحش ہے۔

فلم ''چوہدری بادشاہ'' میں میڈم نور جہاں نے یہ گیت گایا:

بتی نہ بجھا مینوں لگدا اے ڈر
کول نہ توں آ مینوں لگدا اے ڈر

فحش گیتوں پر مشتمل فلموں کے بارے میں مون ڈائجسٹ نے ایک مکمل مضمون لکھا ہے۔ جو احباب دلچسپی رکھتے ہوں وہ متذکرہ ڈائجسٹ ستمبر 1996ء کا شمارہ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ایسے فحش گیتوں کی ایک فہرست ماہنامہ چترالی نے بھی شائع کی ہے۔(14)

پاکستانی فلموں کے علاوہ غیر ملکی فلمیں خصوصاً بھارتی فلمیں بھی ہماری نوجوان نسل کو جنسی مریض بنانے میں پوری طرح متحرک ہیں۔ فی الحال کیفیت یہ ہے کہ ہر گھر اور ہر ہوٹل میں بھارتی فلمیں اپنی عریانی اور فحاشی کے بھرپور جلوے دکھا رہی ہیں۔ اکثر لوگ انگریزی فلمیں بھی دیکھتے ہیں۔ ایسی فلموں کے شوقین بڑی آسانی سے بلیو پرنٹ فلموں کی طرف راغب ہو کر غیرت اور شرم وحیا سے بالکل عاری ہو جاتے ہیں اور ناقابل بیان جنسی جرائم کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔(15)

## بلیو پرنٹ فلمیں

1992ء میں محترمہ عالیہ ضیاء نے ''پاکستان میں بلیو پرنٹ فلموں کی وباء'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ جس کے مطابق صرف لاہور شہر میں تقریباً ساڑھے نو ہزار کے قریب ایسے وڈیو سنٹرز ہیں جو روزانہ تقریباً 30 ہزار افراد کو بلیو فلمیں فراہم کرتے ہیں۔(16) اگر ایک شہر میں ایسی فلمیں دیکھنے والوں کی تعداد 30 ہزار ہے تو ظاہر ہے ملک بھر میں ایسی فلموں کے شائقین کی تعداد لاکھوں میں ہوگی۔ یہ فلمیں نہ صرف جنسی اختلاط کے بیہودہ مناظر پردہ سیمیں پر نقل کرتی ہیں بلکہ دیکھنے والوں کے اخلاق و کردار کا زندہ جنازہ نکال کر انہیں جنسی بغاوت پر آمادہ کرتی ہیں۔

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان فلموں کی ابتداء کیسے ہوئی۔ کس طرح یہ ساری دنیا میں پھیل گئیں، پھر پاکستان میں ان کی وباء کیسے پھیلی؟ کیا پاکستان میں صرف غیر ملکی بلیو پرنٹ چلتے یا ایسی فلمیں پاکستان میں بھی تیار ہو رہی ہیں؟ اگر پاکستان میں بھی تیار ہو رہی ہیں تو ان کے لیے اداکار کہاں سے میسر ہوتے ہیں؟ پھر کون لوگ ان فلموں کو دیکھتے ہیں اور دیکھنے والوں پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ یہ چند ضروری سوالات ہیں جن کا جواب دینا ضروری

معلوم ہوتا ہے۔

عریاں جنسی فلمیں بلیو پرنٹ کہلاتی ہیں حالانکہ بلیو پرنٹ ایسا ابتدائی خاکہ یا نقشہ ہوتا ہے جس پر پوری عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ بڑے ڈیم' بیراج' پل اور بہت سی دوسری اہم تعمیرات کے سب سے پہلے بلیو پرنٹ بنتے ہیں اور پھر ان پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ یہ انگریزی اصطلاح یا لفظی ترکیب جنسی فلموں کے لیے کیسے استعمال ہونے لگی؟ اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ مغربی ذہن اور زبان کے پس منظر اور فطرت سے ان لوگوں کے لگاؤ کو پیش نظر رکھا جائے تو "بلیو" سے نیلے آسمان کی رنگت ابھرتی ہے۔ آسمان چونکہ کسی لباس کا مرہون منت نہیں ہوتا' شاید اسی خیال سے انگریزوں نے برہنہ فلموں کو بلیو پرنٹ کا نام دے دیا ہو۔

ان فلموں کی ابتدا کیسے ہوئی؟ عام خیال یہ ہے کہ ان فلموں کی ابتداء برطانیہ سے ہوئی۔ برطانیہ میں سب سے پہلے سٹرمین نامی شخص نے ایسی فحش فلمیں دکھانے کا اہتمام کیا۔ اس نے دوسری جنگ عظیم میں آرمی ایئر کور (Army Air Corps) سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد لندن میں مزاحیہ رسالے اور کتابیں بیچنے کا کاروبار شروع کیا۔ جلد ہی اس کا کاروبار بہت وسعت اختیار کر گیا اور 1950ء کے آخری برسوں میں وہ ایک ایسی ہول سیل میگزین کمپنی کا مالک بن گیا جس کے آٹھ بڑے شہروں میں سٹور تھے۔ ایک ملازم کی تجویز پر اس نے جنسی رسالوں کی فروخت بھی شروع کر دی۔ چند ماہ کے اندر اسے محسوس ہوا کہ مزاحیہ رسالوں کی نسبت جنسی رسالوں کی مانگ 20 گنا زیادہ ہے چنانچہ اس نے خود جنسی رسالے شائع کرنے شروع کر دیے۔

فحش رسالوں کے کاروبار کو پھیلتے دیکھ کر اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا اور اس نے "پیپ بوتھ" کے نام سے ایک نیا کام شروع کیا جس کے تحت ایک کیبن کے اندر کوئی بھی شخص فحش فلم دیکھ سکتا تھا اس کے لیے بوتھ میں مخصوص جگہ پر اسے سکہ ڈالنا پڑتا' دروازہ کھلتا اور فلم دیکھنے کا خواہش مند ایک مخصوص دورانیے کی فحش فلم دیکھتا۔ پیپ بوتھ اتنے مقبول ہوئے کہ سٹرمین کو مختلف شہروں میں جگہ جگہ ایسے بوتھ قائم کرنے پڑے۔ پیپ بوتھ کی مقبولیت سے بالغوں کے لیے جنسی فلموں کی صنعت کو خاصا فروغ حاصل ہوا اور پورے یورپ میں اس کا کاروبار پھیل گیا۔ پیپ بوتھ میں یہ فلمیں پروجیکٹر پر چلتی تھیں۔ 1974ء میں سٹرمین نے ایسی

فلموں کے بزنس کو ویڈیو فلموں پر منتقل کر لیا جس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر میں اس کے فحش ویڈیو فلموں کے سٹور کھل گئے۔ (17)

ان فلموں کے مختلف نام مقرر ہیں یعنی سنگل ایکس، ڈبل ایکس اور ٹرپل ایکس وغیرہ۔ وہ فلم جو تھوڑی سے عریاں ہو سنگل ایکس کہلاتی ہے، جو مکمل عریاں ہو اسے ڈبل ایکس اور جو فلم اخلاق حیات کے سارے بندھنوں کو توڑتی ہو اسے ٹرپل ایکس کہا جاتا ہے۔ ان فلموں کو حاصل کرنے کے لیے لوگ کچھ اور کوڈ بھی استعمال کرتے ہیں جبکہ شرمیلے لوگ اور خواتین لوسٹوریز کے نام سے ایسی فلمیں طلب کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان فلموں کا کاروبار کرنے والوں نے اپنے گاہکوں کو مختلف کوڈ دیے ہوئے ہیں ان میں ریسلنگ، سویٹ ہاٹ، پیاری فلمیں، پراڈائز اور نائٹ فلموں کے کوڈ شامل ہیں۔ (18)

پاکستان میں زیادہ تر بلیو فلمیں ہانگ کانگ اور سنگاپور کے راستے کراچی پہنچتی ہیں۔ کراچی بلیو فلموں کی بہت بڑی منڈی ہے۔ پاکستان کے دیگر شہروں کو بلیو فلمیں اسی منڈی سے سپلائی کی جاتی ہیں۔ کراچی میں موتن داس مارکیٹ اور صدر میں ریمبو سنٹر ان فلموں کے مرکز ہیں۔ یہاں سے ہر ملک اور ہر نوع کا بلیو پرنٹ دستیاب ہو سکتا ہے، بھارت کی بلیو فلمیں زیادہ تر خلیج عرب امارات سے ہوتی ہوئی اس ملک کی مارکیٹ میں آتی ہے۔

ایک سروے کے مطابق پاکستان میں 90 فیصد بلیو فلمیں انگریزی میں ہیں جو امریکہ، یورپ اور بعض ایشیائی ممالک سے تیار ہو کر آتی ہیں۔ 8 فیصد فلمیں انڈیا سے تیار ہو کر آتی ہیں جبکہ 2 فیصد مقامی پیداوار ہیں۔ (19) ذرائع کے مطابق چار، پانچ سال قبل پاکستان میں ان فلموں کی تیاری کا کام عروج پر پہنچ گیا تھا، لیکن حدود آرڈیننس پر عمل درآمد، اخبارات کے خوف اور بعد ازاں ہالہ فاروقی کیس سامنے آنے کے بعد فلموں کی تیاری کم پڑ گئی۔ تاہم فی الحال پھر ان فلموں کی تیاری کا کام ترقی کر رہا ہے۔ پاکستان میں یہ فلمیں کیسے تیار ہوتی ہیں؟ اس سوال کا جواب بھی بڑا اہم دکھائی دیتا ہے۔

بلیو فلموں کے پروڈیوسرز لڑکیوں کے حصول کے لیے کئی مختلف حربے استعمال کرتے ہیں تاہم درج ذیل اقسام کی لڑکیاں باآسانی ان فلموں کے لیے دستیاب ہو سکتی ہیں:

(1) عصمت فروش لڑکیاں: جو لڑکی جسم فروشی کی راہ پر چل نکلتی ہے اس کے لیے بلیو فلموں کے کرداروں میں کوئی برائی باقی نہیں رہتی، بلکہ ایسی لڑکیاں ان فلموں میں زیادہ کشش

محسوس کرتی ہیں کیونکہ ان فلموں میں کم وقت دے کر زیادہ معاوضہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں زیادہ بلیو فلمیں ان کرائے کی عورتوں سے ہی تیار کی جاتی ہیں۔

(2) گھروں سے فرار ہونے والی لڑکیاں: بہت سی لڑکیاں محبت کے پھندے میں پھنس کر اپنے محبوب کے اشاروں پر گھروں سے بھاگ نکلتی ہیں۔ جب محبوب کا دل اس لڑکی سے بھر جاتا ہے تو وہ اسے چھوڑ کر خود کہیں بھاگ نکلنے کی کوشش کرتا ہے یا اسے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے یا اسے ایسی فلموں کے دھندے میں لگا کر خود رفو چکر ہو جاتا ہے۔

(3) شوبز کی لڑکیاں: وہ لڑکیاں جو فلموں میں ہیروئنیں بننے کے شوق سے گھروں سے بھاگ کھڑی ہوتی ہیں اور لاہور آ کر وہ صرف ایکسٹرا ہو کر رہ جاتی ہیں بڑی آسانی سے بلیو فلموں میں کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں کیونکہ فلمی صنعت سے ایکسٹرا گرلز کو جو معاوضہ ملتا ہے وہ برائے نام ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ٹیلی ویژن کی ایک فنکارہ اور ماڈل گرل جو آج کل سلومی رانا کے نام سے مختلف فلموں میں کام کر رہی ہے نے بھی اس امر کا انکشاف کیا کہ ایک فلم پروڈیوسر مجھے بلیو پرنٹ بنوانے کے لیے مجبور کر رہا ہے۔ اس نے مزید انکشاف کیا کہ ان حضرات کا ہانگ کانگ بھی اسی قسم کا کاروبار ہے۔

شاید آپ کو یہ جان کر حیرت ہو کر ہماری بعض بڑی ہیروئنوں کے بلیو پرنٹ آج بھی موجود ہیں۔ یہ ان دنوں کی یادگار ہیں ...... جب پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں' ابتداء میں جب آج کی یا کچھ عرصہ پہلے کی ہیروئنوں کی کوئی مارکیٹ ویلیو نہیں تھی تو وہ بلیو فلموں کی کمائی سے اپنے پیٹ کا جہنم بھرتی تھیں۔ [20] معلوم ہوا کہ شوبز سے وابستہ لڑکیاں معقول معاوضہ کے عوض بلیو فلموں میں کام کرنے میں کوئی خاص عار محسوس نہیں کرتیں۔

(4) بلیک میلنگ: بہت سے لڑکیاں بلیک میل ہو کر بھی یہ کردار ادا کرتی ہیں۔ بعض اوقات جبر سے یا کسی دوا وغیرہ سے لڑکی کو نیم بیہوش کر کے اس کے عریاں فوٹو اور ناگفتہ پوز بنا لیے جاتے ہیں۔ پھر ان فوٹوز کو افشا کر دینے کی دھمکی دے کر ان سے بلیو فلموں میں کام کرایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک اخباری خبر کے مطابق: شہر گوجرانوالہ کے ماڈل ٹاؤن کے علاقہ میں سکول کی آڑ میں طالبات کی عزت سے کھیلنے والے سکول کے مالک نے پولیس کی حراست میں رونگٹے کھڑے کر دینے والے انکشافات کیے ہیں۔ ذرائع کے مطابق: وہ طالبات کو کھانے پینے والی اشیاء میں نیم بیہوش کر دینے والی دوائی ملا کر دیتا تھا۔ جب ان پر غنودگی طاری ہوتی

تو پھر ان کے ساتھ شیطانی کھیل کھیلا جاتا جو اس سارے عمل کی فلم بنتا تا بعد میں ان فلموں کے ذریعے طالبات اور ان کے والدین کو بلیک میل کیا جاتا۔[21] اس طریقے سے سکول کے مالک حاجی سہیل عرف ٹیپو نے کافی طالبات کے ساتھ بلیو پرنٹ بنائے جن میں کچھ اب بھی پولیس کے قبضہ میں ہیں جبکہ بقول ٹیپو: میں نے ایسی بیشتر فلمیں جلادی ہیں۔

میانوالی میں ایک خبر کے مطابق: جمیل پروانہ نامی ایک شخص کی زیر سرپرستی ایک گروہ گزشتہ دو سالوں سے ٹیلی فون کے ذریعے شہر کی لڑکیوں کو بلیک میل کر کے ان کی وڈیو فلمیں بناتا رہا پھر اسے پولیس نے گرفتار کر لیا۔[22]

لاہور میں ایک گرلز کالج کی پرنسپل کے متعلق بھی انکشاف ہوا کہ وہ خوبصورت لڑکیوں کے بلیو پرنٹ تیار کر کے انہیں بلیک میل کرتی ہے۔ وہ ایسی لڑکیوں کو بڑے بڑے وزیروں اور اعلیٰ سرکاری افسروں کے دل بہلانے کے لیے بھیجتی ہے۔[23]

(5) بعض ایڈورٹائزنگ ایجنسیاں اپنی ماڈل لڑکیوں کو بلیو فلموں کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ چونکہ ماڈل گرلز معاوضہ پر کام کرتی ہیں لہٰذا انہیں اشتہارات کے لیے استعمال کریں یا کسی اور غرض کے لیے اس سے ان میں سے اکثر کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا' تاہم یہ ضروری نہیں کہ ہر ماڈل لڑکی ایسا دھندہ کرتی ہو۔

پاکستان میں لڑکوں کے بھی بلیو پرنٹ تیار ہونے لگے ہیں۔ روزنامہ جنگ کی ایک خبر کے مطابق:

سیالکوٹ پولیس نے بچوں کے ساتھ بدفعلی کر کے ان کی فحش فلمیں بنانے کے مکروہ دھندے میں ملوث گروہ کے چار افراد کو گرفتار کر لیا ہے جو فحش سی ڈیز بیرون ملک بھجواتے تھے۔ یہ انکشاف ایڈیشنل ایس پی سیالکوٹ شارق جمال خاں نے ایک پریس کانفرنس میں کیا۔ ڈسٹرکٹ پولیس افسر سیالکوٹ اسامہ ممتاز رچہ کی خصوصی ہدایت پر ایس ایچ او تھانہ مراد پور کے انسپکٹر ملک ندیم نے مراد پور میں چھاپہ مار کر اس گروہ کا سراغ لگایا' انہوں نے مزید بتایا کہ گروہ کے دیگر ارکان کی گرفتاری کے لیے ان کے ٹھکانوں پر چھاپے مارے جا رہے ہیں' گرفتار ہونے والوں میں محمد امجد عرف نجمی' محمد کاشف ولد' عبدالغفار اور اشفاق حسین شامل ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ملزم اب تک 100 سے زائد بچوں کی فحش سی ڈیز تیار کر چکے ہیں۔ پولیس کو کسی ذرائع سے معصوم بچوں کے ساتھ بدفعلی پر مبنی ایک فحش سی ڈی ملی جس کے بعد تحقیقات

کی روشنی میں پولیس نے ملزموں کو گرفتار کر لیا ہے۔

بلیو فلمیں کہاں بنتی ہیں؟ یورپ میں عام طور پر بلیو فلمیں بھی دیگر فلموں کی طرح فلم سٹوڈیوز میں تیار کی جاتی ہیں' خصوصاً سکنڈے نیوین ممالک میں ایسے کئی سٹوڈیوز موجود ہیں جہاں بلیو فلمیں تیار ہو رہی ہیں۔ ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن میں سب سے بڑا فلم اسٹوڈیو موجود ہے جہاں صرف بلیو فلمیں بنتی ہیں۔ مگر پاکستان میں معاملہ ذرا اس کے برعکس ہے۔ یہاں فلم اسٹوڈیو کی بجائے یہ فلمیں کسی دفتر یا کوٹھی کے کمرہ میں تیار ہوتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حالیہ دنوں میں الیکٹرانکس نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اس کی بدولت کسی بھی معاملہ و مرحلہ کی فلم بنا لینا بڑا سہل وسادہ کام ہو گیا ہے جس پر بہت معمولی لاگت آتی ہے۔

الیکٹرانکس کی اس محیر العقول ترقی نے بلیو فلموں کے لیے راہیں بڑی آسان اور ہموار کر دی ہیں۔ انہیں بنانے کے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی' یوں سمجھے کہ کسی بھی خالی کمرہ میں ہونے والے تمام اعمال وافعال کو کیمرہ میں بند کر لیا جاتا ہے۔ ایسے کمرے فلم اسٹوڈیوز کے بھی ہو سکتے ہیں اور گھروں یا کوٹھیوں کے بھی۔ انہیں فلم بند کرنے والے فوٹو گرافر کیمرہ مین بھی ہو سکتے ہیں اور فلمی دنیا سے وابستہ افراد بھی۔

ہالہ فاروقی کی بلیو فلم ''روبی بائی نائٹ اور ثمینہ بائی ڈے اینڈ نائٹ'' فیصل آباد کی نرسوں کی بلیو فلم' ہڈیاں چننے والی خوبرو لڑکیوں کی بلیو فلم' اچھرہ کی شمع نامی لڑکی کی بلیو فلم ''مجبوری'' کے علاوہ کالج کی لڑکیوں کی بلیو فلم۔ یہ سب فلم اسٹوڈیو کی بجائے کسی دفتر یا کوٹھی کے عام کمرہ میں تیار کی گئیں۔ ان فلموں کے لیے کسی سیٹ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کون سے لوگ بلیو فلمیں دیکھتے ہیں؟ پاکستان میں بلیو فلموں کی مانگ میں دن بدن اضافہ رونما ہو رہا ہے۔ آج سے کچھ عرصہ قبل سب سے زیادہ مانگ انڈین فلموں کی تھی' ان کے بعد پاکستانی اور پھر انگریزی فلموں اور چوتھے نمبر پر بلیو فلموں کی مانگ تھی' لیکن اب صورتحال تبدیل ہو چکی ہے۔ فی الحال بلیو کی مانگ انڈین فلموں سے قدرے ہی کم ہے۔ جس تیزی سے ان فلموں کی مانگ بڑھ رہی ہے اس سے یہ اندازہ کیا جا رہا ہے کہ اگر حکومت اور سماجی تنظیموں کی جانب سے بروقت اقدامات نہ اٹھائے گئے تو ان کی مانگ اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ ان فلموں کی مانگ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جونئی بلیو فلم تیار کی جاتی ہے اس کی صرف لاہور میں 50 ہزار کاپیاں کی جاتی ہیں جبکہ ویڈیو سنٹرز والے ان کی مزید

کاپیاں کرواتے ہیں۔

چند سال پہلے تک صرف وہی لوگ ان فلموں کے شوقین تھے جن کے گھروں میں ٹی وی یا وڈیو سیٹ موجود تھے یا جو ان چیزوں کو کرایہ پر حاصل کر سکتے تھے' لیکن اب شہروں کے غریب اور پسماندہ علاقوں میں بھی بلیو فلموں کے چھوٹے چھوٹے سینما گھر کھل گئے ہیں: ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف لاہور میں 3 ہزار سے زائد سینما گھر کام کر رہے ہیں۔ جو سستی تفریح کے نام پر نوجوان نسل کے کردار کو تباہ کر رہے ہیں۔[24]

مون ڈائجسٹ نے ان فلموں کے شوقین لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے لاہور بھر میں پھیلے ہوئے مختلف وڈیو سنٹرز کے مالکان سے رابطہ کیا اور ایک رپورٹ شائع کی۔ جس کے مطابق ایسی فلمیں دیکھنے والوں میں اہم ملکی سیاستدان' اعلیٰ سرکاری افسران اور طالب علموں سمیت ایسے شریف چہرے شامل ہیں جو عام طور پر انتہائی شریف اور مذہبی رجحانات کے حامل افراد گردانے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ خوفناک انکشاف یہ سامنے آیا ہے کہ 14 سال کی عمر کے بچوں اور خواتین میں یہ رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے اور ان میں طالبات کی خاصی تعداد بھی شامل ہیں۔''[25]

اسی طرح ہفت روزہ ''تاجر'' نے ایسی فلمیں دیکھنے والوں کے متعلق لکھا ہے کہ بلیو فلمیں زیادہ تر بوڑھے لوگ یا کمسن نوجوان دیکھتے ہیں جن کی عمریں چالیس سال سے زیادہ یا 20 سال سے کم ہوتی ہیں۔ وہ یہ لکھتا ہے: کہ حیرت انگیز طور پر ایسی فلموں کے شائقین میں خواتین کی تعداد نصف کے لگ بھگ ہے یہ زیادہ تر کالجوں کی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ وڈیو سنٹرز پر وہ کبھی تنہا نہیں آتیں بلکہ عام طور پر تین چار لڑکیاں دکان میں ایک ساتھ داخل ہوتی ہیں اور کسی جھجک کے بغیر نام لے کر کوئی بلیو فلم طلب کرتی ہیں۔''[26]

روزنامہ خبریں کی ایک رپورٹ کے مطابق: وڈیو سنٹروں پر ڈیفنس کے علاقے میں چھاپے کے دوران بعض افراد سے جو معلومات حاصل ہوئیں' ان کے مطابق: صبح دس بجے سے ایک بجے تک بلیو فلمیں دیکھنے کے لیے بیگمات نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔ کسی ایک گھر میں چار پانچ بیگمات اکٹھی ہو جاتی ہیں اور کسی ایک تعلق والے وڈیو سنٹر کو فون کر کے 15 منٹ کے اندر اپنے ذوق کی فلم منگوا لیتی ہیں جو ٹھیک 3 گھنٹے کے بعد واپس بھجوا دی جاتی ہے۔[27]

اب تو ان فلموں کا رواج اتنا عام ہو گیا ہے کہ ملک کے اکثر بڑے سینماؤں میں یہ

فلمیں بلا روک ٹوک چل رہی ہیں۔ صوبہ سرحد کے سینماؤں کے متعلق روزنامہ جنگ کی ایک رپورٹ کے مطابق: پشاور، مردان اور سوات وغیرہ کے سینماؤں میں گزشتہ کچھ عرصہ سے انتہائی لچر، عریاں پشتو فلمیں، بلیو پرنٹ اور غیر قانونی طور پر درآمد کی جانے والی بھارتی فلموں کی نمائش کی جا رہی تھی۔ اسی طرح غیر سنسر شدہ پشتو گانے اور ٹوٹے بھی سینماؤں میں بڑی تعداد میں دکھائے جا رہے تھے جس کے خلاف عوامی شکایات کی جا رہی تھیں۔ لہٰذا حکومت نے ان کے علاوہ صوبہ سرحد کے دوسرے اضلاع میں واقع تمام سینماؤں کو بھی انہی شکایات کے پیش نظر بند کر دیا ہے۔(28)

بلیو پرنٹ فلمیں صرف صوبہ سرحد کے سینماؤں میں ہی نہیں دکھائی جا رہی ہیں بلکہ پورے ملک میں تقریباً یہی حال ہے۔ پشتو اور انگلش فلموں کی آڑ میں ملک کے اکثر بڑے سینماؤں میں عریاں فلمیں بے دھڑک چلائی جا رہی ہیں۔(29) ظاہر ہے کہ ایسا عام عوام کی ڈیمانڈ کے مطابق ہی کیا جا رہا ہے خصوصاً نوجوان نسل بڑی سرعت سے بلیو فلموں کی طرف مائل ہو رہی ہے۔

## بلیو فلموں کے اثرات

جنسی سکینڈل میں ملوث ملزمہ میڈم رخسانہ نے گجرات جیل سے ایڈیٹر مون ڈائجسٹ کو ایک خط لکھا۔ جس میں وہ لکھتی ہے کہ میری بربادی میں سب سے زیادہ ہاتھ بلیو فلموں کا ہے۔ میں اپنی سہیلیوں کے گھر فلم دیکھنے کے بہانے جاتی تھی لیکن جب گھر والے سو جاتے تھے تو میں اور میری سہیلیاں بلیو فلمیں دیکھتی تھیں۔ ان فلموں سے میرے جذبات کو آگ لگ جاتی تھی جن کو ٹھنڈا کرنے کے لیے مجھے اکثر بازاروں میں گھومنا پھرنا پڑتا تھا۔ ان فلموں کی بدولت میں ہم جنسی کا بھی شکار ہوگئی۔ میں اکثر خوبصورت لڑکیوں کی تلاش میں رہتی اور ان کے ساتھ اپنی ہوس کی آگ بجھاتی۔(30)

ایک ویڈیو سنٹر کے مالک نے بتایا کہ ''ایک روز ایک خاتون آئی اور بڑی لجاجت سے بلیو فلم مانگی۔ فلم لے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ پھر واپس آئی اور کہنے لگی کہ گھر میں وی سی آر ان سے نہیں چل رہا آپ ساتھ چل کر اسے چلا دیں۔ میں اس کے ساتھ گیا گھر میں ایک خاتون اور بھی موجود تھی۔ میں نے وی سی آر چلا دیا اور ان سے اجازت چاہی تو ان

دونوں نے بیک زبان ہنستے ہوئے کہا: اب زندہ فلم بھی چلنی چاہیے۔ تاکہ کچھ ریہرسل ہی ہو جائے۔'' بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں خواتین ایک دوسرے کی نند اور بھابی تھیں۔ اس نے مزید انکشاف کیا کہ ایسی فلمیں دیکھنے والے اکثر لڑکے اور لڑکیاں مختلف وڈیو سنٹروں میں ایک دوسرے کو پھانسنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کیونکہ لوہا تو پہلے ہی گرم ہوتا ہے بس ایک چوٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور ڈھلائی کا عمل خود بخود ہونے لگتا ہے۔

رخشندہ مغل اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہے: ''فلموں میں فحاشی سے نوجوان طبقے نے اثر اس طرح لیا ہے کہ اس کا عملی مظاہرہ گلیوں' سڑکوں اور بازاروں میں کر رہے ہیں۔ آتی جاتی لڑکیوں پر آوازیں کسنا' غلیظ نگاہوں سے دیکھنا' فحش گانے گاتے ہوئے ان کا تعاقب کرنا گویا ان کے لیے یہی مقصد حیات بن گیا ہے۔ دوسری طرف لڑکیوں پر ایسی فلموں کا یہ اثر ہوا ہے کہ نہ تو انہیں اپنی عفت و عصمت کی پروا رہی ہے اور نہ ہی اسلامی حدود و قیود کا خیال۔ وہ سرعام نیم عریاں لباس پہن کر مکمل آرائش و زیبائش کے ساتھ' غیر کی نگاہوں کا مرکز بن کر بڑے فخر سے اپنی عصمتوں کے گوہر نایاب کو لٹا رہی ہیں۔''(31) حقیقت یہ ہے کہ ان فلموں کی بدولت نہایت کچی عمر میں بچے اور بچیوں میں جنسی شعور بیدار ہو جاتا ہے چنانچہ کم عمری میں جنسی تجربات سے وہ اپنی صحت برباد کر لیتے ہیں۔



# انٹرنیٹ

انٹرنیٹ انٹرنیشنل نیٹ ورک کا مخفف ہے اور اسے ''عالمی معلوماتی نظام'' بھی کہا جا سکتا ہے جس میں شامل تمام کمپیوٹرز کو ایک مخصوص ایڈریس الاٹ کر دیا جاتا ہے۔ تمام کمپیوٹرز آپس میں رابطہ کے لیے نیٹ ورک کی زبان جسے ''TCP/IP'' پروٹوکول کہا جاتا ہے استعمال کرتے ہیں۔

انٹرنیٹ کا آغاز امریکہ میں ہوا تھا جہاں وزارت دفاع اور دیگر دفاعی پروجیکٹس پر کام کرنے والے اداروں کے درمیان باہمی پیغام رسانی کے لیے ایک مواصلاتی نظام کی ضرورت پیش آئی جو کمپیوٹرز کے ذریعے حساس نوعیت کا ڈیٹا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکے۔ اس کام کے لیے پہلے سے موجود ٹیلی فون نیٹ ورک کو استعمال کیا گیا تھا۔ اس مقام پر کامیابی حاصل کرنے کے بعد امریکی تعلیمی اداروں نے بھی اسی قسم کے نظام کی ضرورت محسوس کی اور آج یہ عظیم الشان نیٹ ورک پوری دنیا کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

انٹرنیٹ نے دنیا کے مختلف ممالک کے درمیان حائل جغرافیائی' سیاسی' ثقافتی اور نظریاتی حدود کو ختم کر کے باہمی فاصلوں کو مٹا دیا ہے اور اس کرہ ارض پر بسنے والے لوگوں کو بالکل قریب کر دیا ہے۔ دنیا کے ہر کونے پر رہنے والے لوگ انٹرنیٹ پر آپس میں اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے ایک ہی کمرے میں موجود ہوں۔

انٹرنیٹ پر ڈیٹا' آواز اور فیکس کی ترسیل با آسانی کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ویڈیو کو بھی انٹرنیٹ کے ذریعے ایک مشین سے دوسری مشین میں ٹرانسفر کیا جا سکتا ہے۔

انٹرنیٹ پر رسائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے پاس ایک (A-T) کمپیوٹر موجود ہو اور ایک قابل استعمال ٹیلی فون لائن ہو جسے کمپیوٹر کے ساتھ منسلک کر دیا جاتا ہے۔ پہلے آپ کو کسی بھی انٹرنیٹ سروس فراہم کرنے والی کمپنی کے ساتھ رجسٹریشن کرانا ہو گی جو آپ کے لیے ایک انفرادی "Intrnet Login" مخصوص کر دے گی اور یوں آپ کو ایک بین الاقوامی ای میل ایڈریس مل جائے گا۔ اب کوئی شخص بھی اس ای میل ایڈریس پر آپ کو ڈاک بھیج سکتا ہے اور آپ کے ساتھ رابطہ کر سکتا ہے۔

"انٹرنیٹ" کی بنیاد بلاشبہ ایک جدید اور زیادہ اہلیت والی ٹیکنالوجی پر ہے جس کے ذریعے بہت سی مفید معلومات بہت کم وقت میں حاصل کی جا سکتی ہیں، مگر لوگوں کی کثیر تعداد نے انٹرنیٹ کو محض تفریح کا ایک ذریعہ تصور کر لیا ہے۔ مفید معلومات کے حصول کی بجائے نوجوانوں میں انٹرنیٹ پر رومانس کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ایک برطانوی اخبار کے مطابق: "لوگوں کو انٹرنیٹ کے رومانس کو حقیقی زندگی کی محبت میں لانے کے لیے ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

اخبار نے مزید انکشاف کیا ہے کہ بڑی عمر کی خواتین بھی اس میدان میں آ گئی ہیں اور وہ نوجوانوں کے ساتھ فلرٹ کرتی ہیں۔ انٹرنیٹ کی "ڈیٹ سروس" میں لاکھوں امیدواروں کی لسٹ ہوتی ہے۔ ان ملاقاتوں کی حقیقی زندگی میں تبدیلی کی شرح بڑھ رہی ہے۔ انٹرنیٹ پر رومانس کے بڑھتے ہوئے رجحان اور سوسائٹی پر اس کے مہلک اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے ماہرین نے نوجوانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ انٹرنیٹ پر اپنے بارے میں مکمل معلومات نہ دیں اور نہ ہی اپنے ساتھی سے ملاقات کے لیے زیادہ جلدی کا مظاہرہ کریں۔"(32)

اسی طرح ایک اور خبر کے مطابق: "پاکستان میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والے افراد میں سے 77 فیصد پورنوگرافی (فحش تصاویر) دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ فحش تصاویر دکھانے والی 9 کروڑ 85 لاکھ ویب سائٹس سے پاکستان میں استعفادہ کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں انٹرنیٹ کے استعمال کے بارے میں سروے رپورٹ کے مطابق: انٹرنیٹ کے ذریعے نوجوان نسل کو بے راہ روی کا شکار بنانے اور پاکستان کی مذہبی بنیادوں کو تباہ کرنے کے لیے غیر اسلامی قوتیں سرگرم عمل ہیں۔"

مختلف انٹرنیٹ کلبوں میں غیر اخلاقی ویب سائٹس دکھانے کے لیے خصوصی

انتظامات کیے گئے ہیں۔ فحاشی دکھانے کے لیے ان کلبوں میں الگ کیبن بنائے گئے ہیں۔ سروے کے مطابق پاکستان میں انٹرنیٹ کا 76.4 فیصد استعمال غیر اخلاقی سرگرمیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ 37.8 فیصد خبریں اور دیگر اطلاعات جمع کرنے' 64.3 فیصد ای میل' 20.5 فیصد ریسرچ' 33.7 فیصد پلے گیمز' 60.8 فیصد آئی آر سی / آئی سی کیو 68.9 فیصد سیکس چیٹ اور 13.7 فیصد شاپنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔"(33)

انٹرنیٹ پر غیر اخلاقی پروگرامز دکھانے والی ویب سائٹوں میں نیوڈٹی' ایڈلٹ' سیکس' تشدد' منشیات کا استعمال غلیظ زبان کا استعمال' نسلی امتیازات کو فروغ دینا' جرائم اور جنسی بات چیت وغیرہ شامل ہیں۔ ایسے پروگراموں کو فلٹرنگ پالیسی کے ذریعے روکا جا سکتا ہے۔



# ٹیلی فون

ٹیلی فون کو دور حاضر کی سب سے مفید اور بہترین ایجاد کہا جاتا ہے مگر بعض اوقات یہی مفید ایجاد بے شمار گھرانوں کا سکھ برباد کرنے کا موجب بن جاتی ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ٹیلی فون کے ذریعے گھنٹوں ایک دوسرے کو اپنی محبت کا یقین دلاتے رہتے ہیں' بیتابی دل کا حال سناتے ہیں' گلے شکوے کرتے ہیں' زندگی بھر بات نہ کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے اور ٹیلی فون پر ایک دوسرے کو منایا بھی جاتا ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق کم از کم دس فیصد گھریلو ٹیلی فونوں پر محبت کی پینگیں بڑھائی جاتی ہیں۔ کسی زمانے میں لڑکیاں اور لڑکے رابطے کے لیے کسی گھریلو ملازم' رشتہ دار یا بہن بھائی وغیرہ کو رازدار بناتے تھے مگر ٹیلی فون نے یہ محتاجی ختم کردی ہے۔ اب یہ جوڑے خون سے خط لکھنے کی بجائے ٹیلی فون پر ہی سب کچھ کہہ اور سن لیتے ہیں۔ ٹیلی فون نے اوباش لڑکوں اور دل پھینک عاشقوں کی مشکلات کو بھی بہت حد تک آسان بنا دیا ہے۔ پہلے لڑکے رابطہ قائم کرنے کے لیے بڑے جتن کرتے تھے' لڑکیوں تک رسائی حاصل کرنا اور انہیں اپنا حال دل سنانا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ مگر اب صرف لڑکی کا فون نمبر حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اس کے ساتھ محبت کرنے کے لیے کوششیں شروع ہو جاتی ہیں۔

عموماً بات کا آغاز ان باتوں سے کیا جاتا ہے: آپ مجھے نہیں جانتی مگر میں آپ کو برسوں سے جانتا ہوں' نجانے کتنی راتوں سے جاگ رہا ہوں' میں آپ کو فون نہیں کرنا چاہتا تھا مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر دل کی بات ہونٹوں تک آ گئی ہے۔ پلیز فون بند نہ کیجیے گا۔ یا پھر

لڑکے کسی لڑکی کا نام لے کر اسے بلاتے ہیں پھر ظاہر یہی کرتے ہیں کہ فون غلطی سے مل گیا ہے، مگر باتوں کو طول دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لڑکوں کی چرب زبانی بعض اوقات لڑکیوں کا دل بھی موم کر دیتی ہے اور پھر دوستی کا سلسلہ کسی المیے پر منتج ہو جاتا ہے۔

مشاہدے میں یہ بھی آیا ہے کہ بعض دل پھینک مرد اپنے دوستوں کی بیویوں، بہنوں یا بیٹیوں سے بھی فون کے ذریعے آشنائی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایسے وقت میں اپنے دوست کے گھر فون کرتے ہیں کہ جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کا دوست گھر میں نہیں ہوگا۔ یہ اپنے دوست کا پوچھتے ہیں پھر گفتگو کا سلسلہ خواہ مخواہ بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی یہ کوششیں کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔

سیدھی سادی خواتین بہت جلد مردوں کی دلفریب باتوں کے چنگل میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ٹیلی فون عشق کرنے کا محفوظ ترین ذریعہ بن چکا ہے۔ پارکوں اور باغوں میں ملنے کے لیے جو خطرات لاحق ہوتے تھے وہ ٹیلی فونک رابطے نے ختم کر دیے ہیں۔ زیادہ تر خواتین دیکھے جانے کے خوف سے اپنے دوستوں کو باہر ملنے سے گریز کرتی ہیں مگر ٹیلی فون کے ذریعے رابطے میں انہیں عموماً ایسا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ کچھ لڑکیاں اپنے گھر والوں کے سامنے ہی گپ شپ لگاتی رہتی ہیں اور گھر والوں کو ظاہر کراتی ہیں کہ جیسے ان کی کسی سہیلی کا فون ہو۔ گفتگو میں بھی وہ وہی الفاظ بولتی ہیں جو کہ خواتین کے لیے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً کب آؤ گی، کہاں ملو گی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایسی شادی شدہ خواتین بھی گھنٹوں ٹیلی فون پر دل بہلاتی رہتی ہیں جن کے شوہر اپنے کاموں میں زیادہ مصروف ہوتے ہیں۔ ان کے مرد روزگار کے حصول یا دوسرے کاموں میں لگے ہوتے ہیں اور ان کی بیویاں اپنی تنہائی کا علاج مختلف طریقوں سے کرتی رہتی ہیں۔ ٹیلی فون پر انہیں وہ سب کچھ سننے کو مل جاتا ہے جو ان کے شوہر زندگی بھر بھی ان سے نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ ٹیلی فون پر اپنی تعریف و توصیف سن کر وہ بہت خوش ہوتی ہیں مگر ایسی خواتین ایک ایسے ٹریک پر چل رہی ہوتی ہیں جو انہیں صرف تباہی کے گھڑے تک لے جاتا ہے۔[34]

ٹیلی فون کا غلط استعمال شروع سے جاری ہے۔ یہ کچے ذہن کی لڑکیوں اور لڑکوں کو بھٹکانے میں معاون ثابت ہو رہا ہے۔ ٹیلی فون رابطوں کی وجہ سے بے شمار لڑکے لڑکیاں گھروں سے فرار ہو جاتے ہیں۔ بعض لو میرج کر لیتے ہیں۔

آج کل عصمت فروش لڑکیاں یا ان کے دلال اپنے گاہکوں سے ٹیلی فون پر ہی اپنے معاملات طے کرتے ہیں۔ اسی طرح کال گرلز سے رابطے کا موثر ترین ذریعہ بھی ٹیلی فون ہی ہے۔



# فحش تصاویر

گزشتہ کئی عشروں سے پاکستان میں بھارتی ثقافتی یلغار کے ساتھ انگریزی فلموں اوران کے ساتھ بے ہودہ پوسٹروں نے ایک طوفان بے حیائی بپا کر رکھا ہے۔ انگریزوں اور ہندوؤں نے ہماری نظریاتی سرحدوں پر فحاشی' عریانی اور بے حیائی کی جو یلغار کی وہ بھارتی اور انگریزی فلموں کے علاوہ فحش لٹریچر اور لچر قسم کے پوسٹروں نے بڑے پیمانے پر پھیلائی۔ افسوس یہ ہے کہ ان پوسٹروں کو ہمارے اشاعت خانوں نے بھی تجارتی مقاصد کے تحت فروغ دیا جس سے نئی نسل کے اذہان نہ صرف آلودہ ہوئے بلکہ ان بے ہودہ' ہیجان انگیز اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والے پوسٹروں نے پوسٹرز میزائل کی شکل اختیار کر لی ہے۔

فحش تصاویر پر مشتمل اس قسم کی اوپن ایئر آرٹ گیلریاں تمام چھوٹے بڑے شہروں کے فٹ پاتھوں پر نظر آتی ہیں۔ جہاں فن مصوری کے شاہکار لینڈ سکیپ' سٹل لائف' بچوں کے پوسٹرز اور پاکستانی' بھارتی اداکاراؤں کی توبہ شکن تصاویر اور نیم عریاں پوسٹر آویزاں ہوتے ہیں۔ ان کے قریب سے گزرنے والے راہ گیر کے قدم خود بخود ٹھہر جاتے ہیں۔ (35)

کیمروں سے اتاری جانے والی یہ تصاویر بڑے اشاعتی ادارے بڑے بڑے پوسٹروں پر منتقل کر کے نہ صرف مغربی ثقافت کو فروغ دے رہے ہیں بلکہ نوجوان نسل کے اخلاق اور کردار کو بھی تباہ کر رہے ہیں۔

ان پوسٹروں کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بیوٹی پارلر سے لے کر نائی کی دکان تک ہر جگہ یہ پوسٹر پہنچ چکے ہیں۔ یہ ان کی سجاوٹ کا لازمی حصہ ہیں۔

بلیو فلموں کی طرح یہ پوسٹر بھی مشرق بعید سے سمگل ہو کر پہلے کراچی پہنچتے ہیں وہاں کے بعض اشاعتی ادارے ان پوسٹروں کا چربہ تیار کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیتے ہیں۔

ذرائع کے مطابق ان پوسٹروں کے خریداروں میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں تاہم اکثریت منچلوں کی ہوتی ہے۔ چند دن قبل راقم الحروف کی ملاقات یونیورسٹی کے چند طلباء و طالبات سے ہوئی جو پوسٹروں کی خریداری کے لیے ایک آرٹ گیلری میں آئے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ "وہ ہیجان انگیز پوسٹرز اور تصاویر کیوں خریدتے ہیں؟ ایک طالب علم نے یہ جواب دیا: یورپین اور انڈین معاشرے کی جیتی جاگتی تصاویر ہماری ثقافت کا حصہ بنتی جارہی ہیں۔ پاکستانی اور انڈین فلمیں دیکھ دیکھ کر ہمارے اندر ان اداکاراؤں سے ملنے کی خواہش جاگ اٹھتی ہے۔ ہم اپنی یہ خواہش ان کے پوسٹر خرید کر پوری کرتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے ہوسٹل کا دورہ کریں تو وہاں ہر کمرے میں ان کے پوسٹرز نظر آئیں گے۔ جبکہ ایک طالبہ نے کہا کہ طالبات کے ہوسٹلز میں بھی پوسٹروں کی بہار چھائی رہتی ہے مگر وہاں آپ کو بے حیائی نظر نہیں آئے گی۔ باذوق طالبات ایسے پوسٹروں کا انتخاب کرتی ہیں جس میں مشرقی ثقافت کے رنگ نمایاں ہوں۔ طالبہ کا جواب سن کر دکاندار نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ بعض طالبات تو اشاروں اور کنایوں سے ایسے پوسٹرز ڈیمانڈ کرتی ہیں جو ہم کھلے عام نہیں بیچ سکتے اور بھی پوسٹرز فروخت کرنے والوں کا یہی کہنا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کا ذوق و شوق اس قدر انوکھا ہو گیا ہے کہ ان کو سٹفی گراف' سبائینی اور انڈین اداکاراؤں کے اخلاقی حدوں سے تجاوز کرنے والے عریاں پوسٹروں کے سوا کچھ نہیں بھاتا۔

ان اوپن ایئر آرٹ گیلریوں کے علاوہ ہمارے ملک کے اکثر اخبارات اور جرائد میں فلمی اداکاراؤں کے قیامت خیز پوز چھاپے جاتے ہیں۔ غیر ملکی فلموں کی تصاویر تو بہت زیادہ عریاں ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان پر آڑی ترچھی لکیریں یا نقطے لگا کر انہیں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس کا اُلٹا اثر ہوتا ہے' سسپنس بڑھتا ہے اور جس فرد نے انہیں نہیں دیکھنا ہوتا وہ بھی انہیں غور سے دیکھتا ہے اور اصل تصویر کے خدوخال ابھارنے کی کوشش کرتا ہے۔ بڑے اخبارات کے ذریعے غیر ملکی اور پاکستانی اداکاراؤں کی تصویریں اور خبریں چھپتی ہیں جنہیں نوجوان کمروں میں لگاتے ہیں یا کتابوں کاپیوں کے کور پر سجاتے ہیں۔(36)

ایک اور افسوسناک بات دیکھنے میں آئی ہے کہ عید الفطر کے موقع پر بکنے والے

عید کارڈ ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر بھارت کی معروف اداکاراؤں کے فحش پوز چھپے ہوتے ہیں اور وہ تمام مقامی عید کارڈوں سے بہت سستے ہوتے ہیں' لہٰذا ننھے طالب علم بھی بغیر سوچے سمجھے خرید کر اپنے بستے میں رکھ لیتے ہیں اس طرح معصوم ذہن گندگی جذب کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں بھی دیگر ممالک کی طرح تصویری فحاشی کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ اخباروں اور رسالوں میں چھپنے والی عریاں تصاویر' فٹ پاتھوں پر بکنے والے چھوٹے بڑے پوسٹرز اور عید کارڈوں پر چھپی ننگی تصاویر کے علاوہ تاش کے پتوں پر بنی عریاں تصویریں اور بیرون ملک سے آنے والی نہایت قابل اعتراض کتابیں اور جرائد بھی تصویری فحاشی کو فروغ دے کر نوجوان نسل کا ذہن پراگندہ کر رہے ہیں۔

فحش تصاویر اور عریاں فوٹوگراف نوجوانوں میں جنسی بغاوت پیدا کرنے کے لیے ایک بڑے محرک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کے لاکھوں کی تعداد میں البم تیار کیے جاتے ہیں اور انہیں بازاروں' ہوٹلوں' مدرسوں اور کالجوں تک پھیلایا جاتا ہے۔ ایسے فوٹوگراف کے مضر اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے امیل پوریسی اپنی ایک رپورٹ میں لکھتا ہے: یہ گندے فوٹوگراف لوگوں کے حواس میں شدید ہیجان و اختلال برپا کرتے ہیں اور اپنے بدقسمت خریداروں کو ایسے ایسے جرائم پر اکساتے ہیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں پر ان کا تباہ کن اثر حد بیان سے زیادہ ہے۔ بہت سے مدرسے اور کالج انہی کی بدولت برباد ہو چکے ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کے لیے تو کوئی چیز اس سے زیادہ غارت گر نہیں ہو سکتی۔ (37)



# اخبارات و جرائد

جن کی تشہیر سے بھی ہوتی ہو ترغیب گناہ
ان سے اخبار کے صفحے بڑے ہوتے ہیں سیاہ
چاہے کتنی بھی ہو شفاف' وہ میلی ہوگی
ایسی خبروں پہ پڑے گی جو حیادار نگاہ

پاکستان میں رسائل اور اخبارات جو انگریزی' اردو کے علاوہ علاقائی زبانوں میں بھی شائع ہوتے ہیں فحاشی اور بے راہ روی کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ اخبارات و جرائد میں فحش تصاویر کا ذکر ضمناً گزشتہ باب میں کیا جا چکا ہے۔ تاہم بے راہ روی کے پھیلاؤ کے حوالے سے ان کا قدرے تفصیلی تذکرہ ناگزیر ہے۔

اخبارات میں اشتہارات کی بھرمار ہوتی ہے جن میں فلموں اور تھیٹر میں چلنے والے ڈراموں کی تصاویر عریانی کا پہلو لیے نوجوانوں کو متوجہ کرتی ہیں۔ نوجوان لڑکے ان صفحات کو بار بار للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ماڈلز کی تصاویر خاصی پرکشش ہوتی ہیں اور نوعمر لڑکیاں اس میں گہری دلچسپی لیتی ہیں۔ بعض ہفت روزہ میگزینوں میں سنٹر کے صفحات فیشن کے لیے مخصوص ہیں۔

کسی اداکارہ یا ماڈل لڑکی کی کسی بوتیک اور جیولر کے تعاون سے تصاویر بنائی جاتی ہیں اور اسے حسن و جمال کا نمونہ ثابت کیا جاتا ہے۔ ان کے ذریعے نت نئے زیورات اور ملبوسات سے عوام کو متعارف کرایا جاتا ہے۔ اس طرح گھر بیٹھے ہی لڑکیاں فیشن سے واقف

ہو جاتی ہیں۔ ہر وقت اپنے آپ کو سنوارنے اور خوبصورت بنائے رکھنے کا شوق طالبات کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔

میگزین کے سرورق پر بھی کسی اداکارہ یا ماڈل کی بڑی سی تصویر ہوتی ہے جبکہ ان میگزین کے اندر کے چند صفحات فلم' ٹیلی ویژن اور سٹیج کے اداکاروں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ ان میں اشتعال اور اختلال کا پورا پورا سامان موجود ہوتا ہے۔

فروخت میں اضافے کے لیے اخبارات و جرائد جس طرح فحش اور ناشائستہ تصاویر شائع کر رہے ہیں اسی طرح فحش مضامین شائع کرنے میں بھی وہ ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک ماہنامہ اخبارات و جرائد میں فحش تصاویر اور مضامین کی بڑھتی ہوئی اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"فحاشی اور عریانی پھیلانے میں جہاں تک دوسرے ذرائع ابلاغ کردار ادا کر رہے ہیں وہ اپنی جگہ' لیکن جتنا اہم کردار موجودہ اخبارات اور کچھ رسائل ادا کر رہے ہیں وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ہر روز اخبارات میں عورتوں کی رنگین اور بے ہودہ تصاویر مختلف نام نہاد عنوانات کے تحت مثلاً لباس' ثقافتی شو' مینا بازار' مقابلہ حسن' نمائش اور بسنت وغیرہ کے نام پر دی جاتی ہیں۔ تصاویر عموماً ایسے لباس پہنا کر لی جاتی ہیں کہ مستور اعضاء کی بھرپور نمائش ہو سکے تاکہ ایسی تصاویر دیکھتے ہی نوجوانوں میں جنسی ہیجان پیدا ہو۔ (38)

اخبارات و جرائد مقابلے کی موجودہ فضا میں دین' ایمان اور اسلام کی دھجیاں بکھیرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ صفحہ اوّل پر حدیث یا قرآنی آیت کسی کونے کھدرے میں لکھ کر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دے دیتے ہیں' لیکن ہر صفحہ اور خصوصی طور پر ایک سفارتی تقریب میں شامل خواتین' انڈین فلموں اور فلمی اداکاراؤں کی نیم عریاں تصاویر ضرور شائع کرکے کسر نکال لیتے ہیں۔ ہفتہ میں بھی خواتین کا صفحہ' فن کاروں کا صفحہ اور ثقافتی صفحہ بھی اسی فحاشی و عریانی کو فروغ دینے کی کوشش نظر آتی ہے۔ اب تو بلاضرورت بھی کسی خوبصورت خاتون کی تصویر شائع کر دی جاتی ہے۔ نیچے لکھا ہوتا ہے "فلاں تقریب میں شریک ایک خاتون۔" (39)

جریدہ مذکورہ اخبارات و رسائل کے اس رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ "جوں جوں اخبارات میں مقابلہ بازی کا رجحان بڑھ رہا ہے ہر اخبار اپنی اشاعت میں

ہو جاتی ہیں۔ ہر وقت اپنے آپ کو سنوارنے اور خوبصورت بنائے رکھنے کا شوق طالبات کی زندگی میں نمایاں نظر آتا ہے۔

میگزین کے سرورق پر بھی کسی اداکارہ یا ماڈل کی بڑی سی تصویر ہوتی ہے جبکہ ان میگزین کے اندر کے چند صفحات فلم، ٹیلی ویژن اور سٹیج کے اداکاروں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ ان میں اشتعال اور اختلال کا پورا پورا سامان موجود ہوتا ہے۔

فروخت میں اضافے کے لیے اخبارات و جرائد جس طرح فحش اور ناشائستہ تصاویر شائع کر رہے ہیں اسی طرح فحش مضامین شائع کرنے میں بھی وہ ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک ماہنامہ اخبارات و جرائد میں فحش تصاویر اور مضامین کی بڑھتی ہوئی اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''فحاشی اور عریانی پھیلانے میں جہاں تک دوسرے ذرائع ابلاغ کردار ادا کر رہے ہیں وہ اپنی جگہ، لیکن جتنا اہم کردار موجودہ اخبارات اور کچھ رسائل ادا کر رہے ہیں وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ہر روز اخبارات میں عورتوں کی رنگین اور بے ہودہ تصاویر مختلف نام نہاد عنوانات کے تحت مثلاً لباس، ثقافتی شو، مینا بازار، مقابلہ حسن، نمائش اور بسنت وغیرہ کے نام پر دی جاتی ہیں۔ تصاویر عموماً ایسے لباس پہنا کر لی جاتی ہیں کہ مستور اعضاء کی بھرپور نمائش ہو سکے تاکہ ایسی تصاویر دیکھتے ہی نوجوانوں میں جنسی ہیجان پیدا ہو۔[38]

اخبارات و جرائد مقابلے کی موجودہ فضا میں دین، ایمان اور اسلام کی دھجیاں بکھیرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ صفحہ اوّل پر حدیث یا قرآنی آیت کسی کونے کھدرے میں لکھ کر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دے دیتے ہیں، لیکن ہر صفحہ اور خصوصی طور پر ایک سفارتی تقریب میں شامل خواتین، انڈین فلموں اور فلمی اداکاراؤں کی نیم عریاں تصاویر ضرور شائع کر کے کسر نکال لیتے ہیں۔ ہفتہ میں کبھی خواتین کا صفحہ، فن کاروں کا صفحہ اور ثقافتی صفحہ بھی اسی فحاشی و عریانی کو فروغ دینے کی کوشش نظر آتی ہے۔ اب تو بلاضرورت بھی کسی خوبصورت خاتون کی تصویر شائع کر دی جاتی ہے۔ نیچے لکھا ہوتا ہے ''فلاں تقریب میں شریک ایک خاتون۔''[39]

جریدہ مذکورہ اخبارات و رسائل کے اس رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ ''جوں جوں اخبارات میں مقابلہ بازی کا رجحان بڑھ رہا ہے ہر اخبار اپنی اشاعت میں

اور زلفیں سیاہ گھٹائیں اور آنکھیں جھیل ہوتیں نا، تو خدا کی قسم شاپ پر ہلچل مچا دیتی۔(41)

''میں شاہدہ کو چھوڑ کر کمرے میں چلا آیا۔ اس دن آدھی رات کو شاہدہ چپکے سے میرے کمرے میں آئی، میں آپ سے بہت خفا ہوں وہ اٹھلائی۔ آپ لوگوں سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں؟ آخر اس میں برائی کیا ہے؟ انگلستان میں لڑکے اس طرح ڈرا نہیں کرتے۔ ہندوستانی واقعی بدھو ہوتے ہیں، بغیر سمجھائے کوئی بات نہیں سمجھتے۔ وہ میرے قریب لیٹ گئی میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا...... شاہدہ میں نے چیخ کر کہا: تم یہاں سے چلی جاؤ ابھی اسی وقت، ورنہ...... لیکن میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ شاہدہ نے بتی بجھا دی اور مجھے دوبارہ کھینچ گیا۔''(42)

''آنے والے نے خبر دی کہ ستار کی ماں نے اپنی بہو کو اس کے عاشق کے ساتھ کھیت سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ ستار کو سوتا چھوڑ کر وہ اپنے عاشق سے ملنے چلی گئی تھی۔ ستار کی ماں کی آنکھ کھل گئی تو اس نے بہو کو گھر میں نہیں دیکھا تو باہر آ گئی۔ وہ کھیتوں سے نکل رہی تھی اور نالہ پھڑ یا ہو یا سی۔ (یعنی آزار بند پکڑا ہوا تھا)۔(43)

''بیگم برلاس ان عورتوں میں سے تھی جسے مرد دیکھیں تو پگھلنے لگتے ہیں، عورتیں دیکھیں تو کباب ہو جاتی ہیں۔ کباب ہونے والی تو بات تھی۔ پتلی کمر، شہابی رنگ، غزالی آنکھیں، چہرے پر وقت کی ایک شکن بھی نہ تھی۔ نہ مسکراتے وقت آنکھیں اور تھوڑی عمر کی چغلی کھاتیں۔ دھلا دھلایا شفاف چہرہ، دل نوازی اور ملاحت الگ۔ مناسب قد اور قیامت خیز جسم کسا کسایا ایسا کہ صرف دو ابھار آگے اور دو پیچھے دکھائی دیتے تھے۔ باقی کہیں فالتو گوشت یا چربی کا قبضہ نہ تھا۔''(44)

یہ تحریریں آج سے بیس پچیس سال پہلے کی ہیں۔ اب تو ان جرائد نے ایسی تحریریں لکھنے میں بہت زیادہ ترقی کر لی ہے۔ موجودہ تحریریں پہلی تحریروں کی نسبت کئی گناہ زیادہ فحش اور ہیجان انگیز ہیں۔ حتیٰ کہ نہایت سنجیدہ باتیں بھی شرمناک انداز میں شائع کی جاتی ہیں۔ مثلاً ماہنامہ ''چترالی'' میں آپ کا ہومیو پیتھک' کے عنوان سے ایک کالم شائع ہوتا ہے۔ اس کالم میں جس قسم کے مشورے طلب کیے جاتے ہیں یا جس قسم کے ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں! اف اللہ معافی۔

مثلاً صائمہ اعوان مظفر آباد سے لکھتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب تھوڑا عرصہ ہوا میری منگنی اپنے کزن سے طے پائی ہے، لیکن شادی میں ابھی بہت دیر ہے۔ میں نے اتفاق سے ایک

دن اپنے کزن کو حالت غیر میں دیکھا تو مجھے پریشانی ہوئی کہ شادی کے بعد کہیں میری...... زیادہ زخمی نہ ہو جائے۔ میں نے اپنی ایک بہت ہی بے تکلف سہیلی جس کی تھوڑا عرصہ پہلے شادی ہو چکی ہے اس پریشانی کا اظہار کیا۔ میری دوست نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ ڈرنے اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کیا میری دوست درست کہتی ہے کہ شادی کے بعد مجھے کوئی پریشانی نہ ہو گی؟

جواب: آپ کی دوست نے آپ کو جو باتیں بتائیں ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ شادی کے بعد خوب لطف اٹھائیں گی اور آپ کا خوف خود بخود زائل ہو جائے گا۔

اسی طرح مسز ایس کراچی سے پوچھتی ہیں کہ ''ڈاکٹر صاحب میری شادی کو دو سال ہوئے ہیں۔ میرا شوہر جنسی طور پر بہت کمزور ہے اور اس کا جسم نرم ہی رہتا ہے صرف معمولی سا انتشار ہوتا ہے اور میں ویسی ہی رہتی ہوں۔ برائے کرم کوئی اچھا سا نسخہ بتائیں؟

محترمہ شگفتہ ڈیرہ غازی خاں سے مشورہ طلب کرتی ہیں: ڈاکٹر صاحب میرا بایاں بریسٹ دائیں بریسٹ سے بڑا ہے اور مسلسل بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ پلیز کوئی ایسی دوا بتائیں وہ بڑا بریسٹ دوسرے کے برابر ہو جائے۔

محترم اے ڈی چشتی صاحب ملتان سے لکھتے ہیں: چترال میں آپ کا ہومیو پیتھک کالم پڑھ کر دل کو بہت تسلی ہوئی' کیونکہ میں کسی بھی ڈاکٹر کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میرا علاج بھی ہو جائے۔ بات یہ ہے کہ مجھے 14 سال کی عمر سے ہی خود لذتی کی عادت پڑی ہوئی ہے جس کی وجہ سے جسم کمزور اور نرم پن محسوس ہوتا ہے۔ کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیں جس سے مجھے شرمندگی نہ ہو۔''(95) اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خرافات مذکورہ رسائل و جرائد کا موضوع ہیں جن پر مزید تبصرہ مضمون کی طوالت کے پیش نظر ممکن نہیں۔

اخبارات اور جرائد کے علاوہ ناول اور افسانوں کی بہت سی کتب ایسی ہیں جن سے جنسی تحریک کو قوت ملتی ہے۔ سفر ناموں میں یورپ کے اکثر عشرت کدوں اور جنسی لذت گاہوں کا بیان بڑی تفصیل سے کیا جاتا ہے۔ محترم لال دین قریشی نے تو باقاعدہ ''سویڈن کے عشرت کدوں پر ایک مکمل کتاب لکھ ڈالی ہے۔ ان کے علاوہ نوجوانوں کے سفلی جذبات بھڑکانے کے لیے بعض نام نہاد مصنفین ایسی جنسی کتب چھاپ رہے ہیں جو سر عام بس سٹاپوں'

ریلوے اسٹیشنوں اور دیگر عوامی اجتماعات کے مقامات پر حکام کے سامنے فروخت کی جا رہی ہیں۔ یہ سب کتابیں انتہائی فحش اور پورنوگرافی کا عمدہ شاہکار ہیں جنہیں نوجوان دھڑا دھڑ خرید کر پڑھ رہے ہیں اور جنسی مریض بن رہے ہیں۔ ایسی کتب کے متعلق ایک موقر جریدے کا بیان ہے کہ ''عوامی جگہوں پر بے شمار اخلاق سوز کتب شوکیسوں میں پڑی ہوتی ہیں۔ نوجوان جن پر مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہے ہوتے ہیں۔ بھلا آپ ہی بتائیں کہ ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد ان نوجوانوں کے اخلاق کی تعمیر ہوگی یا تذلیل۔''(46)



# خاندانی منصوبہ بندی

ضبط ولادت کا اصل مقصد نسل کی افزائش کو روکنا ہے۔ قدیم زمانے میں اس کے لیے عزل، اسقاط حمل، قتل اولاد اور برہم چریہ (ضبط نفس) کے طریقے اختیار کیے جاتے تھے۔ آج کل موخر الذکر دونوں طریقوں کو ترک کر دیا گیا ہے اور ان کی بجائے یہ طریقہ ایجاد ہوا ہے کہ جنسی ملاپ تو کیا جائے مگر دواؤں یا آلات کے ذریعے استقرار حمل کو روک دیا جائے۔ اسقاط حمل کا طریقہ بھی کثرت کے ساتھ یورپ اور امریکہ میں رائج ہے۔ لیکن برتھ کنٹرول کی تحریک صرف مانع حمل تدابیر پر زور دیتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ان تدابیر کا علم اس قدر عام کر دیا جائے اور ان کے ذرائع اس کثرت کے ساتھ فراہم کیے جائیں کہ ہر بالغ مرد اور عورت اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔[97]

یورپ میں اس تحریک کی ابتداء اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہوئی۔ اس کا پہلا محرک غالباً انگلستان کا مشہور ماہر معاشیات مالتھوس تھا۔ اس کے عہد میں انگریز قوم کی آبادی تیزی سے بڑھنی شروع ہوئی تو اسے فکر لاحق ہوئی کہ اگر آبادی اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو زمین ان کے لیے تنگ ہو جائے گی، وسائل معاش کفایت نہ کر سکیں گے اور افزائش نسل کے ساتھ معیارِ زندگی پست ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا نسلِ انسانی کی خوشحالی آسائش اور فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے کہ اس کی افزائش، وسائل معاش کی وسعت کے ساتھ متناسب رہے۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک زور پکڑتی گئی اور آج یہ تحریک ساری دنیا میں پھیلی چکی ہے۔

اس تحریک کا دنیا کو اتنا معاشی فائدہ نہیں ہوا جتنا اخلاقی نقصان ہوا ہے۔ مولانا

مودودی نے اس تحریک کے متعلق لکھا ہے کہ ''اس تحریک کو عملاً کامیاب کرنے کے لیے جب ضبط ولادت کے طریقوں کا علم عام طور پر پھیلایا جائے گا اور اس کے ذرائع عام لوگوں کی دسترس تک پہنچا دیے جائیں گے تو کسی کے پاس بھی اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اس علم سے اور ان ذرائع سے صرف شادی شدہ جوڑے ہی استفادہ کریں گے' بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ شادی شدہ زوجین اس سے اتنا فائدہ نہ اٹھائیں گے جتنا بن بیاہے دوست اٹھائیں گے اور اس سے زنا کو فروغ نصیب ہوگا۔''(48)

مودودی صاحب کا یہ خدشہ بالکل درست نکلا ہے۔ اب پاکستان میں بھی اس تحریک کی بدولت بے راہروی اس قدر عام ہوگئی ہے کہ جو پہلے کبھی نہ تھی۔ کالج کی طالبات اپنے بیگ میں کتابوں کے ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کا سامان بھی رکھتی ہیں جبکہ عام کنواری لڑکیاں اپنے پرس میں اس سامان کو بہت ضروری ایٹم تصور کرتی ہیں۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ بن بیاہی لڑکیوں کے پاس ایسے سامان کی موجودگی کا مقصد کیا ہے؟ اس تحریک کا یہی اعجاز ہے کہ کنواری لڑکیاں شادی شدہ عورتوں کی نسبت زیادہ جنسی علم رکھتی ہیں اور جنسی عمل میں بھی ان سے زیادہ پختہ اور تجربہ کار ہیں۔

اس تحریک کے منفی اثرات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود پاکستان میں اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے سر توڑ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ضبط ولادت کے طریقوں کا علم گھر گھر پھیلایا جا رہا ہے اور اس کے ذرائع عام لوگوں کی دسترس تک پہنچانے کا بندوبست بڑی مستعدی سے کیا جا رہا ہے۔ خصوصاً بینظیر بھٹو کے دورِ حکومت میں اس تحریک کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ 1994ء کے اواخر میں اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے تقریباً ایک لاکھ لیڈی ہیلتھ ورکرز کو بھرتی کیا گیا۔ جو گاؤں گاؤں مردوں اور عورتوں کو کنڈوم سمیت ضبط ولادت کے دوسرے طریقوں کے استعمال کی تعلیم دے رہی ہیں۔

لیڈی ہیلتھ ورکرز (Lady Health Workers) کی اس فوج میں بھرتی کے لیے بنیادی شرائط صرف یہ ہیں کہ امیدوار کی عمر اٹھارہ سال ہو جس میں اکثر صورتوں میں رعایت کر کے کم عمر لڑکیوں کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ شادی شدہ ہونا چونکہ بنیادی شرائط میں شامل نہیں اس لیے اکثر لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں۔ مانع حمل اشیاء اور ادویات انہیں گھر بیٹھے پہنچائی جاتی ہیں جن کی گھر گھر تقسیم ان کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ یہ نوعمر لڑکیاں گھروں، گلی

کوچوں اور چوپالوں میں جا کر مردوں اور عورتوں کو مانع حمل طریقوں کی تعلیم و تربیت دیتی ہیں۔ ہدایات برائے لیڈی ہیلتھ ورکرز کے باب نمبر 6 کے صفحہ 16 پر کنڈوم کے زیر عنوان تمام ضروری تفصیلات درج ہیں اور لڑکیوں سے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ کنڈوم کا استعمال کوئی مشکل نہیں صرف اس کی مشق کی ضرورت ہے۔ آبادیوں میں دوسری مانع حمل اشیاء کے ساتھ ساتھ کنڈوم کی تقسیم بھی ان لڑکیوں کے سپرد کر دی گئی ہے۔ (49)

ان لیڈی ہیلتھ ورکرز کے لازمی فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے سکولوں میں جا کر ان کو بنیادی صحت، خاندانی منصوبہ بندی اور مانع حمل اشیاء کے استعمال کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔ چنانچہ ہدایت نامہ میں دی گئی ماہانہ رپورٹ میں ''طبی تعلیمی اجتماع'' کے نام سے ایک الگ خانہ بنایا گیا ہے جس میں طبی تعلیمی لیکچروں کی تعداد درج کی جاتی ہے جو سکولوں کے طلباء و طالبات کو مانع حمل ذرائع کے استعمال سے آگاہ کرنے کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ ان طبی تعلیمی اجتماعات میں اپنا پیغام پہنچانے کے لیے بات چیت، ڈیمانسٹریشن، تحریری مواد، اجتماعی لیکچر اور بحث، سمعی و بصری امدادی اشیاء کا استعمال، پریکٹیکل ورک اور اس میں شرکت کے طریقے بیان کیے جاتے ہیں۔

''ہدایت برائے لیڈی ہیلتھ ورکرز'' کے تیسرے باب کے صفحہ 3 پر لیڈی ہیلتھ ورکرز کی حیثیت سے مامور کی جانے والی ان نوعمر لڑکیوں کو مردوں اور عورتوں سے موثر شخصی رابطے کے گر اور طور طریقے اس طرح بیان کیے گئے ہیں: ''صاف ستھرا لباس اور شخصیت کو سنوارنا، چہرے اور جسمانی حرکات سے توجہ اور ہمدردی کا اظہار کرنا، باقاعدگی سے ان گھروں میں دوبارہ جانا وغیرہ۔ اس رابطے کو مزید موثر بنانے کے لیے یہ بھی کہا گیا ہے کہ گفتگو کے ساتھ ساتھ مانع حمل اشیاء کی نمائش بھی کریں۔

لیڈی ہیلتھ ورکرز میں زیادہ تعداد دیہاتی لڑکیوں کی ہے۔ دیہی علاقوں کی ان حیادار لڑکیوں کو خاندانی منصوبہ بندی کی تربیت دینے کے لیے مخلوط ماحول کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ٹریننگ دینے والی ٹیم تین ارکان پر مشتمل ہوتی ہے جن میں دو ارکان لازماً مرد ہوتے ہیں۔ کلاس میں تین میں سے دو اساتذہ کا ہر وقت موجود رہنا لازم کیا گیا ہے۔ تاکہ کم از کم ایک مرد ہر صورت کلاس میں موجود رہے۔ عورتوں سے متعلق تمام راز داری کے معاملات اور مخصوص مانع حمل ذرائع کی تعلیم کے دوران بھی تربیت کا یہی طریقہ کار نافذ رہتا ہے۔ ایک

مرد استاد کو نوعمر لڑکیوں کے سامنے کنڈوم سمیت دوسرے مانع حمل طریقوں کی تفصیلات بیان کرنے کی ذمہ داری سپرد کرنے کا مقصد آخر اس کے سوا کیا ہے کہ اس ملک سے شرم و حیاء کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ (50)

پاکستان میں دینی اور اخلاقی اقدار پہلے ہی انحطاط کا شکار ہیں۔ سنیما، فحش تصاویر، عریاں لٹریچر اور فحش گانے جنسی محرکات میں روز بروز اضافہ کر رہے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کیے جا رہے ہیں۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو مخلوط تعلیم دی جا رہی ہے، ماحول مکمل طور پر مغرب زدہ بنایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے ایسے رومانی اور رنگین ماحول میں زنا کے راستے میں بس ایک ہی آخری رکاوٹ باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے ناجائز حمل کا خوف۔ اگر یہ بھی دور کر دیا جائے تو بتائیں نوجوان نسل کو بدکاری سے بچانے کے لیے کون سا طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے؟ یقیناً کوئی ایسا طریقہ نظر نہیں آتا جو ان کو زنا سے باز رکھ سکے۔ (51) یہی وجہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے نوجوان کنواری لیڈی ہیلتھ ورکرز خود بھی خراب ہو رہی ہیں اور نوجوان نسل کو بھی خراب کر رہی ہیں۔

## عورتوں کی خرید و فروخت

عورتوں کی تجارت بھی بے راہ روی کا ایک بڑا سبب ہے کیونکہ ایک عورت جس کے بار بار دام وصول کیے جائیں اس کی عزت کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔ عورتوں کی خرید و فروخت کا فعل عورت کی عصمت فروشی سے زیادہ قبیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ عصمت فروشی میں عورت صرف اپنی عصمت فروخت کرتی ہے جبکہ عورت فروشی میں وہ خود کئی بار فروخت ہوتی رہتی ہے۔

دنیا کا شاید کوئی بھی ملک ایسا نہیں جہاں کسی نہ کسی شکل میں عورتوں کی خرید و فروخت نہ ہو رہی ہو۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق دنیا بھر میں مختلف قدیم و جدید طریقوں سے ہر سال 65 لاکھ عورتوں کی خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ پاکستان میں مختلف شکلوں میں ہر سال کم و بیش 50 ہزار عورتیں فروخت کر دی جاتی ہیں۔ بعض عورتیں بار بار بکتی رہتی ہیں۔ بہت سے تاجر ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ انہیں دوبارہ اپنے جال میں پھانس لیتے ہیں۔

''حالیہ دنوں میں پاکستان میں عورتوں کی تجارت کی منڈیاں بڑی تیزی سے پھیلی ہیں۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق اس وقت پاکستان میں 2 لاکھ کے قریب بنگلہ دیشی لڑکیاں موجود ہیں۔ جنہیں دلالوں نے سامانِ تجارت بنا رکھا ہے۔ ان کے علاوہ سری لنکا' برما اور بھارت سے بھی لڑکیاں سمگل کر کے لائی جاتی ہیں۔ کچھ لڑکیوں کی مقامی ضروریات میں کھپت ہو جاتی ہے جبکہ بیشتر کو سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ کے دوسرے ممالک میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ غریب لڑکیوں کو فردوس بریں کے سہانے خواب دکھا کر لایا جاتا ہے اور پاؤں کی ٹھوکر سے انہیں جہنم میں دھکیل دیا جاتا ہے۔(52)

کراچی بنگلہ دیشی لڑکیوں کی خرید و فروخت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ بقول معروف صحافی زاہدہ حنا: ''اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی کہ ہمارے شہر کراچی میں مظلوم و بے بس لڑکیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار اپنے پورے عروج پر ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کراچی الف لیلیٰ کا بغداد بن گیا ہے جہاں بازاروں میں کنیزیں برسرِعام فروخت ہوتی تھیں۔

معروف ناول نگار محترمہ بشریٰ رحمن نے بھی اپنی کتاب چادر' چاردیواری اور چاندنی میں لکھا ہے کہ ''کراچی اور کولمبو کے درمیان عورتوں کی خرید و فروخت کا وہی ازلی گھناؤنا کاروبار شروع ہو چکا ہے۔ چند روز قبل سری لنکا کی 135 عورتیں برآمد کی گئیں جنہیں عصمت فروشی کے لیے پاکستان لایا گیا۔''(53) پاکستان کے محکمہ داخلہ کی ایک رپورٹ کے مطابق بھارت کے راستے پاکستان داخل ہونے والے بنگلہ دیشی مردوں اور عورتوں کی تعداد 6 لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ پاکستان کے مختلف خفیہ اداروں نے محکمہ داخلہ کو اطلاعات بہم پہنچائی ہیں' ان کے مطابق گزشتہ چند سالوں میں جو بنگلہ دیشی پاکستان آئے ہیں' ان کی اکثریت کراچی میں آباد ہے۔ ان لوگوں نے کراچی کے علاقوں موسیٰ کالونی' گوہر آباد' گل بہار' نیو کراچی' بلال کالونی' ضیاء الحق کالونی' گلزار ہجری' لانڈھی' ابراہیم حیدری' کورنگی اور محمود آباد میں اپنی کچی بستیاں اور گھر بنا لیے ہیں۔ یہاں سے بنگالی عورتوں کو نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی فروخت کر دیا جاتا ہے۔

کراچی اگرچہ عورتوں کی تجارت کا بڑا مرکز ہے تاہم اس کی شاخیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ قربان انجم نے لکھا ہے کہ ''بنگلہ دیش سے ناجائز طور پر بھارت اور

پاکستان سمگل کی جانے والی عورتوں میں بہاری بھی شامل ہیں۔ یہ بدنصیب عورتیں بالعموم تحصیل شکر گڑھ ضلع سیالکوٹ کے راستے پاکستان میں داخل ہوتی ہیں اور لاہور' فیصل آباد' گجرات' راولپنڈی اور جہلم کے علاقوں میں رہائش اختیار کر لیتی ہیں۔ جو لوگ قصور کے نزدیک سے سرحد عبور کرتے ہیں وہ رائے ونڈ' کوٹ رادھا کشن' کھڈیاں' کاہنہ' بھائی پھیرو' چھانگا مانگا' راجہ جنگ اور پتوکی میں مقیم ہو جاتے ہیں۔ ان لڑکیوں نے بتایا کہ بھارتی رینجرز اور سیکورٹی فورسز کے جوان ان کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اور بعد میں سرحد پار کرا دیتے ہیں(54)۔'' کنگن پور اور لاہور کے درمیان بہت سے ایسے ڈیرے ہیں جنہیں بہاری اور دوسری بنگالی لڑکیوں کی منڈیاں کہا جا سکتا ہے۔

ہفت روزہ تکبیر نے عورتوں کی خرید و فروخت کے متعلق لکھا ہے کہ ''ڈیرہ غازی خان کے شہری اور قبائلی علاقوں میں سینکڑوں عورتیں اور لڑکیاں بااثر زمینداروں' سرداروں اور جرائم پیشہ افراد کی داشتہ بن کر زندگی گزار رہی ہیں۔ ان عناصر نے اپنے علاقے میں خواتین اور مرد کارندے چھوڑ رکھے ہیں' جو بے سہارا عورتوں کو دوستی کی آڑ میں مدد اعانت اور نوکری وغیرہ کا سبز باغ دکھا کر سردار اور زمینداروں کے حوالے کر دیتے ہیں اور معقول معاوضہ پاتے ہیں۔ یہ سردار مظلوم عورتوں کو رکھیل بنا لیتے ہیں۔ جسے وہ اپنے شرف اور بڑائی کے اظہار کے لیے نہایت ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف خود کئی رکھیل' داشتائیں اور بیویاں رکھتے ہیں بلکہ ان مظلوم عورتوں کو دیگر سرداروں اور اپنے دوست احباب کو تحفۃً بھی بخش دیتے ہیں اور اپنے خاص مہمانوں کی خدمت میں داد عیش دینے کے لیے بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک بھیانک حقیقت ہے کہ اس علاقے میں عورت کی خرید و فروخت ایک باقاعدہ کاروبار بن چکا ہے اور آج مقامی عام بلوچ خاندانوں میں بھی یہ مذموم روایت عام ہوتی جا رہی ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ اس معاشرہ میں عورت کو منقولہ جائیداد تصور کیا جاتا ہے۔ خرید و فروخت کے لیے لائی جانے والی عورتوں میں بالائی پنجاب' افغانستان اور بنگلہ دیش کی عورتیں شامل ہوتی ہیں۔''(55)

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق اندرون لاہور شہر کے مختلف مقامات پر 70 ایسے ڈیرے بازار گناہ کی شکل اختیار کر چکے ہیں جہاں بھارت اور بنگلہ دیش سے آنے والی عورتوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ یہ ڈیرے یکی گیٹ' دہلی گیٹ' اکبری گیٹ' لنڈا بازار' گمٹی بازار'

لوہاری گیٹ' کشمیری بازار' شہید گنج بازار' اکبری منڈی اور اس علاقہ میں موجود بعض ہوٹلوں میں قائم کیے گئے ہیں۔ ان ڈیرے داروں کو خفیہ ایجنسیوں کے بعض اہلکاروں کا بھی تعاون حاصل ہے۔ اکثر بڑے اور مہنگے ڈیروں پر قانون نافذ کرنے والے اہلکار ان لڑکیوں کے ساتھ اپنی راتیں رنگین کرتے ہیں۔(56)

''ملک میں بعض ایسی جگہوں کا انکشاف بھی ہوا' جہاں باقاعدہ لڑکیوں کی نیلامی ہوتی ہے۔ ان میں ایک ایسی ہی جگہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے جس کا نام ''درازندے'' ہے۔ بٹ بستی' درخاں اور گرہ عبداللہ جیسی جگہوں سے لڑکیوں کو لا کر یہاں فروخت کیا جاتا ہے۔ قیمت عام طور پر 30 سے 40 ہزار کے درمیان ہوتی ہے لیکن نہایت حسین لڑکیوں کی قیمت لاکھوں روپے وصول کی جاتی ہے۔ ژوب اور دیگر مقامات سے آنے والے افراد ان لڑکیوں کے خریدار ہوتے ہیں۔(57)

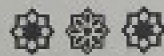
## چند بکنے والی عورتوں کی کہانی خود ان کی زبانی

مردان کی ایک 16 سالہ خوبرو پٹھان لڑکی ریحانہ خانم نے اپنے بار بار فروخت ہونے کی داستان اس طرح سنائی: ''میں 11 سال کی تھی کہ ایک دن موضع تتلے عالی گوجرانوالہ کا ایک شخص سلامت علی اور موضع کھیالی کی ایک عورت تاج بی بی ہمارے گاؤں موضع کھوئی برماؤل ضلع مردان ہمارے گھر آئے اور میرے والد منیر خاں اور والدہ حسن آرا کو 14 ہزار روپے دے کر مجھے خرید لیا اور اپنے ہمراہ لے آئے۔ یہ دونوں پشاور اور مردان سے بہت سے لڑکیاں پنجاب لا کر فروخت کر چکے ہیں۔ سلامت سال بھر میرے نابالغ جسم سے کھیلتا رہا جب دل بھر گیا تو اس نے مجھے سیالکوٹ کے موضع مراکیوال میں ایک شخص صدیق کے ہاتھ 70 ہزار روپے میں بیچ دیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ صدیق سے میرا نکاح ہوا ہے یا نہیں البتہ وہاں میں نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ اس کے بعد صدیق نے مجھے 50 ہزار کے عوض موضع نکی ماڑی کے نور دین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ میں پھر سے نیلام ہونے والی ہوں تو میں گھر سے بھاگ نکلی اور محمد نواز کی وساطت سے عدالت میں پہنچ گئی۔''(58)

اوکاڑہ کی ایک لڑکی حاجراں بی بی نے بتایا کہ حاجی تاج بودلہ اپنے چار ساتھیوں کی مدد سے مجھے اغوا کر کے اپنی حویلی لے گئے اور 17 روز تک زیادتی کرتے رہے' بعد ازاں مجھے

انہوں نے اپنے گن مین محمد یونس کے ہاتھ 40 ہزار روپے میں فروخت کر دیا' جو مسلسل 6 ماہ تک مجھے جنسی تشدد کا نشانہ بناتا رہا۔ ایک دن آخر موقعہ ملنے پر میں بھاگ آئی[59]۔'' اوکاڑہ ہی کی ایک اور لڑکی نسرین کا کہنا ہے کہ نواحی گاؤں بصیر پور کی شمیم اختر نے مجھے اپنے شوہر اور بیٹے بیٹیوں کی مدد سے اغوا کر لیا اور کراچی لے گئے جہاں انہوں نے مجھے محمد علی بلوچ کو فروخت کر دیا جو پنجاب کی لڑکیوں کو خرید کر مختلف اڈوں پر جسم فروشی کراتا ہے[60]۔ جس طرح بنگلہ دیش یا دیگر ہمسایہ ممالک کی غریب لڑکیوں کو اچھی ملازمت کا جھانسہ دے کر پاکستان لایا جاتا ہے' بالکل اسی طرح پاکستانی لڑکیوں کو بھی اچھی ملازمت کا جھانسہ دے کر عرب ممالک میں بھیج دیا جاتا ہے اور وہاں انہیں فروخت کر دیا جاتا ہے یا ان سے عصمت فروشی کا دھندہ کرایا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل لاہور میں دو نوجوان لڑکیاں ایک گروہ کے چنگل سے فرار ہو کر اپنے گھر پہنچ گئیں۔ نسرین نور اور نسرین صدیق نے ڈپٹی کمشنر لاہور کے روبرو اپنا بیان قلم بند کراتے ہوئے بتایا: ''پاکستان میں بردہ فروشوں کا ایک ایسا گروہ کام کر رہا ہے' جو نوجوان لڑکیوں کو عرب ممالک میں ملازمت کا جھانسہ دے کر یہاں سے لے جاتا ہے اور پھر ان لڑکیوں کو ایک ایسے پراسرار مکان میں پہنچا دیا جاتا ہے جہاں عام آدمی کی رسائی ممکن نہیں' اور پھر ان لڑکیوں کو بدکاری کی خاطر ایک محل سے دوسرے محل تک فروخت کیا جاتا ہے۔ ان لڑکیوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ پاکستان میں جن لڑکیوں کی گمشدگی' اغوا کی خبریں اور تصویریں شائع ہوتی ہیں ان میں سے اکثر لڑکیاں ان پراسرار محلوں کی زینت بنی ہوتی ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اس گروہ میں پاکستان کے بعض بڑے بااثر افراد بھی شامل ہیں' جن کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کی پشت پناہی حاصل ہے۔



# حواشی

(1) ''مون ڈائجسٹ'' جولائی 1993ء

(2) ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 6 جولائی 1989ء

(3) ''نوائے وقت'' لاہور' مورخہ 5 مئی 1992ء

(4) ''نوائے وقت'' سنڈے میگزین' 13 جون 1999ء

(5) ''ماہنامہ تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان'' مارچ 1995ء

(6) ''فلم' ٹی وی' وی سی آر ایک شرعی جائزہ'' مولانا عبدالمظفر

* ''کاما سوترا'' Kama Sutra دراصل جنس کے موضوع پر سنسکرت زبان میں لکھی ہوئی ایک قدیم کتاب ہے' جس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ راقم نے بھی اس کتاب کا انگلش ایڈیشن پڑھا ہے۔ کتاب کا مصنف ایک ہندو سادھو جس کا نام "Vatsyayam" ہے۔ ''کاما سوترا'' کا اردو ترجمہ ''نگارشات'' پبلشرز لاہور نے شائع کیا ہے۔

(7) روزنامہ پاکستان' لاہور' مورخہ 7 نومبر 1996ء

(8) روزنامہ پاکستان' لاہور' مورخہ 19 اکتوبر 1996ء

(9) روزنامہ جنگ' لاہور' مورخہ 9 مارچ 1996ء

(10) ماہنامہ چترالی' لاہور' نومبر 1997ء

(11) ماہنامہ ''تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان'' فروری 1998ء

(12) ''مون ڈائجسٹ'' اپریل 1992ء

(13) سنڈے میگزین ''خبریں'' 30 جون 2002ء

(14) ماہنامہ چترالی' لاہور' اپریل 1998ء

(15) تفصیل ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 7 مئی 1998ء

(16) روزنامہ ''جنگ'' راولپنڈی' جمعہ میگزین مورخہ 5 مئی 1992ء

(17) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' مورخہ 4 مارچ 1997ء

(18) ''موون ڈائجسٹ'' اپریل' 1992ء

(19) ''جنگ'' راولپنڈی' جمعہ میگزین' مورخہ 8 مئی 1992ء

(20) ''موون ڈائجسٹ'' اپریل' 1992ء

(21) ''نوائے وقت'' لاہور' مورخہ 13 جولائی 2000ء

(22) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 12 نومبر 1995ء

(23) تفصیل ''ماہنامہ تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان'' ستمبر' اکتوبر 1993ء

(24) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' مورخہ 22 نومبر 1999ء

(25) ''موون ڈائجسٹ'' اپریل 1992ء

(26) ہفت روزہ ''تاجر'' مئی 1986ء

(27) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 25 اکتوبر 1995ء

(28) روزنامہ ''جنگ'' مورخہ 20 فروری 1997ء

(29) روزنامہ ''خبریں'' لاہور' مورخہ 8 دسمبر 1996ء

(30) موون ڈائجسٹ' اپریل 1992ء

(31) ''ماہنامہ تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان'' اگست' 1994ء

(32) روزنامہ ''جنگ'' لاہور' 21 اگست 1997ء

(33) ''ایضاً'' 22 دسمبر 1999ء

(34) ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' 20 تا 26 جولائی 1997ء

(35) ''فیملی میگزین'' 28 فروری تا 6 مارچ' 1999ء

(36) ''ماہنامہ تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان'' نومبر' دسمبر 1993ء

(37) ''پردہ'' از مولانا مودودی' ص 85

(38) ''ماہنامہ تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان'' مارچ 1995ء

(39) حوالہ مذکور' ص 20

(40) ایضاً۔ ص 10

(41) کہانی کا عنوان ''صنم گزیدہ'' خواتین ڈائجسٹ' جنوری 1982ء

(42) کہانی کا عنوان ''اندھیرے کا خوف'' ماہنامہ دلہن' فروری 1982ء

(43) کہانی کا عنوان ''درواپا'' دوشیزہ ڈائجسٹ' دسمبر 1981ء

(44) کہانی کا عنوان ''بیگم برلاس'' ماہنامہ آنچل' اگست 1980ء

(45) ماہنامہ چترالی' جنوری 1998ء

(46) ''ماہنامہ تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان'' مارچ 1995ء

(47) ''اسلام اور ضبطِ ولادت'' از مولانا مودودی' ص 13' 1992ء

(48) ''اسلام اور ضبط ولادت'' ص' 153

(49) ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 4 دسمبر 1997ء

(50) ہفت روزہ ''تکبیر'' مورخہ 4 دسمبر 1997ء

(51) ''اسلام اور ضبطِ ولادت'' مولانا مودودی

(52) ''حوا کی بیٹی بکتی ہے'' قربان انجم لڑکیاں کہانیاں پبلی کیشنز لاہور' ص 31' 1992ء

(53) ''چادر' چاردیواری اور چاندی'' وطن دوست پبلی کیشنز' ص 235' 1995ء

(54) ''حوا کی بیٹی بکتی ہے'' ص 56

(55) ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی' مورخہ 15 اپریل 1997ء

(56) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 14 اپریل 1991ء

(57) ''پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال'' ص 249' 1995ء

(58) روزنامہ ''خبریں'' لاہور مورخہ 25 اپریل 1996ء

(59) روزنامہ ''جنگ'' لاہور مورخہ 6 مئی 1997ء

(60) روزنامہ ''خبریں'' لاہور مورخہ 11 جون 1996ء



# تدارک

# تدارک

جنسی انارکی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن صرف اسلام ہے، جو انسانی زندگی کے دوسرے تمام مسائل کی طرح اس کے مسئلہ جنس کو سب سے زیادہ موزوں اور متوازن طریقے پر حل کرتا ہے۔ عفت و عصمت کے تحفظ کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ آئین و قوانین پیش کیے ہیں جن کا لحاظ و پاس ہر محتاط انسان کے لیے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں ذرا سی غفلت اور کوتاہی انسان کی عفت کو مجروح کر ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ جنسی میلان جو انسان کے خمیر میں پیوست ہے، اس میں کچھ ایسی بربریت اور درندگی ہے جو معمولی سی بے حجابی کو برداشت نہیں کرتی اور موقع پا کر انسان کو ہلاکت میں ڈالنے کے در پے ہو جاتی ہے، پھر شیطان جس نے بنی آدم کی عداوت پر قسم کھا رکھی ہے وہ الگ تاک جھانک میں رہتا ہے اور ناپاک راستہ پر غلط طور پر جذبات کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے بے راہ روی کے تدارک اور عفت و عصمت کے تحفظات کے لیے کچھ ضروری احکام نافذ کیے ہیں۔[1]

ان تحفظات کے متعلق مولانا مودودی لکھتے ہیں: اسلام میں یہ تحفظات تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(1) اصلاح باطن

(2) تعزیری قوانین

(3) انسدادی تدابیر

اصلاح باطن کے ذریعے سے انسان کی تربیت اس طور پر کی جاتی ہے کہ وہ خود بخود اس نظام معاشرت کی اطاعت پر آمادہ ہو خواہ خارج میں کوئی طاقت اس کو اطاعت پر مجبور کرنے والی ہو یا نہ ہو۔ تعزیری قوانین کے ذریعہ سے ایسے جرائم کا سدِ باب کیا جاتا ہے جو اس نظام کو توڑنے اور اس کے ارکان کو منہدم کرنے والے ہیں۔[2]

انسدادی تدابیر کے ذریعہ سے اجتماعی زندگی میں ایسے طریقے رائج کیے گئے ہیں جو سوسائٹی کے ماحول کو غیر طبعی ہیجانات اور مصنوعی تحریکات سے پاک کر دیتے ہیں اور صنفی انتشار کے امکانات کو کم سے کم حد تک گھٹا دیتے ہیں۔ اخلاقی تعلیم سے جن لوگوں کی اصلاح باطن مکمل نہ ہوئی ہو اور جن کو تعزیری قوانین کا خوف بھی نہ ہو ان کی راہ میں یہ طریقے ایسی رکاوٹیں ڈال دیتے ہیں کہ صنفی انتشار کی جانب میلان رکھنے کے باوجود ان کے لیے عملی اقدام بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں یہی وہ طریقے ہیں جو عورت اور مرد کے دائروں کو عملاً الگ کرتے ہیں اور ان حدود کی حفاظت کرتے ہیں جو عورتوں اور مردوں کی زندگی میں امتیاز قائم رکھنے کے لیے اسلام نے مقرر کی ہیں۔''[3]

## (1) اصلاح باطن

اسلام نے اخلاقی تعلیم و تربیت اور اصلاح باطن کے لیے ایک نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس کو اختصاراً بیان کیا جاتا ہے۔

## شرم و حیا

شرم و حیا انسان کی ایسی مخصوص صفت ہے، جو اسے لغزش کے موقع پر سہارا دیتی ہے۔ شریعت میں حیا اس صفت کا نام ہے جو انسان کو ان تمام چیزوں کے چھوڑنے پر ابھارے جو شریعت میں قبیح ہیں اور اسی بنا پر ارشاد نبوی ہے: ''حیا خیر ہی کی موجب ہوتی ہے۔'' جس شخص میں حیا کا فقدان ہوتا ہے وہ بہت جلد گمراہی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

اسلامی اخلاقیات میں حیا کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ اس سے چھوٹا ہوا نہیں ہے۔ چنانچہ تمدن و معاشرت کا جو شعبہ انسان کی جنسی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں بھی اسلام نے اصلاح اخلاق کے لیے اسی چیز سے کام لیا ہے۔[5] حیا عفت و عصمت اور اخلاق کا دامن داغدار کرنے والے امور کو کس طرح کنٹرول کرتی ہے؟ اس کی چند مثالیں

یہ ہیں۔

## بدنظری

بدنظری کو ام الخبائث کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نگاہیں شہوت کی قاصد اور اس کی پیامبر ہیں۔ نگاہیں دل میں تیر کی طرح پیوست ہوتی ہیں اور دلوں کو زخمی اور چھلنی کر کے رکھ دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بدنظری کو آنکھوں کا زنا قرار دیا ہے۔ حدیث نبوی اس کی مخبری اس طرح کرتی ہے: ''آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا ''نظر'' ہے۔'' اسلام نظر بد پر پابندی عائد کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ ذرا اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کو بچائے رکھیں اس میں ان کے لیے پاکیزگی ہے۔[6] حضرت علی سے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی ایک بار نظر پڑ جانے کے بعد پھر دوبارہ نہ دیکھو کیونکہ تمہارے لیے صرف پہلی نظر معاف ہے دوسری نہیں۔[7] حضرت جابرؓ نے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں آپ نے فرمایا: ''فوراً نظر پھیر لو''[8] حضرت علیؓ کا قول ہے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ ''عورتوں کے لیے کونسی چیز بہتر ہے'' تو انہوں نے جواب دیا: ''سب سے بہتر یہ ہے کہ مردوں کی نگاہ سے عورتیں محفوظ رہیں۔''[9]

## نمائشِ حسن

اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ عورتیں بن سنور کر مردوں میں بیباک گھومتی تھیں زینت کی عجیب وغریب تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں دوپٹہ کو اس طرح ڈالتی تھیں کہ سینہ کا ابھار گلے کے زیور کانوں کی بالیاں اور ان کی ہیئت فتنہ سامان ہوتیں مرد اس ادا کو دیکھ کر مسحور ہو جاتے۔ پھر جاہلیت میں عورتیں مٹکتی ہوئی چلتی تھیں اور ان کا بانکپن اور ان کی ادائیں غضب ڈھاتی تھیں۔

اسلام نے عورتوں کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ قرآن نے ان سب کے لیے ایک جامع اصطلاح ''تبرج جاہلیۃ'' استعمال کی ہے۔ ہر وہ زینت اور ہر وہ آرائش جس کا مقصد شوہر کے سوا دوسروں کے لیے لذت نظر بننا ہو تبرج جاہلیت کی تعریف میں آجاتی ہے۔ حکم خداوندی ہے کہ ''جو آرائش ہر بری نیت سے پاک ہو وہ اسلام کی آرائش ہے اور جس میں ذرہ

برابر بھی بری نیت شامل ہو تو وہ جاہلیت کی آرائش ہے۔'' (الاحزاب: 33)۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جاہلیت کے وقت میں دکھانے کا جو دستور تھا' اس طرح دکھلاتی نہ پھرو''(10) اسلام نے عورتوں کو مٹک مٹک کر چلنے سے بھی منع کیا۔ ارشاد خداوندی ہے کہ ''اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں''(11) ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے اہل وعیال کے سوا دوسرے لوگوں میں بن سنور کر جانا' ایسا ہے جیسے قیامت کے دن کی تاریکی' جس کے لیے روشنی نہ ہو''(12)

خوشبو بھی ان قاصدوں میں سے ایک ہے جو ایک نفس شریر کا پیغام دوسرے نفس شریر تک پہنچاتے ہیں۔ یہ خبر رسانی کا سب سے زیادہ لطیف ذریعہ ہے' جو فضا میں پھیل کر جذبات کو محترک کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔'' (ترمذی' ماجاء کراہیتہ خروج المعطرۃ) اسی طرح ابن کثیر میں ہے کہ ''ہر آنکھ زانیہ ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر مجلس پر گزرتی ہے وہ بھی زانیہ ہے۔''(13)

اسلام مرد اور عورت کو جسم کے وہ تمام حصے چھپانے کا حکم دیتا ہے جن میں ایک دوسرے کے لیے جنسی کشش پائی جاتی ہو۔ مگر آج کل ایسے لباس پسند کیے جاتے ہیں جن سے اعضائے مستورہ نمایاں طور پر دکھائی دے سکیں۔ اس مقصد کے لیے عورتیں زیادہ تر چست اور باریک لباس کا انتخاب کرتی ہیں تاکہ وہ مردوں کے لیے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بن سکیں۔ اسلام ایسے لباس پسند نہیں کرتا جو محض زینت کے لیے ہوں بلکہ اسلام کی نگاہ میں زینت سے زیادہ ستر کی اہمیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی ہی رہیں اور دوسروں کو رجھائیں اور خود دوسروں پر ریجھیں اور بختی اونٹ کی طرح ناز سے گردن ٹیڑھی کر کے چلیں وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی بو پائیں گی''(14) حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ''اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چست ہوں کہ سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہو جائے۔''(15)

آج کل عالمی مقابلہ حسن کے عنوان سے بے حیائی اور برہنگی کا ایک میلہ منعقد کیا جا رہا ہے۔ جس میں دنیا بھر سے حسینائیں مقابلہ کے لیے شریک ہوتی ہیں۔ جن کے برہنہ بدن

کو جج حضرات کا ایک پینل مختلف زاویوں سے پرکھتا ہے' ان کی چھاتی' کمر اور کولہوں کی پیمائش کرتا ہے۔ اپنے جسم کی بھرپور نمائش کے لیے ان حسیناؤں کو کئی مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان حسیناؤں کے لیے ایک نہایت خوبصورت اسٹیج تیار کیا جاتا ہے جس پر وہ باری باری آتی ہیں اور اپنے خوبصورت اور چمکدار اجسام کی مختلف طریقوں سے نمائش کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک کو حسینہ عالم منتخب کیا جاتا ہے۔ منتخب ہونے والی حسینہ عالم کو نہایت قیمتی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ اس طرح ایک حسینہ عالم آناً فاناً دولت اور شہرت کی بلندیوں کو چھو لیتی ہے۔ فلم ساز اور اشتہاری ایجنسیاں اس کے خوبصورت جسم سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کے اردگرد منڈلانے لگتے ہیں اور یہ حسینہ عالم ہر جگہ اپنے خوبصورت جسم کو حصول دولت کا ایک ذریعہ بنا لیتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''خبردار کبھی برہنہ نہ رہو' کیونکہ تمہارے ساتھ خدا کے فرشتے لگے ہوتے ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے' بجز ان اوقات کے جن میں تم رفع حاجت کرتے ہو' یا اپنی بیوی کے پاس جاتے ہو' (یا بیویاں اپنے خاوندوں کے پاس جاتی ہیں) لہٰذا تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کا لحاظ رکھو۔''(16) اس کے متعلق ایک اور حدیث اس طرح ہے: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس کو چاہیے کہ ستر کا لحاظ رکھے بالکل گدھوں کی طرح دونوں ننگے نہ ہو جائیں۔''(17)

## فتنہ آواز

اسلام میں عورتوں کے لیے حکم ہے کہ جو بات کی جائے وہ صاف اور بھلی ہو' عشوہ و ادا کے ساتھ گفتگو ہرگز نہ کی جائے اور گفتگو میں لب و لہجہ خشک ہی رکھا جائے' لگی لپٹی باتیں جس سے مرد کے شیطانی نفس کو حیلہ کی راہ سوجھتی ہے اس سے بالکل اجتناب ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اور چبا کر باتیں نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ لالچ کرے اور تم معقول بات کہو۔'' (احزاب:4)

صاحب درالمختار نے علامہ قدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''ہم یہ جائز نہیں سمجھتے کہ عورتیں تیز آواز میں بولیں' لوچدار گفتگو کریں' آواز میں شرینی اور جاذبیت پیدا کریں جس سے مردوں کے دل ان کی طرف کھنچیں اور ان کے جنسی میلان میں تحریک پیدا

ہو۔ گانے کو حرام قرار دینے کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ آواز کے فتنے سے جنسی اختلال پیدا ہوتا ہے اور اس سے بے راہ روی پھیلنے کا احتمال ہوتا ہے۔

بسا اوقات زبان خاموش رہتی ہے مگر دوسری حرکات سے سامعہ کو متاثر کیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق بھی نیت کی خرابی سے ہے اور اسلام اس کی بھی ممانعت کرتا ہے۔ حکم خداوندی ہے کہ ''اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے (یعنی جو زیورات اندر پہنے ہوئے ہیں) اس کا حال معلوم ہو (یعنی جھنکار سنائی دے)(19)

## (2) تعزیری قوانین

اگر کوئی شخص رشتہ ازدواج سے باہر جنسی تعلق قائم کرتا ہے تو اسلام اس کے لیے زنا کی سخت ترین سزا تجویز کرتا ہے اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والا مرد یا عورت غیر شادی شدہ ہے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

> ''زنا کار عورت اور زنا کار مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو، اور قانون الٰہی کے معاملہ میں تم کو ان پر ہرگز رحم نہ کھانا چاہیے۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور جب ان کو سزا دی جائے تو مسلمانوں میں سے ایک جماعت اس کو دیکھنے کے لیے حاضر رہے۔'' (النور: 2)

شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم ہے یعنی ایسے مجرم مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیل موجود ہے آپ نے خود اس پر ایک سے زائد بار عمل کیا اور خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ امت محمدیہ میں سوائے خوارج اور بعض معتزلہ کے کوئی اس سزا کا منکر نہیں ہے۔''(20)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپؐ کو پکار کر کہا: یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے یہ سن کر پہلے آپ نے منہ پھیر لیا، لیکن اس نے اپنی یہ بات چار مرتبہ کہی۔ آپ نے اسے بلایا اور پوچھا: ''تو پاگل ہے؟'' اس نے جواب دیا ''نہیں۔'' پھر آپؐ نے پوچھا: ''کیا تو

شادی شدہ ہے؟" اس نے کہا: "ہاں۔" اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو لے جاؤ اور رجم کرو۔"[21]

یہ بالکل درست ہے کہ قرآن میں رجم کا حکم صراحتاً مذکور نہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا انکار کر دیا جائے جبکہ صحیح حدیثوں میں بکثرت اس کی مثالیں موجود ہیں اور خود ارشادِ نبوی میں بھی صراحتاً رجم کا حکم مذکور ہے۔

## (3) انسدادی تدابیر

اسلام کی اخلاقی تعلیم انسان کو اندر سے درست کرتی ہے تاکہ اس میں بدی اور گناہ کی طرف رجحان ہی پیدا نہ ہو اور اس کا تعزیری قانون اس کو باہر سے درست کرتا ہے۔ ان دونوں تدبیروں کے درمیان چند ضروری تدابیر اس غرض کے لیے اختیار کی گئی ہیں کہ اصلاحِ باطن کی اخلاقی تعلیم کے لیے مددگار ہوں۔ ان تدابیر سے نظامِ معاشرت کو اس طرح درست کیا گیا ہے کہ اخلاقی تربیت کے نقائص سے جو کمزوریاں افرادِ جماعت میں باقی رہ جائیں ان کو ترقی کرنے اور قوت سے فعل میں آنے کا موقع ہی نہ مل سکے، سوسائٹی میں ایک ایسا ماحول پیدا ہو جائے جس میں برے میلانات کی نشوونما دینے والی آب و ہوا مفقود ہو، ہیجان انگیز تحریکات ناپید ہوں۔ صنفی انتشار کے اسباب انتہائی حد تک کم ہو جائیں اور ایسی تمام صورتوں کا سدِباب ہو جائے جن سے نظامِ تمدن میں برہمی پیدا ہونے کا امکان ہو۔"[22]

اب تفصیل کے ساتھ ان تدبیروں میں سے ایک ایک کو بیان کرتے ہیں۔

## ستر اور اس کی پردہ پوشی

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے جس کا چھپائے رکھنا مرد کے لیے ضروری ہے اور آزاد عورت کا ستر چہرہ اور ہتھیلی چھوڑ کر سارا جسم ہی ہے۔ تاہم عورت کا ستر عورت کے لیے بھی ناف سے لے کر گھٹنے تک ہی ہے، اتنا حصہ عورت بھی نہیں دیکھ سکتی سوائے بچہ کی پیدائش کے موقع کے جس میں معذوری ہے۔"[23]

انسانی فطرت میں بڑی حد تک یہ بھی داخل ہے کہ اپنی شرمگاہ دیکھنے سے بھی شہوت بھڑکتی ہے۔ اس لیے اسلام نے اس سے بھی روکا ہے کہ آدمی تنہائی میں بھی ننگا نہ ہو۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: "اپنے ستر کی دیکھ بھال کر، ہاں

اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس ہو تو اور بات ہے۔" اس نے پوچھا: "اگر کوئی تنہا ہو تو؟ تو اس وقت اللہ سے شرمانا حق ہے۔"(24) ادب کا تقاضا تو بلاشبہ یہی ہے کہ تنہائی میں کراماً کاتبین فرشتے اور خود رب العزت کی موجودگی کا تصور و خیال غالب ہو اور حیاء و شرم کا پاس باقی رہے کیونکہ بالکل برہنہ ہونے کی صورت میں جذبات نفس میں ہیجان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے بے راہروی کو قوت ملتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ننگے ہونے سے بچو اس لیے کہ تمہارے ساتھ وہ بھی ہیں' جو جدا نہیں ہوتے' (یعنی کراماً کاتبین) لہٰذا ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔"(25)

## پردہ کے احکام

شریعت مطہرہ نے عورتوں کی عفت مآبی کے تحفظ کے لیے ان تمام خطرات کا سدِ باب کیا ہے جو ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ عورتوں کی آزادانہ چہل پہل مردوں کی جماعت میں ایک شورش پیدا کرتی ہے۔ عورت اور مرد کے میل جول کی حالت میں نفس انسانی کو بہکنے کا موقع ملتا ہے اور شیطان کے لیے دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا راستہ ہاتھ آجاتا ہے۔ اس خطرے کے پیش نظر اسلام مرد و زن کے آزادانہ میل جول پر پابندی عائد کرتا ہے اور عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور ان کو ستایا نہ جائے گا۔"(26) جن قوموں میں بے پردگی عام ہو جائے نہ صرف ان کا اخلاقی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے بلکہ وہ بذات خود نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ مثلاً انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے کہ رومن امپائر میں عروج و ترقی کے زمانہ میں عورتیں پردہ ہی میں رکھی جاتی تھیں' ان کو باہر کے کاموں سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں۔ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلتیں تو بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی تھیں۔ جس کے سبب ان کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔(27)

جب اہل روم کو عیش پرستی اور لہو لعب کا شوق پیدا ہوا اور پھر اس سلسلہ میں مردوں

نے اپنی ہر مجلس نشاط میں عورتوں کو شریک کرنا چاہا کہ ان کے بغیر مجلس سونی اور بے رونق معلوم ہو رہی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کو پردہ کی قید سے باہر نکالا اور ان کے دامن عصمت کو داغدار بنانے کی سعی کی، اور کچھ ہی دنوں میں ان کی عورتیں ناچ و رنگ کی محفلوں میں کھل کر آ گئیں۔

پھر رومانی حکومت کا کیا حشر ہوا؟ بربادی شروع ہو گئی اور ساری عظمت و شوکت کی عمارت زمین پر آ گئی اور بلاشبہ اس بربادی کا بڑا سبب عورتوں کی آزادی ہی تھی۔ تاریخ کی روشنی میں علامہ فرید وجدی تحریر فرماتے ہیں:

''مگر بات یہ ہوئی کہ جب انہیں بے پردہ بنایا گیا تو فطری تقاضوں سے مردان پر مائل ہونے لگے، اور اس کے لیے آپس میں کٹنا مرنا شروع کر دیا، یہ ایک ایسی سیاسی حقیقت ہے جس کے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کر سکتا ہے۔''(28)

## چہرہ چھپانے کا حکم

فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ چہرہ گو ستر میں داخل نہیں ہے، مگر پھر بھی عورتوں کو لوگوں میں چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا، تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے، قدرت نے عورت کے چہرہ میں کچھ ایسی جاذبیت اور کشش رکھی ہے کہ مرد عورت کے اس حصہ کو دیکھ کر اس کی طرف کھنچتے ہیں اور مردوں کے دل میں فطری شہوت کروٹیں لینے لگتی ہے۔ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

''عورت کو چہرے کھولنے سے روکا جائے گا، تاکہ مرد دیکھنے نہ پائے، کیونکہ چہرہ کھلنے کی صورت میں کبھی نگاہ شہوت کے ساتھ بھی پڑ سکتی ہے۔''(29)

علامہ ابوبکر جصاص سورہ احزاب کی آیت نمبر 59 جس میں عورتوں کو پردہ داری کا حکم دیا گیا ہے کے متعلق لکھتے ہیں: یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کی اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت پردہ داری اور عفت مآبی کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ بدنیت لوگ اس کے حق میں طمع نہ کر سکیں۔ (30) قرآن مجید کی اس آیت مبارک کے متعلق ابن جریر، علامہ نیشاپوری، امام رازی اور قاضی بیضاوی کا بھی یہی خیال ہے۔

## غیر عورت کی حالت مرد سے بیان نہ کی جائے

اسلام نے ان راستوں پر بھی پہرہ بٹھا دیا ہے جو غیر محسوس طور پر عفت و عصمت

کے لیے خطرناک ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”عورت جب عورت سے ملے تو وہ جا کر دوسری عورت کا حال اپنے شوہر سے بیان نہ کرے کیونکہ ممکن ہے اس کے شوہر کے دل میں دوسری عورت کی خوبی اور اس کا حسن و جمال گھر کر جائے اور وہ اس کے پیچھے پڑ جائے۔

ارشادِ نبوی ہے:

”عورت عورت کے ساتھ اس طرح نہ رہے سہے کہ وہ اپنے شوہر سے اس کی حالت اس طرح کھل کر بیان کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔“ (بخاری)

## مرد اپنی بیوی کا راز ظاہر نہ کرے

اسی طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو بھی منع کیا ہے کہ وہ اپنے زن و شوہر کی باہمی راز کی بات کسی غیر مرد سے بیان نہ کرے۔

ارشادِ نبوی ہے:

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدتر وہ شخص ہے کہ وہ اور اس کی بیوی یکجا ہوں اور پھر مرد اس پھندے کو کھول دے“[31] اس طرح کی باتوں سے فطرتاً انسان میں تلاطم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس لیے عقل و شعور کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کی بیہودہ باتوں سے اجتناب کیا جائے اور شہوت انگیز باتیں کھل کر بیان نہ کی جائیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ بلا فائدہ جماع کا تذکرہ مکروہ ہے۔ ہاں ضرورت کی بات اور ہے تفصیل تو البتہ ہر حال میں حرام اور بری چیز ہے۔“[32]

## عورت تنہا سفر نہ کرے

اسلام نے ہر جگہ عفت و عصمت کے تحفظ کی سعی کی ہے۔ زندگی میں اگر کبھی عورت کو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے تو اسلام سفر میں بھی اس کی عصمت کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ قانونِ الٰہی ہے کہ عورت سفر میں اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو، حج جو عبادات میں داخل ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے، اس کی ادائیگی بھی وہ بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔ ارشادِ نبوی ہے:

”مومنہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر محرم کو ساتھ لیے ایک دن اور ایک

رات کی مسافت میں تنہا سفر کرے۔"[33]

عورت جب گھر سے باہر جاتی ہے تو اسے خطرات سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ راستے میں نیک و بد ہر طرح کے آدمیوں سے ہو کر راستہ طے کیا جاتا ہے۔ فطرتاً عورتیں کمزور ہوتی ہیں اور ان کے جذبات بہت نازک ہوتے ہیں۔ ان کے عقل و شعور میں نسبتاً وہ پختگی نہیں ہوتی جو ہونی چاہیے اس لیے ایسے موقع پر کسی خاص آدمی جیسے شوہر، باپ یا بھائی وغیرہ ہی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔[34] ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کوئی مرد کسی ایسی عورت سے نہ ملے، جس کا محرم ان کے ساتھ نہ ہو اور کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔"[35]

## تخلیہ اور لمس کی ممانعت

اسلام کے مطابق شوہر کے سوا کوئی مرد کسی عورت کے پاس نہ تخلیہ میں رہے اور نہ اس کے جسم کو مس کرے، خواہ وہ قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "خبردار عورتوں کے پاس تنہائی میں نہ جاؤ۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے: فرمایا "وہ موت ہے۔"[36]

اسی طرح عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عورتوں کے پاس ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر جانے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

ایسے ہی احکام لمس کے متعلق بھی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: "جو شخص کسی عورت کا ہاتھ چھوئے گا جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو، اس ہتھیلی پر قیامت کے روز انگارا رکھا جائے گا۔"

ایسی حالت میں شیطان مرد اور عورت کی شہوت میں ابھار پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے اور دونوں کے قلب میں برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ مخلوط اداروں خصوصاً تعلیمی اداروں میں برائی کا سبب یہی طریقہ ہے۔ تنہائی میں پہلے ملاقاتوں کا اہتمام ہوتا ہے، پھر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کی پینگیں چڑھائی جاتی ہیں پھر رفتہ رفتہ ایک دوسرے کے جسم کو مس کرتے ہیں اس طرح وہ جنسی ہیجان کی حالت میں آ جاتے ہیں اور جنسی عمل کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''کسی بیاہی عورت کے پاس کوئی غیر مرد رات نہ گزارے''(37)

## ہیجان انگیز باتوں سے اجتناب

شریعت نے ہر اس امر سے منع کیا ہے جو انسانی طاقت میں ہیجان پیدا کر سکتا ہے اور جس سے فتنہ و فساد یا گناہ اور معصیت کا اندیشہ سامنے آ سکتا ہے۔ ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی قوتوں میں تین شیطانی قوتیں نہایت اہم ہیں جن کا ذکر مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''پردہ'' میں اس طرح نقل کیا ہے:

''تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے اور تینوں ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں:

(1) فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

(2) متحرک تصویریں (فلم اور ٹیلی ویژن) جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں (جیسے بلیو پرنٹ فلمیں)۔

(3) عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار' جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی' اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے ناآشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ تین چیزیں ہمارے یہاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں' اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان کی دوسری قوموں کے مماثل ہو گی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت' ان کی شراب و شباب اور رقص و موسیقی سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے''(38)

یہ تین اسباب ہماری معاشرتی زندگی پر پوری طرح چھائے ہوئے ہیں اور ہر اس جوان مرد اور جوان عورت کے جذبات میں ایک دائمی تحریک پیدا کرتے ہیں جن کے جسم میں تھوڑا سا بھی گرم خون موجود ہے۔

اسلام میں ان تینوں شیطانی قوتوں کے معدوم کرنے کا حل موجود ہے:

قرآن و سنت میں ذرائع ابلاغ اور مسلمان صحافیوں' ادیبوں اور شعراء وغیرہ کے بارے میں جو تعلیمات ملتی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے گروہ میں برائی اور بے حیائی پھیلے وہ دنیا

اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔"(39)

"جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے زیادہ تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔"(40)

"اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔"(41)

"جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔"(42)

"(اور رحمان کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔"(43)

رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔"(44)

حضورؐ نے مصور پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ترین عذاب تصاویر بنانے والے (مصور) کو ہو گا۔"(45)

موسیقی کے متعلق آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ "میں آلات موسیقی کو توڑنے کے لیے آیا ہوں۔"

محدث ابن جوزی لکھتے ہیں کہ راگ سننے سے انسان کا دل عظمت خداوندی سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ لذت شہوانیہ کو ابھارتا ہے، تیسرا یہ کہ راگ طبیعت میں طرب و نشاط پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راگ کو زنا کا منتر کہا گیا ہے۔"(46)

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"عورت اور مرد کے جنسی جذبات پر راگ ایسا اثر کرتا ہے جیسے آگ پر تیل ڈال دیا جائے۔"

ابن ولید نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی:

"اے میری قوم! راگ سے بچتے رہنا، کیونکہ یہ حیاء کو کم کرتا ہے، خواہشات نفسانیہ کو بڑھاتا ہے اور عزت و وقار کو مٹاتا ہے۔"(47)

حدیث نبوی ہے: "جو آدمی گانے بجانے کا کام کرے یا وہ آدمی جو گانے بجانے کا اپنے گھر میں اہتمام کرے، ان دونوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ناچنے اور گانے والی عورتوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: سب سے اول جس نے اس دنیا میں بین کیے اور راگ کے ساتھ گانا گایا وہ ابلیس ہے۔''(48)

جہاں تک رقص کا تعلق ہے۔ امام ابن الحاج اپنی مشہور کتاب ''مدخل'' میں لکھتے ہیں: سب سے پہلے جنہوں نے ناچنے اور جھومنے کو ایجاد کیا تھا' وہ سامری اور اس کے ساتھی یہودی تھے۔ جب سامری نے ان کے لیے ایک بچھڑا تیار کیا تھا جس سے ایک قسم کی آواز آتی تھی۔ وہ یہودی اس کے گرد ناچتے اور جھومتے تھے۔ پس یہ ناچ اور جھومنا کفار اور یہودیوں کی رسم ہے۔''(49)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: ''جتنی اسلامی سلطنتوں کو زوال آیا ان میں سے اکثر کا زوال اسی کے سبب سے ہوا کہ بادشاہ ناچ گانوں کی محفل میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔''(50)

علامہ محمد ابوالخیر اسدی لکھتے ہیں: ''کہ رقص نہ صرف ناظرین میں شہوانی ارتعاش پیدا کر کے انہیں مست کر دیتا ہے بلکہ طبی کتابوں میں لکھا ہے کہ عورت کے جسم میں بعض ایسے حصے بھی ہیں اگر ان کے ساتھ مساس کیا جائے تو عورت جذباتِ شہوانیہ میں مست ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عورت جب رقص کرتی ہے تو اس کے جسم کے وہ حصے جہاں جذبات کی آگ مرکوز ہوتی ہے۔ ناچنے سے ان میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پھر اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے کہ وہ چلتے پھرتے یا لیٹے لیٹے بھی کوئی نہ کوئی رقص کی حرکت کر لیتی ہے۔ ان حرکات سے اسے ایک قسم کا سکون محسوس ہوتا ہے۔ اگر ناچ کے ساتھ راگ بھی جمع ہو جائے تو پھر یہ جذبات شراب دوآتشہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ بعض اوقات ایسی مجبور و مضطرب ہو جاتی ہے کہ جب تک شہوانی اتصال نہ ہو اس کی عقل بھی ماؤف ہو جاتی ہے''(51) یہی وجہ ہے کہ ناچنے والی کوئی عورت ہو گی جو زانیہ نہ ہو۔

شیخ نصیر الدین محقق فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ''ناقص صوفی جب قوالی میں رقص کرتا ہے تو شیطان اس کے پیچھے سے اپنی انگلی دباتا رہتا ہے تاکہ وہ دائیں بائیں گھوم گھوم کر خوب ناچے۔''(52) معلوم ہوا کہ رقص بالکل ایک شیطانی حرکت ہے اور اسلام کی نظر میں نہایت معیوب ہے۔

ابن جوزی ''تلبیس ابلیس'' میں لکھتے ہیں: ''سلیمان بن عبدالملک جو رقص و سرود سے بہت نفرت کرتا تھا اس کے دور میں جتنے رقاص اور گویے تھے سب کو جمع کر کے حکم دیا کہ انہیں خصی کر دو' پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا: ''اونٹ جب بلبلاتا ہے تو اونٹنی بے خود ہو جاتی ہے' بکرا جب جوشِ شہوت میں آ کر آواز نکالتا ہے تو بکری مست ہو جاتی ہے' کبوتر جب غٹرغوں کرتا ہے تو کبوتری مزے میں آ جاتی ہے اور مرد جب راگ گاتا ہے تو عورت طرب میں آ جاتی ہے۔''(53)

''فحاشی کی ترویج' شرم و حیا کی تخریب اور قلب و نظر کی بربادی میں جتنا فلم بینی کا دخل ہے اتنے قبائح اور مضرات آپ کو کسی دوسری فحاشی میں ہرگز نہیں ملیں گے' کیونکہ دوسری فحاشیوں میں جتنے فتنے کارگر نظر آتے ہیں ان میں ایک انفرادیت پائی جاتی ہے' لیکن فلم میں فحاشی کے تمام اصول و فروع بالاستیعاب پائے جاتے ہیں۔ جیسے عشقیہ گانے' رومانی مناظر' سوز و گداز پیدا کرنے والے ترنم' آلاتِ طرب کی ولولہ انگیز دھنیں' عیار حسن کے کھلے ہوئے چہرے' اعضاءِ شہوانیہ کی عریانی' جذبات ابھارنے والے زرق برق لباس' نوخیز شباب' حیاسوز مساس' مسحور کن رقص' غیر محارم کا بے باکانہ اختلاط' یہ سب مسموم مناظر فلم کی اسٹیج پر جمع ہو جاتے ہیں اور دیکھنے والوں کی بھوکی نگاہوں اور جذباتِ شہوانیہ کو ایک آگ لگ جاتی ہے جس سے عفت و حیاء کی دنیا بالکل برباد ہو جاتی ہے۔(54) ان تمام جملہ قباحتوں میں ٹیلی ویژن' فلم سے بہت زیادہ سبقت لے گیا ہے۔

قرآن نے ان لغویات کے متعلق فرمایا: ''اور وہ لوگ (جو مسلمان ہیں) گانے بجانے کی مجالس میں شامل نہیں ہوتے اور جب کھیل تماشہ کے مقام سے گزرتے ہیں تو پورے وقار سے (علیحدہ ہو کر) گزر جاتے ہیں۔''(55)

گویا اسلام ایسی بیہودہ اور ہیجان انگیز باتوں کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جن کو فلموں یا ٹیلی ویژن پر دکھایا جا رہا ہے۔

نوجوان نسل میں ہیجان انگیزی کا ایک بڑا سبب باہمی آزادانہ اختلاط بھی ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط نے عورتوں میں حسن کی نمائش' عریانی اور فواحش کو غیر معمولی ترقی دے دی ہے۔ جنسی میلان جو پہلے ہی فطری طور پر مرد اور عورت کے درمیان موجود ہے اور کافی طاقتور ہے دونوں صنفوں کے آزادانہ میل جول

کی صورت میں بہت آسانی کے ساتھ غیر معمولی حد تک ترقی کر جاتا ہے۔ پھر اس قسم کی مخلوط سوسائٹی میں قدرتی طور پر دونوں صنفوں کے اندر یہ جذبہ ابھر آتا ہے کہ صنفِ مقابل کے لیے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنیں اور اخلاقی اقدار کے بدل جانے کی وجہ سے ایسا کرنا معیوب بھی نہ رہا ہو بلکہ علانیہ شانِ دلربائی پیدا کرنے کو مستحسن سمجھا جانے لگا ہو تو حسن و جمال کی نمائش رفتہ رفتہ تمام حدود کو توڑتی چلی جاتی ہے' یہاں تک کہ برہنگی کی آخری حد کو پہنچ کر ہی دم لیتی ہے۔ ادھر مردوں کی طرف سے ہر وقت ھل من مزید کا تقاضا ہے' کیونکہ جذبات میں جو آگ لگی ہوئی ہے وہ حسن کی ہر بے حجابی پر بجھتی نہیں بلکہ اور زیادہ بڑھی ہوئی شہوانی پیاس سے بیتاب ہو کر وہ ہر وقت ہر ممکن طریقے سے اس کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔(56)

اسلام نے اسی وجہ سے عورت اور مرد کے آزادانہ اختلاط پر پابندی لگا دی ہے' اور عورت کو پردہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ پچھلے باب میں چونکہ پردہ کے متعلق احکامات بڑی صراحت سے زیر بحث آ چکے ہیں' لہٰذا اب انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

## ایک ساتھ دو مرد یا دو عورتیں لیٹنے کی ممانعت

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ ''دو مردوں یا عورتوں کا ایک ساتھ سونا درست نہیں کیونکہ یہ چیز شہوت میں بہت ہیجان کا باعث ہو جایا کرتی ہے جس سے کبھی کبھی سحاق کو رغبت ہوتی ہے اور کبھی لواطت کی جو نہایت مبغوض فعل ہے۔''(57)

حدیث نبوی ہے: ''کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ کوئی عورت ہی دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں سوئے یا لیٹے۔''(58)

ابوداؤد میں اس امر کی روایت اس طرح بیان کی گئی ہے:

''ہرگز ہرگز کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ' اسی طرح کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ نہ سوئے' صرف باپ اور اس کی اولاد کے لیے اس کی اجازت ہے۔''(59) مسند احمد کی روایت میں والد کے بجائے والدہ کا ذکر ہے۔ (مسند احمد' جلد دوم' ص 447)

## استلذاذ بالمثل اسلام کی نظر میں

اسلام نے دوسری برائیوں کے ساتھ ہم جنس پرستی کی لعنت کو بھی سختی سے روکا اور

اس فعل بد کی سزا نہایت سخت سے سخت تجویز کی۔ قرآن نے قوم لوط کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ قرآن کے پڑھنے والے اس برائی کے انجام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور اپنے آپ کو اس غیر فطری فعل سے محفوظ رکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو (اے پیغمبر) ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور اس پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے۔ تاکہ تیرے پروردگار کے حضور (اس فرض سے) نشانی کیے ہوئے تھے۔'' (ہود: 7)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''تو لوط کے عمل میں جس کو بھی مبتلا دیکھو قتل کر ڈالو فاعل (کرنے والے) کو بھی اور مفعول (جس کے ساتھ کیا جائے) کو بھی۔(60)

ایک دفعہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اطلاع دی گئی کہ ایک ایسا شخص ہے جو لواطت کراتا پھرتا ہے' حضرت خالد بن ولید نے یہ واقعہ خلیفہ المومنین صدیق اکبرؓ کو لکھ بھیجا اور مشورہ طلب کیا' چونکہ یہ نئی طرح کا واقعہ تھا' حضرت صدیق اکبرؓ نے مجلس مشاورت بلائی اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ نے رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ اس عمل کا تعلق قوم لوط کے عمل سے ہے سزا بھی اسی نوعیت کی مناسب ہے۔ میری رائے ہے کہ اس شخص کو جلا ڈالا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے یہی سزا خالد بن ولیدؓ کو لکھ بھیجی۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو جب یہ فرمان ملا' تو آپ نے اسے گرفتار کیا اور آگ میں جلا ڈالا۔''(61)

یہ وہ ملعون فعل ہے جس کے ارتکاب کرنے والے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار لعنت فرمائی اور اس کی قباحت کا اظہار فرمایا:

''اس شخص پر لعنت ہے جو قوم لوط کا عمل کرتا ہے۔''(62)

مسند احمد میں روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''اللہ اس شخص پر لعنت کرتا ہے' جو قوم لوط کا عمل کرتا ہے۔''(63)

''جس طرح مرد مردوں سے غیر فطری طریقہ پر جنسی تسکین حاصل کرتے ہیں اسی طرح عورتیں عورتوں سے غیر فطری طریقہ پر جنسی تسکین کا سامان کرتی ہیں۔ جسے جدید اصطلاح میں (Lesbianism) کہتے ہیں۔ اسلام جس طرح مرد کے مرد کے ساتھ غیر فطری فعل

کو سخت ترین گناہ قرار دیتا ہے اسی طرح عورت کے ساتھ غیر فطری فعل کو بھی سخت گناہ اور قابل تعزیر جرم قرار دیتا ہے۔"(64)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اگر مرد کے پاس مرد (شہوت پوری کرنے کے لیے) آتا ہے تو وہ دونوں زناکار ہیں اور عورت، عورت کے پاس (شہوت پوری کرنے کے لیے) آتی ہے تو وہ دونوں زناکار ہیں۔"(65)

البتہ اس حرکت کا ارتکاب کرنے والی عورت زنا کی حد کی مستحق نہ ہوگی۔ ہاں اس کی تعزیر کی جائے گی۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کا فرمان ہے:

"اور ان دونوں کے اوپر حد نافذ نہ ہوگی، اس لیے کہ اس میں عضو کا داخل کرنا نہیں ہوتا۔ تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی مرد کسی عورت کی شرمگاہ سے ہٹ کر لطف اندوز ہو، ہاں ان دونوں کے اوپر تعزیر ہوگی۔"(66)

اسی مقصد کے لیے مرد کو مرد کی شرمگاہ اور عورت کو عورت کی شرمگاہ دیکھنے سے منع کیا گیا۔ ارشاد نبوی ہے:

"مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے، یہی معاملہ عورت کا ہے کہ وہ دوسری عورت کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے۔"(67)

## نکاح

عفت و عصمت کے تحفظ کے لیے تمام انسدادی تدابیر میں نکاح سب سے موثر اور اہم انسدادی تدبیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور تم میں جو بے نکاح ہوں، ان کا نکاح کر دیا کرو، اور جو تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو، اس کا بھی۔"(68)

مذکورہ بالا قرآنی حکم کے علاوہ احادیث میں بھی بڑا ذخیرہ ہے جن میں شادی کی تاکید و ترغیب پائی جاتی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

"اے نوجوانوں کی جماعت تم میں جو اسباب جماع کی قدرت رکھتا ہو اس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور شہوت کی جگہ کو بچائے رکھتا ہے۔"(69)

اس حدیث میں جہاں نوجوانوں کی شادی کا حکم دیا گیا ہے وہاں شادی کے فوائد

بھی بیان کر دیے گئے ہیں کہ شادی سے عفت مآبی پیدا ہو گی اور حرام کاری سے آدمی محفوظ رہے گا۔

ایک حدیث میں نکاح کو نصف دین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''بندہ نے جب شادی کر لی تو اس نے نصف دین پورا کر لیا۔''(70)

بعض فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنسی میلان حدِ برداشت سے جب باہر ہو جائے اور خطرہ شرعی حدود کو توڑ دینے کا سامنے آ جائے تو اس وقت نکاح کرنا مومن کے لیے واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر بیتابی حد سے نہ گزری ہو تب نکاح سنت مؤکدہ ہے۔

''ایک دفعہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ وہ شخص مسکین ہے جس کی بیوی نہیں ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا' گو وہ کثیر المال ہو تب بھی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں گو وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ پھر آنحضرت نے فرمایا وہ عورت مسکین ہے جس کا شوہر نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ اگرچہ اس کے پاس بہت کچھ مال ہو تب بھی مسکین ہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں تب بھی وہ مسکین ہے۔''(71)

یہ اور اس طرح بیسیوں حدیثیں ہیں جو صراحتاً نکاح کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان تمام احادیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں عقد ازدواج پر کتنا غیر معمولی اصرار کیا گیا ہے۔ مقصد وہی ہے کہ جنسی میلان کو حدود میں رکھ کر افزائش نسل کا ذریعہ بھی اس کو بنایا جائے اور عصمت وعفت کے انمول سرمایہ کی حفاظت کا بھی واحد ذریعہ یہی ہے۔''(72)

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بالکل درست فرمایا ہے کہ

''شادی شہوت توڑنے' نفس کو عفیف بنانے اور نسل کی کثرت کے لیے کی جاتی ہے۔''(73)

جو لوگ قصداً شادی کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو اس طرح تنبیہ کی ہے:

''میں شادی کرتا ہوں' پس جو میرے طریقہ سے اعتراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔'' (بخاری' باب الترغیب النکاح)



# قوانین استیذان

طلب اذن یعنی اجازت طلب کرنے کی حدیث کی اصطلاح میں استیذان کہتے ہیں۔ اسلام نے جہاں تمام جزئی وکلی امور کے لیے قوانین وضع کیے اور ضابطے مقرر کیے وہاں یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ گھروں کے داخلہ کے لیے کوئی باضابطہ دستور نہ بناتا۔ چنانچہ اس نے عفت وعصمت کے تحفظ اور دوسری حکمتوں کے پیش نظر' یہ ضابطہ قرار دیا کہ کوئی کسی غیر کے گھر میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا کسی گھر میں داخل نہ ہو' جب تک اجازت نہ لے لو اور اس گھر والے کو سلام نہ کرلو' یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔''(74)

اصل مقصد اندرونِ خانہ اور بیرون خانہ کے درمیان حد بندی کرنا ہے تاکہ اپنی خانگی میں عورتیں' اجنبیوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے تابدان میں سے جھانکا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں تیری آنکھ میں کوئی چیز چبھو دیتا۔ استیذان کا حکم تو نظروں سے بچانے کے لیے دیا گیا ہے۔''(75) صحیحین میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر کوئی بغیر اجازت تم کو جھانکے اور تم اس کو کنکری اٹھا کر مارو جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''(76)

## طلب اجازت کا شرعی طریقہ

حصول اجازت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہاں پہنچ کر سلام کرے اور پوچھے کیا میں اندر آؤں؟ آنے کی اجازت مل جائے تو اندر جائے اور اجازت نہ ملنے کی صورت میں فوراً پلٹ آئے۔ زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ اجازت طلب کرے جواب نہ ملے تو پھر واپس آ جانا چاہیے۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''طلب اذن تین مرتبہ ہے' اگر اجازت مل جائے تو خیر' ورنہ واپس ہو جانا چاہیے۔''(77)

سلام کے بعد طلب اذن کے لیے جب آواز دی جائے اور گھر سے کوئی پوچھے تو کون ہے؟ تو اجازت چاہنے والے کو اپنا مشہور نام بتانا چاہیے۔ ایک دفعہ حضرت جابرؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اندر سے فرمایا' کون ہے؟ حضرت جابرؓ نے کہا: ''میں ہوں'' آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور کہا یہ ''میں میں' کیا''(78)

## طلب اذن صرف بالغ کے لیے ہے

استیذان کی حد اسی وقت شروع ہوتی ہے جب جنسی شعور میں بیداری آ جائے۔ اس سے پہلے اجازت طلب کرنا ضروری نہیں۔ حکم خداوندی ہے:

''اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ اسی طرح اجازت لے کر گھر میں آئیں' جس طرح ان کے بڑے ان سے پہلے اجازت لے کر آتے تھے۔''(79)

## عورتوں سے ضرورت کی چیز بھی پردہ کی اوٹ سے مانگی جائے

مسلمانوں کے لیے یہ بھی حکم ہے کہ وہ عورتوں سے اگر کوئی ضرورت کی چیز لینا چاہیں تو وہ گھروں میں نہ چلے جائیں بلکہ باہر پردے کی اوٹ سے مانگیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں کے لیے بھی پاکیزگی ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔''(80)

اس حد بندی کا اصل مقصد صرف یہی ہے کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان آزادانہ اختلاط نہ ہو اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کی نگاہوں کا شکار ہو سکیں۔ یہ احکام صرف

اجازت ہی کے لیے نہیں بلکہ گھر کے خدام کے لیے بھی ہیں۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت بلالؓ اور حضرت انسؓ نے سیدہ فاطمہؓ سے آپ کے کسی بچے کو مانگا تو آپ نے پردے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر دیا' حالانکہ یہ دونوں حضور نبی اکرمؐ کے خدام خاص تھے اور آپؐ کے پاس گھر والوں کی طرح رہتے تھے۔"(81)



# زنا اسلام میں جرم عظیم ہے

زنا اسلام کے نزدیک حرام اور سخت ترین جرم ہے۔ اسلام اپنے جاننے والوں کو اس سے سختی کے ساتھ بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن اسے شدید ترین برائی اور بدترین راستہ قرار دیتا ہے:

''اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ' یہ کھلی ہوئی بے حیائی اور بہت ہی برا راستہ ہے۔''(82)

دوسری جگہ رحمٰن کے نیک بندوں کے اوصاف کے بیان میں اسے شرک اور قتل کے برابر کا گناہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''اور رحمٰن کے نیک بندے وہ ہیں' جو ایک اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ وہ اس جان کے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے قتل کے درپے ہوتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ اس سے کوئی حق متعلق ہو اور ورنہ وہ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا' اپنے گناہ کے انجام سے دوچار ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب دوچند کیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں رسوا ہو کر ہمیشہ کے لیے پڑا رہے گا۔''(83)

اسلام صرف زنا کو حرام قرار نہیں دیتا بلکہ ان تمام طریقوں کو حرام گردانتا ہے جن سے عفت وعصمت پر زد پڑ سکتی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''آپ فرمایئے کہ صرف تمام فواحش باتوں کو البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے' ان میں جو علانیہ ہوں ان کو بھی اور جو پوشیدہ ہوں ان کو بھی۔''(84)

معلوم ہوا کہ اسلام صرف زنا سے نہیں روکتا بلکہ ان تمام باتوں سے منع کرتا ہے جن سے زنا کی ترغیب ملتی ہو۔ ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فواحش سے روکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔''[85]

مذکورہ بالا آیات میں خداوند قدوس نہایت سختی سے زنا سے منع فرما رہا ہے کیونکہ زنا اپنے انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے اتنا مہلک جرم ہے جس کی دنیوی و اخروی تباہ کاریوں کا احاطہ آسان نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر گناہ نہیں ہے جس کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے جو شرعاً اس کے لیے حلال نہ تھا۔''[86]

ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے امت محمد! خدا کی قسم اس بات سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں ہوتی کہ کوئی مرد یا عورت زنا کرے اور بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں، تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بکثرت روتے'' (بخاری)

ایک دفعہ ایک یہودیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ ''آیات بینات'' کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا نہ کسی کو شریک ٹھہراؤ، نہ چوری کرو، نہ زنا کرو اور نہ کسی پاکدامن کو زنا سے بہتم کرو۔''[87]

زنا کے متعلق آپؐ کی ایک اور حدیث یہ ہے:

''زنا کار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا، بچو بچو۔'' (مشکوۃ باب الکبائر)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی برائی مختلف پیرایہ میں بیان کی اور چاہا کہ لوگ اچھی طرح اس کی برائی سے واقف ہو جائیں اور اس بدترین کام سے باز آ جائیں۔ ایک

دفعہ آپؐ نے فرمایا: ''کہ دوزخ میں لوگ زیادہ تر اپنے منہ اور اپنی شہوت کی جگہ کی بدولت ڈالے جائیں گے۔''(88)

جن قوموں میں زنا کی وباء عام ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر مختلف قسم کی مصیبتیں اور عذاب نازل کرتا ہے اور بالآخر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے' مثلاً بنی اسرائیل میں فتنہ عورتوں ہی کی راہ سے آیا اور اسی فتنہ کی بدولت پوری امت تہس نہس ہو کر رہ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''دنیا اور عورتوں سے بچو' اس لیے کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں تھا۔''(89)

حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفۃ المسلمین منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''دیکھو جس قوم نے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا' اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے' خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے۔''(90)

## پاکدامن لوگوں کے لیے خوشخبری

زنا کا ارتکاب انسان محض جسمانی لذت کے لیے کرتا ہے اگر اسے جنت کی لذتوں کا اندازہ ہو جائے تو کبھی بھی زنا کے قریب نہیں جا سکتا۔ کیونکہ جنت کی لذتیں صرف پاکباز لوگوں کے لیے ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے معجزانہ پیرایہ میں متعدد مقامات میں عفت وعصمت اور اخلاق حمیدہ کی بڑے دلنشین انداز میں تاکید کی ہے اور پاکدامن رہنے کی ترغیب دی ہے۔

''اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے معافی اور بڑا ثواب رکھا ہے۔'' (احزاب: 5)

اس آیت میں کتنی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ گوہر عصمت اور درِ عفت کا تحفظ رکھتے ہیں' اور حدودِ خداوندی میں رہ کر لذت ومسرت حاصل کرتے ہیں' ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی دولت اور اجر عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے۔

ایک دوسری آیت میں جہاں پاکدامن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فلاح کامل کی مسرت انگیز خبر سنائی ہے وہاں عفت کا فانوس توڑنے والوں کو بھی خبردار کیا ہے۔

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں' لیکن اپنی بیویوں یا اپنی شرعی

لونڈیوں سے متمتع ہوتے ہیں ان پر کوئی الزام نہیں' ہاں! جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو' ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں'' (مومنون: 1)

جو لوگ حدود اللہ کو توڑتے ہیں ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کے موقع پر میں نے دیکھا:

''آگ کا دہکتا ہوا تنور ہے' اس میں چیخ و پکار اور گریہ وزاری کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ آپ نے جھانک کر دیکھا کہ آخر واقعہ کیا ہے۔ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ آگ کے اس مشتعل تنور میں ننگے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت ہے اور ان کے نیچے کے حصوں میں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور شعلوں کی لپیٹ کے ساتھ ان میں ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے اور سب چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ آنحضرت بیان فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ زناکار مردوں اور عورتوں کی جماعت ہے جو دنیا میں بدکاری میں مبتلا رہے۔'' (ریاض الصالحین' ص 88)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکدامن لوگوں کو جنت کی خوشخبری ان الفاظ میں دی:

''اے جوانان قریش' اپنی شہوت کی جگہوں کی حفاظت کرو' زنا نہ کرو' سنو جو اپنی شہوت کی جگہ محفوظ رکھے گا' اس کے لے جنت ہے۔''

بخاری شریف میں یہ حدیث اسی طرح بیان کی گئی ہے:

''ایسا شخص جنتی ہے جو میرے لیے اپنے پاؤں کے درمیان کی چیز یعنی شرمگاہ اور داڑھوں کے درمیان کی چیز یعنی زبان کی حفاظت کی ذمہ داری لے میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لوں گا۔''

احادیث میں بکثرت واقعات مذکور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں لوگوں کو عفت و عصمت کی تعلیم فرمائی اور ایسا ماحول پیدا کیا کہ لوگ اپنی عفت و عصمت کا تحفظ کریں اور زنا سے بچیں۔



# ملکی قانون میں عفت وعصمت کے تحفظات

پاکستانی قانون میں عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے مندرجہ ذیل دفعات موجود ہیں۔

دفعہ 354

اس دفعہ کا اطلاق اس شخص پر ہوگا جو کسی عورت کی عفت میں خلل ڈالے۔ ایسے شخص کو دو سال قید یا جرمانہ کی سزا ہو سکتی ہے۔ جرم کی نوعیت کے مطابق قید اور جرمانہ دونوں کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

دفعہ 355

اگر کوئی شخص کسی عورت یا مرد پر اس کو بے حرمت کرنے کے لیے حملہ کرتا ہے تو دفعہ مذکور کی رو سے اسے دو سال قید یا جرمانہ یا دونوں کی سزا دی جا سکتی ہے۔

دفعہ 366

اگر کوئی شخص نابالغ لڑکی کو بدکاری کے لیے مہیا کرتا ہے تو اسے دفعہ 366 کے تحت 10 سال قید یا جرمانے کی سزا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نابالغ لڑکی کو بدکاری کے لیے فروخت کرتا ہے تو اسے دفعہ 372 کے تحت یہی سزا دی جا سکتی ہے۔

دفعہ 376 الف

زنا بالجبر کے لیے اس دفعہ کے تحت عمر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔

دفعہ 377

جرم وضع خلاف فطری کے مرتکب شخص کو اس دفعہ کے تحت عمر قید یا 10 سال قید یا جرمانے کی سزا ہو سکتی ہے۔

دفعہ 493

دھوکہ سے کسی عورت کے ساتھ ہم بستری کرنا کہ وہ اس کا شوہر ہے' ایسے شخص کو دفعہ مذکور کے تحت 10 سال قید یا جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہے۔

دفعہ 497

یہ دفعہ زنائے ہمراہ زوجہ دیگر کے لیے ہے' اس جرم کی سزا 5 سال قید یا جرمانہ یا دونوں ہے۔

دفعہ 498

اگر کوئی شخص منکوحہ عورت کو بد نیت حرام کاری اغواء کرتا ہے تو ایسے شخص کے لیے 2 سال قید یا جرمانہ یا دونوں کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

ان دفعات کے علاوہ حدود آرڈیننس 1979ء میں کچھ ایسی دفعات ہیں جن کے تحت کسی کی عفت کو داغدار کرنے والے شخص کو شرعی سزائیں دی جاتی ہیں۔ ایسی دفعات یہ ہیں:

5-A' 5-B' 11' 12' 13' 14' 15' اور 16

اگر شادی شدہ مرد و زن حرام کاری کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان کے لیے دفعہ 5-A ہے' سزا سر عام سنگسار کرنا تاوقتیکہ موت واقع نہ ہو جائے۔ اور اگر غیر شادی شدہ زن و مرد ایسا جرم کرتے ہیں تو ان کے لیے دفعہ 5-B جس کی سزا سر عام کوڑے مارنا ہے۔

اگر کسی عورت کو اغواء کر کے اسے شادی پر مجبور کیا جائے تو اس جرم کی سزا دفعہ 11 کے تحت عمر قید یا 30 کوڑے ہیں۔ مرد کو غیر فطری فعل کے لیے اغواء کرنا' اس جرم کے لیے سزا دفعہ 12 کے تحت یہ ہے:

سزائے موت یا 25 سال قید با مشقت بمعہ جرمانہ اور 30 کوڑے۔

دفعہ 13/14 بدکاری کرانے کے لیے انسانوں کی خرید وفروخت سے متعلق ہے جس کی سزا عمر قید بمعہ 30 کوڑے مقرر کی گئی ہے۔

دفعہ 15 کا اطلاق اس شخص پر ہوگا جو کسی عورت کو شادی کا جھوٹا یقین دلا کر اس کے ساتھ بدفعلی کرے یا دھوکہ سے کسی عورت کے ساتھ ہمبستر ہو کہ وہ اس کا شوہر ہے' اس جرم کی سزا 25 سال قید بامشقت' 30 کوڑے اور جرمانہ ہے۔

اگر کوئی شخص منکوحہ عورت کو حرام کاری کے لیے ورغلا کر لے جاتا ہے تو دفعہ 16 کے تحت اسے 7 سال قید' جرمانہ یا 30 کوڑوں کی سزا دی جا سکتی ہے۔

دفعہ 14-1-61

شراب اور شباب ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں لہٰذا شرابی کی سزا تعزیرات پاکستان دفعہ مذکور کے تحت 1 سال قید یا جرمانہ یا دونوں ہے۔ حدود آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 8 کے تحت شرابی کی سزا 80 کوڑے ہے۔

دفعہ 312

اسقاطِ حمل کے لیے اس دفعہ کے تحت 7 سال قید یا جرمانہ یا دونوں کی سزا ہو سکتی ہے۔

ایسے محرکات جن سے انسان کو جنسی بغاوت کی ترغیب ملتی ہو' ان کے سدِ باب کے لیے قانون میں یہ دفعات ہیں۔

دفعہ 292

فحاشی اور عریانی جنسی تحریک کو قوت فراہم کرنے کا سب سے زیادہ موثر ذریعہ ہے۔ پاکستان میں فحاشی اور عریانی کئی مختلف طریقوں سے پھیلائی جا رہی ہے جن میں ایک اہم طریقہ فحش لٹریچر کی اشاعت بھی ہے۔ لہٰذا فحش لٹریچر اور فحش کتب فروخت کرنے والے شخص کو دفعہ 292 کے تحت 3 ماہ قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

دفعہ 294

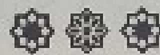
اس دفعہ کے تحت فحش گیت گانے والے یا فحش حرکات کرنے والے شخص کو 3 ماہ قید

یا جرمانہ یا دونوں سزائیں ہو سکتی ہیں۔ (91)

بدکاری کے تدارک کے سلسلہ میں رائج الوقت قوانین کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو موجودہ قوانین کافی حد تک لچک دار اور ناکافی معلوم ہوتے ہیں جس کے باعث ذمہ دار عناصر قانونی گرفت میں نہیں آتے۔ مثلاً تعزیرات پاکستان میں ماسوائے دفعہ نمبر 294 کے کوئی اور ایسی شق موجود نہیں جس کی گرفت میں عریاں فلموں کی نمائش اور عریانیت پھیلانے والے آسکیں۔

''جہاں تک عریاں پوسٹرز کے ذریعے فحاشی پھیلانے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں رجسٹریشن آف پرنٹنگ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس 95 کی دفعہ نمبر 2 کی کلاز 60 میں پمفلٹ یا چارٹ کو بطور کتاب جبکہ پوسٹرز کو دفعہ نمبر 2 ہی کی کلاز (1) میں بطور پیپر کے تعریف کیا گیا ہے۔ دفعہ نمبر 3 کے تحت ہر پوسٹرز پرنٹ کرنے والے کا نام، پبلشر کا نام اور جگہ جہاں سے وہ پوسٹرز چھاپے گئے ہیں ضروری ہے لیکن عریاں پوسٹروں پر اکثر یہ سب کچھ نہیں ہوتا'' (92)

آرڈیننس ہذا کی دفعہ نمبر 39 میں اس قسم کے پوسٹرز کی چھپائی اور انہیں چسپاں کرنے پر جو سزا متعین کی گئی ہے وہ 6 ماہ قید یا 20 ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ مگر تا حال یہ سزا بہت ہی کم لوگوں کو ملی ہے۔ چنانچہ اگر ان قوانین پر سختی سے عمل کرایا جائے تو عفت و عصمت کے تحفظ کے سلسلہ میں یہ کافی حد تک مددمعاون ہو سکتے ہیں۔



# حواشی

(1) ''اسلام کا نظام عفت و عصمت'' از مولانا نورالدین' ص 195

(2) ''پردہ'' ص 260

(3) ''ایضاً''

(4) مشکوٰۃ ص 431

(5) ''پردہ'' ص 263

(6)

(7) مشکوٰۃ ص 319' (2) (ابوداؤد' باب مایؤمر بہ من غض البصر)

(8) ابوداؤد' باب مذکور

(9) جمع الفوائد' جلد اول' ص 317

(10) (احزاب: 4)

(11) (النور: 31)

(12) (ترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ خروج النساء التزینۃ)

(13) ابن کثیر' جلد سوم' ص 286

(14) (''مسلم'' باب النساء)

(15) (المبسوط الاستحسان)

(16) (ترمذی' باب ماجاء فی الاستتار عندالجماع)

(17) (ابن ماجہ باب التستر عندالجماع)

(18) ردالمختار' جلد اول' ص 284

(19) (النور: 31)

(20) شرح نووی المسلم مع المسلم جلد دوم ص 65
(21) بخاری شریف باب الرجم
(22) ''پردہ'' ص 279
(23) ''اسلام کا نظام عفت وعصمت'' 229
(24) حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم' ص 126
(25) ''ایضاً''
(26) (الاحزاب:95)
(27) مسلمان عورت' ص 156
(28) مسلمان عورت' ص 158
(29) روالمختار' جلد اول' ص 284
(30) احکام القرآن' جلد سوم' ص 458
(31) مسلم' باب تحریم افشاء سر المراۃ' جلد اول' ص 464
(32) شرح مسلم نووی' جلد اول' ص 464
(33) ریاض الصالحین' باب تحریم السفر المراۃ وحدھا
(34) ''اسلام کا نظام عفت وعصمت'' ص 230
(35) ریاض الصالحین' ص 178
(36) ''پردہ'' ص 290
(37) ''مشکوۃ'' ص 268
(38) ''پردہ'' ص 105
(39) (النور:19)
(40) (المائدہ:2)
(41) (الانعام:151)
(42) (النساء:85)
(43) (الفرقان:72)
(44) (الشعراء 224 تا 226)
(45) بخاری' مسلم' نسائی' مسند احمد
(46) تلبیس ابلیس' ص 271
(47) رقص وسرود' از علامہ ابوالخیر' ص 8

فتاویٰ عزیزی' جلد اول' ص66
(48) مدخل الشرع' جلد سوم' ص182
(49) ''ایضاً'' ص100
(50) مقدمہ ابن خلدون
(51) ''رقص و سرود'' صدیقی ٹرسٹ' ص16
(52) ''فتاویٰ برہنہ'' ص' 94
(53) ''تلبیس ابلیس'' ص' 305
(54) ''رقص و سرود'' ص' 27
(55) ایضاً
(56) ''پردہ'' ص' 33
(57) ''حجۃ اللہ البالغۃ'' جلد دوم' ص125
(58) ''مشکوٰۃ'' باب النظر الی المخطوبہ
(59) ابوداؤد' جلد اول' کتاب النکاح
(60) ترمذی
(61) ''الجواب الکافی'' ص229
(62) ترمذی باب الطوود' جلد اول
(63) مسند احمد' جلد اول' ص' 309' 317
(64) ''اسلام کا نظریہ جنس'' ص343
(65) المغنی' جلد 8' ص 191
(66) ''ایضاً''
(67) بخاری' جلد دوم' کتاب النکاح
(68) (النور:4)
(69) بخاری' باب النکاح
(70) ''مشکوٰۃ کتاب النکاح''
(71) جمع الفوائد' کتاب نکاح' جلد اول' ص 216
(72) ''اسلام کا نظامِ عفت و عصمت'' ص58
(73) فتح الباری' ص 27
(74) النور:4

(75) بخاری، باب الاستیذان

(76) ابن کثیر، جلد دوم، ص 276

(77) ریاض الصالحین، باب الاستیذان

(78) مشکوٰۃ باب الاستیذان

(79) النور: 59

(80) الاحزاب: 53

(81) ''پردہ'' ص 289

(82) (اسراء: 4)

(83) (الفرقان: 88، 69)

(84) (الاعراف: 4)

(85) (النحل: 13)

(86) ابن کثیر، جلد دوم، ص 38

(87) مشکوٰۃ باب الکبائر، بحوالہ ''اسلام کا نظام عفت و عصمت'' ص 47

(88) ''اسلام کا نظام عفت و عصمت'' ص 48

(89) مشکوٰۃ باب النکاح

(90) الجواب الکافی، ص 207

(91) مذکور دفعات کی تفصیل ''The Pakistan Penal Code XLV of 1860'' میں ملاحظہ فرمائیں

(92) ''فیملی میگزین'' 26 فروری تا 6 مارچ 1999ء



# ماخذ


1- ''مصر کا قدیم ادب'' جلد اول تا چہارم' ابن حنیف

2- ''بھولی بسری کہانیاں'' ''مصر'' ابن حنیف

3- ''تاریخ ابن خلدون'' جلد اول

4- ''ضیاء النبی جلد اول'' پیر محمد کرم شاہ

5- ''روایات تمدن قدیم'' سید علی عباس

6- ''عورت' جنسی تفریق اور اسلام'' لیلیٰ احمد

7- ''اور نیل بہتا رہا'' رفیق ڈوگر

8- ''تاریخ انسانیت جلد 7'' سید محمد قاسم

9- ''تاریخ انسانیت'' جلد 5 سید محمد قاسم

10- 'تاریخ انسانیت جلد 4 سید محمد قاسم

11- ''اردو انسائیکلو پیڈیا'' فیروز سنز' لاہور' تیسرا ایڈیشن' جنوری 1984ء

12- ''دائرۃ المعارف اسلامیہ'' جلد 13

13- ''دنیا کا قدیم ترین ادب'' جلد دوم' ابن حنیف

14- ''تاریخ فحاشی'' علامہ نیاز فتح پوری

15- ''تاریخ' تہذیب وتمدن از عرب ول ڈیورانٹ'' مترجم یاسر جواد

16- ''تاریخ مذاہب'' رشید احمد

17- ''انسانی تمدن کی داستان'' باری علیگ

18- ''ازدواجی نفسیات'' آغا اشرف

19-"Grolier Academatic Eneyclopedia" vol.9, USA, 1983

20- ''بھولی بسری کہانیاں' یونان'' ابن حنیف

21- ''دیومالائی جہاں'' آرزو چودھری

22- "Life of Greece" ول ڈیورانٹ

23- ''افلاطون اور ارسطو کے سیاسی افکار'' چوہدری احسان اللہ

24- ''پردہ'' مولانا مودودی

25- ''تمدن ہند'' ڈاکٹر گستاوی بان' مترجم سید علی بلگرامی

26- ''تاریخ' تہذیب' تمدن' فلسفہ' ہندوستان'' ول ڈیورانٹ

27- ''بھولی بسری کہانیاں' ہندوستان'' ابن حنیف

28- ''ارتھ شاستر'' آچاریہ کوتلیہ چانکیہ' ترجمہ محمد اسماعیل ذبیح

29- ''تاریخ تمدن ہند'' محمد حنیف

30- ''تاریخ فرشتہ'' جلد اول' دوم' ملا محمد قاسم فرشتہ

31- ''عورت اسلامی معاشرہ میں'' سید جلال الدین عمری

32- ''تاریخ مسلمانانِ ہند'' مغلوں کے زوال سے قیام پاکستان تک' سید ہاشمی فرید آبادی

33- ''عہد مغلیہ'' صفدر حیات صفدر

34- ''تزک جہانگیری'' اردو ترجمہ مولوی احمد علی رامپوری

35- ''شاہ جہاں نامہ'' ملا محمد صالح کمبوہ

36- ''آجاؤ افریقہ'' کشور ناہید

37- اسلام کا نظریہ جنس'' سلطان اصلاحی

38-The Kama Sutra of Vatsyayama Penther Books Ltd Englan, 1963

39- ''ایران بعہد ساسانیاں'' پروفیسر آرتھر کرسٹن
40- ''تاریخ الامم والملوک'' علامہ طبری
41- ''الکامل'' علامہ ابن اثیر
42- "The Age of Faith" شاہین مکاریوس
43- "History of Peria" سرپرسی
44- ''تاریخ طبری'' جلد دوم' علامہ طبری
45- ''نقوش رسول'' جلد 3' محمد طفیل
46- ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' سید ابوالحسن ندوی
47- ''عورت زبان خلق سے زبان حال تک'' کشور ناہید
48- ''مختصر تاریخ عالم'' ایچ جی ویلز
49- ''نی ہاؤ (سفرنامہ چین)'' کوکب خواجہ
50- ''انسانی تہذیب کا ارتقاء'' ول ڈیورانٹ
51- ''سفرنامہ ابن بطوطہ'' رئیس احمد جعفری
52- ''اسلام اور افکار نو'' شیخ محمد علی
53- ''چینی منگولوں کے شہر میں'' کوثر جمال
54- ''سفرنامہ بلوچستان و سندھ'' لیفٹیننٹ ہنگری پونگر

55-"Chinese Looking Cslass" Dennis Blord Warth.

"China Short Culturut History, c.p fit 2 gerold

56- ''جا تیرا امریکا دیکھ لیا'' ڈاکٹر سید علی واسطی
57- ''سویڈن کے عشرت کدے'' لال دین قریشی
58- ''جدید جاہلیت'' محمد قطب
59- ''عورت جرائم کی دلدل میں'' انعام الرحمٰن سحری

60-"Sex in the Modern World" G.L Simon, UK. 1970

61-"Orgasm" Brian Richard Boylan New Yark, 1973

62-"The Forum Guide to Sexal problims, UK, 1975

63-History of Civilization vol 1, "Our Oriental Heritage":Will Durant

64- ''تاریخ اور عورت'' ڈاکٹر مبارک علی

65- ''ہندوستان میں مسلم ثقافت'' عبدالمجید سالک

66- ''تقابل ادیان'' ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ

67- ''نکلے تیری تلاش میں'' مستنصر حسین تارڑ

68- ''اسلام اور ضبط ولادت'' مولانا مودودی

69- ''اسلام کا نظام عفت وعصمت'' مولانا ظفر الدین

70- ''حجتہ اللہ البالغہ'' جلد دوم

71-"Pakistan Penal Code xlv of 1860

72- ''معارف القرآن'' مولانا محمد شفیع

73- ''کافرستان'' محمود دانشور

74- ''اپنی نگاہ'' جویریہ خالد

75- ''پارلیمنٹ سے بازار حسن تک'' ظہیر احمد بابر

76- ''پاکستان میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کا کردار'' منیر احمد

77- ''شہاب نامہ'' قدرت اللہ شہاب بار ہفتم 1989ء

78- القرآن

79- مشکوٰۃ شریف

80- ابوداؤد

81- مسلم

82- بخاری شریف

83- ابن ماجہ

84- نسائی

85- ترمذی

86- تفسیر ابن کثیر

87- احکام القرآن

88- فتح الباری

89- جمع القوائد

90- الجواب الکافی

91- ریاض الصالحین

92- المبسوط کتاب الاستحسان

93- مدخل الشرع جلد سوم

94- البدایۃ والنہایۃ جلد اوّل

95- المغنی جلد 8

96- مسند احمد

97- فتاویٰ رضویہ جلد 12

98- فتاویٰ عزیزی

99- فتاویٰ بر ینہ

100- تلبیس ابلیس

101- رقص و سرود' علامہ ابوالخیر

102- مقدمہ ابن خلدون

103- مسلمان عورت

104- ضحیٰ الاسلام' پروفیسر محمد امین مصری۔

105- ضیاء النبیؐ ۔ پیر کرم شاہ

## ماہنامے

1- ماہنامہ مون ڈائجسٹ

2- ماہنامہ تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان

3- اردو ڈائجسٹ

4- ماہنامہ چترالی

5- خواتین ڈائجسٹ

6- دوشیزہ ڈائجسٹ
7- ماہنامہ آنچل
8- ماہنامہ دلہن
9- ماہنامہ کرن
10- سسپنس ڈائجسٹ
11- جاسوسی ڈائجسٹ
12- ماہنامہ سلام عرض
13- ماہنامہ آداب عرض
14- حنا ڈائجسٹ
15- ماہنامہ ایڈونچر
16- پاکیزہ ڈائجسٹ
17- ماہنامہ حکایت
18- ماہنامہ شعاع
19- ماہنامہ مسرت
20- ماہنامہ نیا رخ
21- ماہنامہ خواتین ٹائم
22- ماہنامہ جیون گجرات
23- ماہنامہ حالات زمانہ سیالکوٹ

## ہفت روزہ جرائد

1- ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی
2- ''اخبار جہاں'' کراچی
3- ہفت روزہ ''میگ''
4- ہفت روزہ ''فیملی میگزین''
5- ہفت روزہ ''تاجر'' اسلام آباد

6- ہفت روزہ ''نیوز ویک'' امریکہ

7- ہفت روزہ ''ٹائم'' امریکہ

## روزنامچے

1- روزنامہ جنگ

2- روزنامہ نوائے وقت

3- روزنامہ مشرق

4- روزنامہ خبریں

5- روزنامہ ڈان

6- ڈیلی دی نیشن

ان کے علاوہ لاتعداد مقامی روزناموں اور ایوننگ اسپیشل پیپرز سے استفادہ کیا گیا۔

